تفصیلات

کتاب کا نام:...محمود الرسائل

افادات:.................حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

مرتب:..................مفتی عبدالقیوم راجکوٹی (معین مفتی جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل)

صفحات:..۵۱۲

تعداد:..۱۰۰۰

ناشر:..مکتبۂ محمودیہ، محمود نگر، ڈابھیل

ملنے کے پتے

(۱) مکتبۂ انور (مفتی عبدالقیوم راجکوٹی) محمود نگر، ڈابھیل 99246,93470

(۲) ادارۃ الصدیق ڈابھیل 99048,86188 / 99133,19190

(۳) شعبۂ فیض محمود، سوداگرواڑ، سورت

اجمالی فہرست

تفصیلی فہرست

(۱) نگاہ اور شرمگاہ کی حفاظت

(۲) رمضان المبارک کی تیاری

(۳) جامعہ کے دو اہم خطاب

(۴) فضلاء سے اہم خطاب

(۵) حدیث کی حجیت اور اس کی حفاظت واشاعت

(۶) منگنی اور شادی کے مسائل کا حل

(۷) مفکّرِ اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی میاں صاحب ندویؒ کی عظمت و مقبولیت کا راز

(۸) خطبۂ استقبالیہ

(۹) بیعت ہونے والوں کو ہدایات

(۱۰) مدارس کے سفراء کے ساتھ ہمارا سلوک ایک لمحۂ فکریہ

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

نحمده و نصلي علی رسوله الكريم...

یہ مجموعہ کوئی جدید یا مستقل تصنیف نہیں مرشد العلماء، حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم کے مختلف بیانات میں بکھرے ہوئے شہ پاروں کا ایک جدید مجموعہ ہے۔ حضرت کے بیانات علیحدہ علیحدہ مقامات سے مختلف زمانہ میں شائع ہوئے اور ہاتھوں ہاتھ ختم ہو گئے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ الحمد للہ حضرت کے بیانات اور اصلاح کا طرز پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور عملاً سراہا جاتا ہے۔

اہل علم اور اصلاح کے طالبین نے حضرت مدظلہ کی زبان فیض ترجمان سے نکلی ہوئی باتوں کو اپنے درد کا درماں جانا اور اس میں اپنے قلبی طمانینت اور روحانی سکون کا سامان پایا۔

بکھرے ہوئے شہ پاروں کی حقیقت کچھ یوں ہے:

(۱) نگاہ وشرمگاہ کی حفاظت:

کسی اہل دل نے کیا خوب کہا ہے:

چشم بند و گوش بند ولب بہ بند		گر نہ بینی سر حق بر من بخند

یعنی تو اپنی آنکھوں کو، اپنے کانوں کو، اپنے ہونٹوں کو بند کرلے پھر تجھے مشاہدۂ حق نہ ہو تو میرا مذاق اڑانا۔

انسانی آنکھ جب بے لگام ہو جاتی ہے تو اکثر فواحش کی بنیاد بن جاتی ہے، اسی لئے محققین کے نزدیک بدنظری ''ام الخبائث'' کے مانند ہے، ان دو سوراخوں سے ہی فتنے ابلتے ہیں اور معاشرہ میں عریانی وفحاشی کے پھیلنے کا سبب بنتے ہیں۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور اشعار ہیں:

عِفُّوْا تَعِفُّ نِسَاؤُكُمْ فِي الْمَحْرَمِ		وَ تَجَنَّبُوْا مَا لَا يَلِيْقُ بِمُسْلِمِ
إِنَّ الزِّنَا دَيْنٌ فَإِنْ اَقْرَضْتَهٗ		كَانَ الْوَفَا مِنْ اَهْلِ بَيْتِكَ فاعْلَمِ
مَنْ يَّزْنَ يُزْنَ بِهٖ وَ لَوْ بِجِدَارِهٖ		اِنْ كُنْتَ يَا هٰذا لَبِيْناً فَافْهَمِ

(تم پاکدامن رہو تمہاری عوتیں پاکدامن رہیں گی، اور بچو اس سے جو مسلمان کے لائق نہیں ہے- بے شک زنا قرض ہے اگر تو نے اس کو قرض لیا تو ادائیگی تیرے گھر والوں سے ہوگی اس کو جان لے۔ جو زنا کرے اس سے زنا کیا جائے گا اگر چہ اس کی دیوار سے، اے شخص اگر تو عقلمند ہے تو اس کو جان لے)

حضرت مرشدالعلماء نے اس بیان میں آیات کریمہ، احادیث مبارکہ اور عبرتناک واقعات کے ذریعہ کوشش کی ہے کہ شیطانی قوتوں کی طرف سے بے حیائی پھیلانے والی حیاسوز تدابیر سے اجتناب کیا جائے۔

(۲) رمضان المبارک کی تیاری:

سنو! رمضان کا آیا مبارک جو مہینہ ہے	حقیقت میں خدا کی نعمت کا یہ خزینہ ہے
ہمیں یہ جنت الفردوس میں لے جائے گا نادر	خدا کی رحمتوں کا در حقیقت یہ سفینہ ہے

اس بیان میں رمضان المبارک کو صحیح وصول کرنے کے لئے اپنے آپ کو

مستعد کرنے کے حکیمانہ طریقے دلنشیں انداز میں بیان کئے ہیں۔

یہ دونوں رسالے مسجد انوار؛ سورت کی مجلس کا ایک حصہ ہے۔

(۳) جامعہ کے دو اہم خطاب:

احاطۂ جامعہ ڈابھیل کے دو بیان کو رسالہ کی شکل دے دی ہے۔

پہلا بیان: ۱۴۱۱ھ میں جامعہ کے مثالی مہتمم حضرت مولانا محمد سعید بزرگ کے وصال کے دوسرے روز جامعہ کے اجلاس تعزیت میں کیا تھا، جس میں تعزیت کی حقیقت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

دوسرا بیان: جامعہ کی انجمن، شعبۂ تقریر وتحریر کے موقع پر سالانہ اجلاس میں کیا ہے، جس میں مافی الضمیر کو فصاحت و بلاغت کے ذریعہ بیان کرنے کے ماٰخذ ومراجع کا ذکر ہے۔

(۴) فضلاء سے اہم خطاب:

حضرت مرشد العلماء کی پوری زندگی مدارس کے ماحول میں گزری، مدارس میں تیزی سے بڑھتے ہوئے انحطاط اور اس کی بنیادی روح کی کمزوری کا احساس انہیں اچھی طرح ہے۔ استاذ وشاگرد کا یہ خشک رسمی رشتہ جو کسی زمانہ میں عصری تعلیم گاہوں کا خاصہ تھا، اب ہمارے مدارس میں تدریجاً آ رہا ہے، علم وتحقیق کا قافلہ کہاں پہنچ رہا ہے اور ہم ''پدرم سلطان بود'' کو اپنے فخر کے لئے کافی سمجھ رہے ہیں۔ مدارس کے فضلاء کی ذمہ داری، ان کے کردار کی بلندی اور ان میں صلاح وتقوی پیدا کرنے کے لئے ۷/ جمادی الاولی ۱۴۳۳ھ میں دار العلوم

سعادت دارین ستپون ؛ بھروچ میں یہ بیان کیا گیا۔ مزید تفصیل اس کے ''پیش لفظ ''میں ملاحظہ کرلیں۔

(۵) حدیث کی حجت اوراس کی حفاظت واشاعت:

۱۴۱۹ھ میں جامعہ علوم القرآن جمبوسر میں بخاری شریف کا افتتاح ہوا، افتتاح کے موقع پر حضرت نے حدیث شریف کی حجیت کے موضوع پر بلیغ بیان فرمایا تھا جس میں مغربی افکار سے بیحد مرعوب سرسید احمد اوران کے رفیق مولوی چراغ علی اور عبداللہ چکڑالوی کے انکار حدیث کے سلسلہ میں بنیادی نظریات پر تردید بھی ہے۔ یہ بیان جمبوسر سے اسی وقت ''جامعہ علوم القرآن جمبوسر کا پہلا درس بخاری'' کے نام سے شائع شدہ رسالہ میں چھپا تھا۔

(۶) منگنی اور شادی کے مسائل کا حل:

۱۴۱۷ھ کے طویل استفتاء کا جواب ہے، جس میں منگنی اور شادی میں مروجہ رسوم کے قبائح کا مفصل و مدلل رد ہے۔ اخیر میں شب زفاف گزارنے کا اسلامی طریقہ دلنشیں انداز میں بتلایا ہے۔ اصل فتویٰ گجراتی زبان میں تھا، دارالإفتاء جامعہ ڈابھیل کے دو فاضل مفتی طاہر سورتی اور مفتی شمعون احمد آبادی نے اردو میں منتقل فرمایا، فجزاهم الله احسن الجزاء. مفتی محمود صاحب بارڈولی زید مجدہ [مجاز فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ] کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے کہ موصوف نے گجراتی، اردو اور انگریزی زبان میں ان مسائل کی نشر واشاعت کا خوب اہتمام کیا۔ ان کو چھوٹے چھوٹے کتابچوں اور

پمفلٹوں میں چھپوا کر ہزاروں کی تعداد میں تقسیم کیا، اب ان مسائل کو اس مجموعہ میں شامل کرلیا ہے۔

(۷) حضرت مولانا ابوالحسن علی میاںؒ کی مقبولیت کا راز:

حضرت مولانا علی میاںؒ کے وصال کے بعد ۳۰/ جولائی ۲۰۰۰ء ڈیوز بری برطانیہ میں M.C.F (مسلم کمیونٹی فارم) کے ذمہ داروں نے ایک تاریخی سمپوزیم قائم کیا، جس میں برطانیہ کے سرآوردہ اہل علم کے علاوہ دیگر ممالک کے اصحاب فضل وکمال کو مدعو کیا گیا تھا، یہ مقالہ اس سمپوزم کے لئے لکھا تھا۔ مقالہ سے پہلے احقر کا ''پیش لفظ'' ہے جس میں مزید تفصیل مذکور ہے۔

(۸) خطبۂ صدارت: ۱۹۹۵ء میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا بارہواں اجلاس احمد آباد میں منعقد ہوا، دو عظیم الشان سادات بزرگ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ اور مفتیٔ گجرات حضرت مفتی سید عبدالرحیم لاجپوریؒ کے ایماء پر حضرت نے یہ خطبہ لکھا تھا۔ سامعین نے خطبہ کو خوب پسند کیا، بعض ارباب بصیرتِ نے اجلاس کا لُبّ لُباب قرار دیا۔ مزید تفصیل ''مولانا علی میاں کی مقبولیت کا راز'' کے مقدمہ میں ملاحظہ کیجئے۔

(۹) بیعت ہونے والوں کو ہدایت:

حضرت مرشد العلماء کو اللہ تعالی نے علم ظاہر و باطن سے سرفراز فرمایا ہے۔ ایک طرف آپ مفتی وشیخ الحدیث ہیں تو دوسری طرف آپ پیرِ طریقت بھی ہیں، جس طرح طبیب جسمانی بیماریوں کا علاج کرتا ہے اسی طرح آپ روحانی

بیماریوں کا علاج فرماتے ہیں اور اِس وقت بے شمار روحانی مریض آپ کے زیر علاج ہیں، بیمار جس وقت آپ کے روحانی شفاخانہ میں داخل ہوتا ہے اس وقت اس سے علاج کا نسخہ اختیار کرنے اور بد پرہیزی سے بچنے کا عہد لیا جاتا ہے۔ یہ رسالہ رہروان سلوک کے لئے سرمایۂ بصیرت و مشعلِ راہ ہے۔

۱۴۲۱ھ میں احمد آباد کے ایک مخلص خادم نے قلم بند کر کے اہل بیعت کی سہولت کے خاطر گجراتی میں شائع کیا تھا جس کو بعد میں اردو کے لبادہ میں ڈھال کر کے افادہ عام کر دیا گیا۔

(۱۰) مدارس کے سفراء کے ساتھ ہمارا سلوک ایک لمحۂ فکریہ:

ظاہر ہے کہ ہر مقصد کے حصول کے اپنے طریقے ہوتے ہیں، ہمارے اکابرؒ نے سرزمین ہند میں مدارس کی داغ بیل ڈالی، ان کے بقاء کے لئے عوامی چندہ کا طریقہ اختیار فرمایا جو مدارس ملّت کا بیش قیمت سرمایہ ہے۔اس کی برکات ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ گجرات کے بعض علاقوں میں ان سفراء کے ساتھ بدسلوکی کی شکایت موصول ہوئی، حضرت کے حساس دل میں اس کی اصلاح کی فکر دامن گیر ہوئی، اسی وقت اس موضوع پر طویل مضمون املاء کروایا جس میں چندہ کا ثبوت، اکابر دیوبند کا عمل اور اس سلسلہ کے دوسرے واقعات مذکور ہیں، اصل مضمون اردو زبان میں تھا، جناب عبد القادر فاتی والا صاحب زید مجدہ نے اسے گجراتی زبان کا جامہ پہنایا اردو مضمون ماہنامہ ''اذان بلال'' آگرہ، گجراتی ماہنامہ ''الاصلاح'' سملک اور ہفتہ واری اخبار ''امید'' سورت میں قسط وار طبع ہوا، اب اسے بھی مجموعۂ ہٰذا کا جزء بنایا جا رہا ہے۔

اس مجموعہ کے مطالعہ کے وقت یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں؛ بلکہ چند بیانات کا مجموعہ ہے جو وقتاً فوقتاً حسبِ موقع حضرت کے خدام نے تیار کیا ہے، لہٰذا اس کا اسلوب تحریری نہیں؛ بلکہ خطابی ہے، خطاب کی نوک پلک درست کر کے عام فہم اور مربوط انداز میں ڈھالنے کی پوری کوشش کی ہے، اگر ان مضامین سے کسی کو فائدہ پہنچے تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم وفضل ہے۔ حضرت مرشد العلماء کے مختلف مضامین کو یکجا کرنے کا مقصد طالبین کے لئے سہولت پیدا کرنا اور اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کرنا ہے، اللہ تعالیٰ سب سے پہلے احقر کو پھر قارئین کو اپنی اصلاح کی توفیق وسعادت بخشے اور مجموعہ کے جزء وکل کی تیاری واشاعت میں جنہوں نے حصہ لیا ہے اللہ تعالیٰ ان کو اس خدمت کا بہترین صلہ عطا فرمائیں اور مزید خدمات دینیہ وعلمیہ کے لیے موفق فرمائیں، آمین۔

احقر: عبدالقیوم غفرلہ الحی القیوم راجکوٹی

۴/ ربیع الاوّل ۱۴۳۵ھ

نگاہ اور شرمگاہ کی حفاظت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افتتاحیہ

قرآنی اور نبوی تعلیمات سے ادنیٰ واقفیت رکھنے والا شخص بھی اس بات سے واقف ہوگا کہ خالق کائنات اور محسن انسانیت ﷺ کی نگاہ میں نگاہوں کی پاکیزگی اور شرم گاہ کی حفاظت کی کتنی زیادہ اہمیت ہے، اور نگاہوں کی پاکیزگی بھی دراصل شرم گاہ کی حفاظت کے لئے ہی مطلوب ہے، تو اصل مقصد تو حفاظت فرج ہی ہے، سورۂ مومنون میں فلاح یاب مومنین کی صفات کے منجملہ فرمایا: ’’اور وہ لوگ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں‘‘۔ سورۂ احزاب میں ان حضرات کی فہرست میں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجرِ عظیم تیار کیا ہے ان مردوں اور عورتوں کو بھی نمبر دیا گیا ہے جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کا اہتمام کرتے ہیں، سورۂ معارج میں ارشادِ ربانی ہے: ’’اس میں شک نہیں کہ انسان بڑا بے صبرا واقع ہوا ہے، اگر اسے کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو اودھم پچھاڑے کرتا ہے، اور اگر حالات سازگار ہو جائیں تو کنجوس بن جاتا ہے‘‘۔ البتہ وہ لوگ اس کلیہ سے مستثنیٰ ہیں جن میں یہ صفات ہیں یہاں بھی منجملہ اور صفات کے حفاظت فرج کو شمار کیا ہے۔

مذکورہ بالا تینوں مواقع میں قابل ذکر بات یہ ہے کہ تینوں جگہ جملہ اسمیہ استعمال ہوا ہے جس میں عربیت کے قواعد کی رو سے استمرار اور دوام ہوتا ہے، حاصل یہ نکلا کہ یہ صفت ان کی وقتی نہیں ہے؛ بلکہ دوامی ہے یعنی اکا دُکا کبھی کبھار کوئی شخص شرم گاہ کے گناہ سے بچ جائے تو یہ کوئی بات نہیں ہوئی، بات تو تب ہے

جب کہ آدمی ہمیشہ بچے۔

اوپر جن تین آیتوں کا ترجمہ یا مفہوم پیش کیا گیا، ان میں سے اول وآخر آیت میں اپنی بیویوں اور باندیوں کا استثناء کیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ بیویوں اور باندیوں کے معاملہ میں کوئی پابندی اور روک ٹوک نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ بھی درحقیقت حفاظت فروج میں معین ومددگار بننے والی چیز ہے، گھر میں بھوک مٹ جائے تو باہر مارا مارا کیوں پھرے؟

حدیث پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی اجنبیہ پر اچانک نظر پڑ جانے سے دل میں داعیہ پیدا ہوجائے تو گھر آکر اپنی بیوی کے ساتھ مشغول ہوجائے چاہے وہ تنور پر ہو، (باورچی خانہ میں کتنے ہی اہم کام میں مشغول ہو) کیونکہ اُس کے پاس وہی ہے جو اِس کے پاس تھا، یہ بھی تاکید فرمائی گئی کہ لڑکا لڑکی جب شادی کے لائق ہوجائیں تو پھر شادی میں بلا کسی معقول عذر کے تاخیر نہیں کرنی چاہئے، اگر دیر کی اور وہ گناہ میں مبتلا ہوئے تو ماں باپ بھی گنہگار ہوں گے، اگر کوئی شخص تصحیح نیت کے اہتمام کے ساتھ صحبت کرے تو اس کو صدقہ کا ثواب ملتا ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب اس پر حیرت کا اظہار کیا تو ارشاد فرمایا: کہ اچھا بتاؤ! اگر یہ شہوت غلط جگہ پوری کرتا تو گناہ ہوتا یا نہیں؟ بلکہ محبت کے ساتھ بیوی کے منہ میں لقمہ دینے پر بھی ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے، نکاح کا تحفہ امت کے نوجوانوں کو کس مصلحت کے پیش نظر دیا گیا؟ دو ہی بڑی مصالح بتائیں: نگاہوں کی حفاظت، شرم گاہ کی پاکی۔ اس کے بعد بھی اگر کسی کی نگاہ میں پاکیزگی نہ آئے اور شرم گاہ محفوظ نہ ہو تو اس میں کسی کا کیا قصور ہے؟ گھر میں کھانا موجود ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی بھوکا

پیاسا مارا مارا پھرتا ہو تو اس میں بھول کس کی ہے؟ کسی کی تشفی ایک سے نہ ہوتی ہو تو چار تک کی اجازت دی گئی۔

ایک موقع پر حضور اکرم ﷺ نے دعا مانگی: اے اللہ! تو میری شرم گاہ کو محفوظ کردے۔ ایک اور موقع پر فرمایا: اے اللہ میں اپنی منی کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

مردوں اور عورتوں دونوں کو نگاہیں نیچی رکھنے کی تاکید کی گئی، علاوہ ازیں عورتوں کو بلاضرورتِ شدیدہ گھر سے نکلنے سے منع کر دیا گیا، وقتِ ضرورت نکلنے پر شرعی پردہ کی پابندی عائد کردی، خوشبو لگا کر نہ نکلے، میلے کچیلے کپڑوں میں نکلے، بجتا زیور پہن کر نہ نکلے، اجنبیوں سے بلاضرورت بات نہ کرے، اگر بات کرنے کی نوبت آہی جائے تو ناز وادا سے بات نہ کرے؛ بلکہ کڑک لہجے میں بات کرے فون ریسیو کرنے والی خواتین توجہ دیں: اولاً تو مردوں کی گھر میں موجودگی کی صورت میں انہیں فون ریسیو کرنا ہی نہیں چاہیے، اور گھر میں کوئی بھی مرد موجود نہ ہو تو لہجہ اور آواز کو بتکلف سخت بنا کر مختصر سی بات کر لینی چاہیے، عموماً ہمارے معاشرہ میں مرد فون ریسیو کرنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں، انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ گھر میں ان کے موجود ہوتے ہوئے عورتوں کو فون ریسیو کرنا مردوں کی غیرت کے خلاف ہے، اگر اس بات کے آثار وقرائن غالب ہوں کہ کال (Call) کسی خاتون ہی کا ہے تو بات اور ہے۔

الحاصل! ان تمام احکامات کے جاری کرنے کے پیچھے آخر کون سے مقاصد کارفرما ہیں؟ ظاہر یہی ہے کہ ایک پاکیزہ مثالی معاشرہ وجود میں آئے، ’’یک در گیر محکم گیر‘‘ آج تو ماحول اتنا آلودہ ہے مادی اعتبار سے بھی اور معنوی اعتبار

سے بھی؛ مگر مادی آلودگی (Polution) کا احساس بھی ہے اور علاج کا بھی فکر ہوتا ہے، مگر معنوی اور روحانی کثافت کا کسی کو احساس ہی نہیں ہے کہ اس کی پاکیزگی اور نورانیت کا تصور بھی جلدی سے قائم نہیں ہوتا، خالق کائنات نے جتنی شدت اور تاکید سے ماحول کو روحانی نورانی اور پاکیزہ بنانے کی طرف توجہ دلائی، آج کے شیاطین الانس اس کو اتنا ہی غلیظ کثیف اور آلودہ بنانے کے لئے بے قرار ہورہے ہیں، عورتوں کو یہ پٹی پڑھائی کہ پردہ ان کی آزادی پر حملہ ہے، ان کو اجنبیوں کے سامنے نچوایا، آزادی اور تہذیب کے نام پر عورتوں کے ساتھ ایسی دھوکہ بازی کہ اتنا بڑا دھوکہ شاید انسانیت کی تاریخ میں کسی کے ساتھ نہیں ہوا ہوگا، مرد نے اپنی ہوس کی تسکین کے خاطر یا پیسہ بٹورنے کی خاطر ایک باعزت صنف کی ساری عزت وعصمت کو تارتار کردیا، اس کو یہ سبق پڑھا دیا کہ تمہیں خوب آراستہ پیراستہ ہوکر گھر سے نکلنا چاہئے، گھر میں نہیں بیٹھے رہنا چاہئے، تم ملازمت کیوں نہیں کرتی؟ تم بزنس کیوں نہیں کرسکتی؟ کون کہتا ہے تم شاپنگ کرنے نہیں جاسکتی؟ تمہیں ناچنے گانے سے کس نے روک دیا؟ خوب ناچو گاؤ۔

بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارنیست

نتیجہ یہ ہوا کہ عورتوں نے میدان میں اتر کر ہر میدان مارنے کی کوشش کی، خوب بن سنور کر بازاروں میں آئیں، دکانوں پر بیٹھیں؛ تاکہ جو ہوس خور مرد چاہے اسے دیکھ کر تسکین حاصل کرلے، اب ظاہر ہے کہ صرف دیکھ کر تو تسکین ہونے سے رہی؛ اس کا جو بھی نتیجہ ہونا چاہئے وہ ہوا، اور آج حالت یہ ہوگئی کہ جس عورت کو اسلام نے عزت کی چوٹیوں پر پہنچا کر اسے تقدس عطا کیا تھا، آج وہ دوبارہ زمانۂ

جاہلیت کی طرح قعرِ مذلت میں جا گری ہے، نہ اس کا کوئی وقار ہے نہ تقدس، آج پھر اس کی حیثیت ایک کھلونے کی گڑیا جیسی ہوگئی یا زرخرید باندی جیسی؛ لیکن اسلام کی زندہ تعلیمات کا دامن آج بھی پھیلا ہوا ہے کہ خواتین اپنے آپ کو اس سے وابستہ کر کے کھویا ہوا مقام واپس لے لیں، دل میں تقویٰ ہو اور جسم پر شرعی پردہ ہو پھر دیکھو تمہیں کیا مقام ومرتبہ ملتا ہے؟

دوسری طرف ہمارے نوجوانوں کا حال یہ ہے کہ عورتوں کے پیچھے لٹو بنے پھرتے ہیں، جھلک دیکھنے کے لئے بے تاب ہیں، دلوں میں آگ لگ گئی ہے، اب ظاہر ہے کہ جب تک کسی بھی جائز یا ناجائز طریقہ سے بجھا نہ لو سکون کہاں ملنے والا ہے؟ اگر ناجائز طریقہ سے بجھائی تو حالت اور نازک ہو جاتی ہے، سکون واطمینان غارت ہوگیا، ظاہر ہے کہ غیر فطری طریقہ میں سکون کہاں؟ آج عموماً یہ حالت ہے کہ مرد کی نگاہ کہیں لڑی ہوئی ہے، بیوی کا گھپلہ کہیں چل رہا ہے، خاندان اور معاشرت کی حالت تباہ و برباد ہے، خمیازہ معصوم ونابالغ بچوں کو بھگتنا پڑتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس ڈھٹائی اور بے ہودگی کے ساتھ کھلم کھلا ہمارے مرد اور عورتیں خدا کو ناراض کرنے پر تلے ہوئے ہیں، اس کو دیکھ کر آدمی سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ایسے میں آخر سکون ملے تو کیسے ملے اور کہاں ملے؟ شہر میں پچاسوں تھیٹر اور سینما ہیں جس میں جو فلم چاہو دیکھ لو، گھروں میں ٹی وی ہے، کیبل ہے جب چاہو جو تماشہ چاہو دیکھ لو، مختلف اخبارات اور ان کے اضافے (......) عریاں اور ننگی تصویروں والے موجود، رہی سہی کمی انٹرنیٹ نے پوری کردی، بالکل صحیح فرمایا: ’’آنکھوں کو پناہ ملنی مشکل ہے‘‘۔

یہ ہمارے معاشرے کی افسوسناک صورت حال کی ایک جھلک ہے، کچھ لوگ اس سے بھی زیادہ میں مبتلا ہوں گے، انہیں اپنی حالتِ زار پر نظر ثانی کرنے اور اپنے آپ پر اور اپنے بیوی بچوں پر اور انسانی سماج پر رحم کھانے کی ضرورت ہے کہ جس راہ پر آپ نے دوڑ لگائی ہوئی ہے یہ راستہ ایک بہت گہری اور خطرناک گھاٹی پر پورا ہوتا ہے، جس میں ایک بار گر جانے کے بعد وہاں سے باہر نکلتے ناک میں دم آجائے گا، یقیناً بہت سے لوگ ان گندگیوں سے پاک بھی ہوں گے ایسے لوگ قابل صد مبارک باد ہیں۔

اور ہاں! آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ انسانیت کے جن علمبرداروں نے انسانیت کو اس راستہ پر ڈالا تھا، اور تعلیمات اسلامی سے بے زار کیا تھا، آج وہ خود سر پکڑ کر بیٹھے ہوئے ہیں اور جن سعید روحوں کی قسمت اچھی تھی وہ اسلام اور اس کی تعلیمات کے دامن میں آ آ کر پناہ لے رہی ہیں۔

حضرت اقدس مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم اپنے ایک سفر نامہ میں لندن ٹائمز کے حوالہ سے رقم طراز ہیں: اور دلچسپ بات یہ ہے کہ ان برطانوی نومسلموں میں بھاری اکثریت خواتین کی ہے، اخبار کی اطلاع کے مطابق امریکی نومسلموں میں بھی خواتین کی تعداد مردوں کے مقابلہ میں چار گنا زیادہ ہے.................مغرب کے لوگ خود اپنی سوسائٹی سے مایوس ہو رہے ہیں، جس میں بڑھتے ہوئے جرائم، خاندانی نظام کی تباہی، منشیات اور شراب نوشی کا دور دورہ ہے، بالآخر وہ اسلام کے دیئے ہوئے نظم وضبط اور تحفظ کی تعریف کرتے ہیں۔

ایک اٹھائیس (۲۸) سالہ برطانوی خاتون جو ''ہدی خطوب'' کے اسلامی

نام سے مشہور ہے، اس نے مسلم خواتین کے لئے ایک کتاب لکھی ہے، اسلام اور عیسائیت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتی ہے ''عیسائیت ہر وقت بدلتی رہتی ہے، مثلاً اب بعض عیسائیوں نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ شادی سے پہلے جنسی تعلقات قائم کرنے میں کچھ حرج نہیں؛ بشرطیکہ یہ اس شخص کے ساتھ ہوں جس سے شادی کرنے کا ارادہ ہو، یہ بڑا ڈھیلا ڈھالا مذہب ہے، اس کے برعکس جنسی تعلقات کے بارے میں اسلام کی تعلیمات ہمیشہ یکساں رہی ہیں''۔

حضرت مفتی صاحب لکھتے ہیں: ''اگرچہ عام تأثر یہ ہے کہ مغربی خواتین مردوں کے دوش بدوش کام کرنے کو پسند کرتی ہیں، اور اپنی اس خواہش سے دستبردار ہونا ان کے لئے بہت مشکل ہے؛ لیکن برطانیہ کی جن نومسلم خواتین سے لندن ٹائمز نے گفتگو کی، اس میں ان خواتین نے بتایا: کہ ہمارے لئے اسلام میں کشش کا سبب ہی یہ ہوا کہ اسلام مرد اور عورت دونوں کے لئے الگ الگ دائرۂ کار تجویز کرتا ہے جو دونوں کی جسمانی اور حیاتیاتی سانچوں کے عین مطابق ہے، ان کے نزدیک مغرب کی تحریک نسائیت (Feminism) درحقیقت عورت کے ساتھ بغاوت تھی، تحریکِ آزادی نسواں پر تبصرہ کرتے ہوئے ان خواتین نے کہا ''اس کا مطلب سوائے اس کے کچھ نہیں کہ عورتیں مردوں کی نقالی کریں، اور یہ ایک ایسا عمل ہے جس میں نسوانیت کی اپنی کوئی قدر و قیمت باقی نہیں رہتی''۔

اسکاٹ لینڈ کی نومسلم ''نوریہ'' کا کہنا ہے ''اس ملک میں بیشتر خواتین اپنی صنف کے خلاف بغاوت کر رہی ہیں، اور یہ طرزِ عمل تقریباً ایسا ہے جیسے ہم سے ہماری نسوانیت چھین لی گئی ہے''۔ ''نوریہ'' کی ایک سہیلی ''حسانہ'' کے مطابق ''پردہ

سے ہمیں تحفظ کا احساس ہوتا ہے، اور ہماری خود اعتمادی میں اضافہ ہوتا ہے‘‘۔

لندن ٹائمز لکھتا ہے کہ بہت سی نو مسلم خواتین نے اسلام اور مغرب کا تقابل کرتے ہوئے یہ تبصرہ کیا کہ اسلامی تعلیمات میں عورت کو زیادہ تقدس اور عظمت حاصل ہے جو مغرب میں عورت کو حاصل نہیں، اور ان کے نزدیک مغرب کی تحریک آزادئ نسواں کا اس کے سوا کوئی نتیجہ نہیں نکلا کہ عورت دوہرے بوجھ تلے دب گئی ہے‘‘۔ (دنیا میرے آگے ص از ۹۲ تا ۹۷)

آج ہمارے نوجوانوں کو اس راہ سے بہکانے کے لئے جتنے ہتھکنڈے استعمال کئے جارہے ہیں وہ ان سے چوکنا ہونے اور بچنے کے بجائے بڑھ بڑھ کر ان کا استقبال کررہے ہیں، اور اس طرح اپنے ہاتھوں اپنی ہلاکت کی سبیل پیدا کر رہے ہیں، بادِ مخالف اس تیزی سے چل رہی ہے کہ اس میں اپنی آواز سنائی دینے کی کوئی امید ہی نہیں، ماحول کچھ ایسا مسموم بنادیا گیا ہے کہ قلم ہچکچاہٹ محسوس کرتا ہے، اور زبان لڑکھڑاتی ہے مگر بولنا اور لکھنا تو ہے ہی؛ کیونکہ وہ نفع سے خالی نہیں ہے۔

نوجوانو! بیدار ہوجاؤ، سنبھل جاؤ، شُترِ بے مہار مت بنو، ہوشیار وہ نہیں جو زیادہ سے زیادہ آنکھیں لڑائے، شکار کھیلے، کھانچے مارے، جو اپنے آپ کو خواہشات کے پیچھے ڈال دے، وقتی اور نقد فائدہ کو دیکھ کر ہمیشہ کا اور بعد کا نقصان نظر انداز کردے؛ بلکہ ہوشیار وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے، اور مابعد الموت کے لئے تیاری کرے، جو بعد کے اور ہمیشہ نفع کے پیش نظر وقتی اور عارضی لذت کو چھوڑنا گوارا کرلے، حدیث پاک میں ہے: جو مجھے اپنی زبان اور شرم گاہ کی حفاظت کی ضمانت دے دے میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

تو آؤ! نفس وشیطان اور مغربی تہذیب کے علمبرداروں کی تعلیمات پر پھٹکار بھیجیں، اور قرآنی اور نبوی تعلیمات کا بڑھ کر استقبال کریں، انہیں سینہ سے لگائیں نفس کی غلامی چھوڑ کر خدا اور رسول کی غلامی اختیار کریں، نفسانی خواہشات کے مزے تو خوب اڑائے، آیئے! اب ذرا نفس کی مخالفت کا ذائقہ چکھیں، جس پر محبوب خدا نے حلاوتِ ایمانی کا وعدہ فرمایا ہے، نفس کے پیچھے دوڑ دوڑ کر بہت تھک گئے، آؤ! اب رحمانی سایہ میں پناہ لے کر بھی دیکھیں کہ کتنا سکون ملتا ہے؟

یہ کتاب جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، اسی موضوع پر روشنی ڈال رہی ہے قرآنی اور نبوی حقائق ہیں، واقعات سے سبق ہے، دلوں کے قفل کھول لیجئے، پھر عقیدت مندی سے سنئے اور پڑھئے، کوئی وجہ نہیں ہے کہ فائدہ نہ ہو۔

مضمون کی اہمیت کے پیش نظر کتاب کو اردو اور گجراتی دونوں زبانوں میں شائع کیا جارہا ہے، حق تعالیٰ قبول فرمائے، آئندہ مزید در مزید کی توفیق عطا فرمائے۔

آخر میں ایک حدیث پاک کا یہ حصہ ضرور درج کردینے کو جی چاہتا ہے، نبی اکرم نے ارشاد فرمایا: سات انسان ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے عرش کا سایہ عنایت فرمائیں گے، جس دن اس کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا، منجملہ ان کے وہ نوجوان بھی ہے جسے کوئی خوبصورت شریف اور خاندانی خاتون بدکاری کی آفر (Offer) کرے اور وہ یہ کہہ دے: مجھے تو خدا سے ڈر لگتا ہے۔

ابوزاہر

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره، و نؤمن به و نتوكل عليه، و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا،و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، و من يضلله فلا هادى له، و نشهد ان لااله الاالله وحده لاشريک له، و نشهد ان سيدنا و مولانا محمدا عبده و رسوله، صلى الله تعالى عليه و على اٰله و اصحابه و اصحابه و بارک و سلم تسليما كثيرا كثيرا. أمابعد:

علامہ نوویؒ نے عنوان قائم کیا ہے کہ بلاضرورت شرعیہ (شرعی ضرورت کے بغیر) کسی پرائی عورت کو دیکھنا یا حسین بے ریش لڑکے کی طرف نظر کرنا حرام ہے۔

گناہ کے اسباب سے بچنا بھی ضروری ہے

اسلام نے جہاں اچھے اور عمدہ صفات اختیار کرنے اور کمالات سے مُتَّصِف ہونے کی تعلیم دی ہے وہیں برائیوں اور بری صفات سے اپنے آپ کو بچانے کا اہتمام کرنے کی بھی تعلیم دی ہے،فواحش،منکرات، بدکاری اور زنا سے اسلام نے منع فرمایا، زنا کاری اوراس کے جو مقدمات ہیں یعنی اس کو انجام دینے کے لئے جو کام کئے جاتے ہیں، جیسے: نگاہوں کی بے احتیاطی، کان، زبان ہاتھ

وغیرہ کا غلط استعمال ان سب کو فواحش کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، ان برائیوں سے اسلام نے منع کیا ہے، ویسے ان کاموں کی برائی تو ایسی ہے کہ اس کے برا ہونے اور اس کے ناپسندیدہ ہونے پر تقریباً دنیا کے تمام مذاہب کا اتفاق ہے لیکن اسلام کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ سدِّ ذرائع کا اہتمام کرتا ہے، یعنی برائیوں تک پہنچنے کے جو راستے اور جو اسباب، ذرائع اور وسائل ہیں ان پر ہی پابندی لگاتا ہے۔

مثلاً اسلام نے جہاں شراب پینے سے منع کیا تو صرف اتنا نہیں کہا کہ شراب پینا منع ہے؛ بلکہ شراب پینے کی ممانعت کو پختہ کرنے کے لئے شراب کے متعلق بہت سارے احکام دیئے، جیسے: شراب کا بنانا، شراب کا بیچنا، کسی کو لے جا کر شراب دینا، کسی کے لئے شراب کا خریدنا، کسی کے سامنے شراب کا پیش کرنا یہ ساری چیزیں اسباب اور وسائل بن سکتے ہیں لہذا ان تمام کو حرام قرار دیا، جس طرح شراب کا پینا حرام ہے اسی طرح ان تمام کاموں کا کرنا بھی حرام قرار دیا گیا۔

گنہگاروں کے ساتھ مشابہت بھی منع ہے

یا مثلاً بت پرستی کو اگر حرام قرار دیا تو بت پرستی کے اسباب اور وسائل پر بھی پابندی لگادی گئی، بت تراشی یا تصویر سازی (بتوں کو بنانا، تصویریں بنانا) چاہے وہ ایک مجسمہ (Statue) کی شکل میں ہو یا کاغذ اور دیوار کے اوپر ہو ان سب کو ممنوع قرار دیا گیا۔

اسی طرح جو چیزیں اس کے ساتھ مشابہت رکھتی ہیں جسے دیکھ کر شاید یہ شبہ ہو کہ آدمی اس برائی تک پہنچ جائے گا اس کو بھی ممنوع قرار دیا، جیسے لوگ آفتاب

کی پوجا کیا کرتے تھے اور آفتاب کی پوجا کے لئے ان کے یہاں خاص خاص اوقات مقرر تھے، صبح جب آفتاب طلوع ہو رہا ہو اس وقت اس کی پوجا کی جاتی تھی، دوپہر کو جب سر کے اوپر ہو اس وقت اور شام کو وہ غروب ہونے کے قریب ہو اس وقت اس کی عبادت کی جاتی تھی؛ لہذا اسلام نے ان اوقات میں سجدہ کرنے اور نماز پڑھنے سے منع کیا ہے حالانکہ نماز پڑھنے والا اور سجدہ کرنے والا آفتاب کی پوجا نہیں کرتا لیکن اس لئے منع کر دیا؛ تاکہ ان کے ساتھ مشابہت لازم نہ آئے، اور اس طرح بت پرستی کے دروازے کو بند کر دیا گیا۔

ایک بہترین مثال

جیسے ہمارے یہاں حکومتی سطح پر کوئی تحریک چلائی جاتی ہے یا کوئی ابھیان چلایا جاتا ہے جیسے ملیریا (Malaria) نابودی کا اَبھیان اور تحریک چلائی جاتی ہے، تو اس میں صرف اتنا ہی نہیں ہوتا کہ جنہیں ملیریا کا بخار ہوا ہے ان کا علاج کر دیا جائے؛ بلکہ ملیریا کی بیماری پیدا ہونے کے جو اسباب اور عوامل ہیں، اور جن راستوں سے یہ بیماری آتی ہے ان سے بھی لوگوں کو آگاہ کیا جاتا ہے، اور ان اسباب سے بھی بچانے کا اہتمام کرایا جاتا ہے، جیسے آپ حضرات جگہ جگہ دیکھ رہے ہیں کہ بڑے بڑے سائن بورڈ لگے ہوئے ہیں جن پر ان مچھروں کی تصویریں دکھائی گئی ہیں، اور ان کی حقیقتوں سے آگاہ کیا گیا ہے کہ دیکھو! یہ مچھر ہے، اور یہ مچھر کہاں پیدا ہوتے ہیں؟ کس جگہ بنتے ہیں؟ آپ اگر اپنے گھر میں نالیوں کو گندا رکھیں گے، پانی بہنے کے راستوں کو کھلا رکھا جائے گا، تو وہاں یہ پیدا ہوتے ہیں، اگر

آپ کے گھر کے کسی کونہ میں اندھیرا رہتا ہے تو وہاں ان مچھروں کو پنپنے کا موقعہ ملتا ہے، تو دیکھئے! جن راستوں سے یہ بیماری آسکتی تھی ان تمام کو ختم کرنے کے لئے دور دور تک تدبیریں اختیار کی گئیں، تب ہی آدمی کامیابی کے ساتھ اس سے بچ سکتا ہے، جتنی بھی مہلک بیماریاں ہیں ان سے بچنے کے لئے اور ان کی جڑ ختم کرنے کے لئے، ان کا قلع قمع کرنے کے لئے حکومتی سطح پر یا دوسرے طریقوں سے جتنی بھی تدبیریں اختیار کی جاتی ہیں ان میں یہی طریقۂ کار ہوتا ہے اسی طرح اسلام نے تمام گناہ اور برائیوں کو ختم کرنے کے لئے جہاں ان گناہوں سے منع کیا وہیں ان کے عوامل اور اسباب سے بھی منع کیا ہے۔

اسبابِ زنا پر پابندی

''زنا'' ایک مہلک بیماری اور بہت خطرناک گناہ ہے، جس کے متعلق قرآن پاک میں کہہ دیا گیا: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى﴾ (بنی اسرائیل:۳۲) زنا کرنا تو درکنار اس کے قریب بھی مت جاؤ، اس کے قریب تک جانے سے منع کیا ہے، تو اب جہاں زنا سے منع کیا گیا وہاں زنا کے اسباب اور عوامل پر بھی اسلام نے پابندی لگادی، جیسے عورتوں اور مردوں کے آپس میں ملنے جلنے اور عورتوں کے بے پردہ نکلنے سے بھی روکا گیا؛ بلکہ عورتوں کو تاکید ہی کردی گئی: ﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ﴾ (احزاب:۳۳) اپنے گھروں کے اندر جم کر کے رہو، اور ان کے نکلنے کے معاملے میں بھی خاص تاکید کردی گئی کہ اگر فلاں فلاں شرعی اسباب اور اعذار ہیں تو نکلنے کی اجازت ہے اس کے بغیر گھر سے نہ نکلے، اور اگر نکلے تو برقعہ کے اندر پردے کے

اہتمام کے ساتھ اپنے آپ کو اور اپنی زینت کو چھپاتے ہوئے نکلے؛ یہاں تک کہ بجنے والا زیور پہننے سے بھی منع کیا، اس لئے کہ عورت اگر کہیں سے گذر رہی ہو اور بجتے ہوئے زیور کی آواز کسی کے کان میں پہنچ گئی تو یہ چیز بھی شہوت کو ابھارنے والی ہے، اسی طرح خوشبو لگا کر نکلنے سے بھی منع کیا گیا، حدیثِ پاک میں آتا ہے: کہ جو عورت خوشبو لگا کر نکلتی ہے اور مردوں کے پاس سے گذرتی ہے وہ ایسی ہے ایسی ہے، یعنی اس کو زانیہ قرار دای گیا۔ (ترمذی۲/۱۰۶) اور مردوں کو تعلیم دی گئی کہ کہیں کوئی اجنبی عورت سے کوئی چیز لینے دینے کی ضرورت پیش آجائے تو دیوار اور پردے کی آڑ میں سے اس کو لینے دینے کا سلسلہ ہونا چاہئے، اجنبی عورت کو نہ دیکھنا، آنکھوں کی حفاظت کرنا نگاہوں کو نیچا رکھنا، شرم گاہوں کی حفاظت کرنا، یہ سارے احکام صرف زنا سے بچانے کے لئے ہیں تو اسلام کی بنیادی تعلیمات میں خصوصی اہتمام اس بات کا بھی کیا گیا ہے کہ زنا اور اسباب زنا سے تاکید کے ساتھ روکا گیا۔

عفت (پاک دامنی) نبی کریم ﷺ کی ایک نبیادی تعلیم

ایک طرف زنا کے بارے میں یہ تعلیمات ہیں، اس کے بالمقابل اپنے آپ کو زنا کاری، حرام کاری اور بے حیائی کے کاموں سے اور فواحش سے بچانا عفاف، عفت اور پاک دامنی کہلاتا ہے، اس کی بھی بڑی تاکید ہے اور نبی کریم ﷺ کی بنیادی تعلیمات میں اس کو جگہ دی گئی ہے۔

ہرقل والی حدیث جو بخاری شریف میں امام بخاریؒ نے پہلے ہی باب میں ذکر کی ہے، اور دوسری جگہوں پر بھی اس روایت کو پیش کیا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے

کہ جس وقت نبی کریم ﷺ نے شاہِ روم ہرقل کے نام دعوت اسلام کا خط (نامۂ مبارک) بھیجا اس زمانے میں وہ اپنی ایک نذر پوری کرنے کے لئے بیت المقدس کی زیارت کے لئے آیا ہوا تھا، اور وہ خط شام کے ایک شہر ''بصریٰ'' کے حاکم کے ذریعہ وہیں پہنچایا گیا، جب اس کے پاس نبی کریم ﷺ کا نامۂ مبارک پہنچا تو حضور اکرم ﷺ کے متعلق اس نے تحقیقات کیں، وہ خود بھی اپنی آسمانی کتابوں اور اپنے مذہب کا بہت بڑا عالم تھا، نبی آخر الزماں کی علامتوں سے وہ بخوبی واقف تھا، اس زمانے میں عیسائیوں کے اندر دو ہی بڑے عالم تھے، ایک تو اس زمانے کا بڑا لاٹ پادری یعنی تمام پادریوں کا رئیس اعلی اور دوسرا ہرقل، بہرحال! جب نبی کریم ﷺ کا نامۂ مبارک اس کے پاس پہنچا تو اس نامۂ مبارک کے مضمون سے واقف ہونے سے پہلے اس نے ضروری سمجھا کہ حضور اکرم ﷺ کی شخصیت اور آپ کی ذات اقدس کے متعلق معلومات حاصل کی جائیں، اور یہ معلوم کیا جائے کہ یہ خط بھیجنے والی شخصیت کون ہے؟ کیونکہ اس کے ذریعہ سے خط کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، چنانچہ اس نے اپنے لوگوں سے کہا کہ جن کی طرف سے یہ خط بھیجا گیا ہے ان کے متعلق کچھ معلومات حاصل کرنی ہیں، کیا اس علاقے کے کچھ لوگ مل جائیں گے؟ لوگوں نے بتلایا کہ جی ہاں! وہاں کے لوگ تجارت کی غرض سے ملکِ شام آتے رہتے ہیں، آپ اجازت دیں تو تلاش کر کے لایا جائے گا، چنانچہ معلوم ہوا کہ ایک قافلہ آیا ہوا ہے، اور اتفاق کی بات اس قافلے کے امیر اور رئیس ابوسفیان تھے۔ جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے۔ اور حزبِ مخالف یعنی کفار اور مشرکین مکہ کے سردار اور

لیڈر رہی تھے، چنانچہ ان کو قافلہ والوں کے ساتھ بلایا گیا اور حضور اکرم ﷺ کے متعلق ان سے سوالات کئے گئے، اور یہ بھی کہا کہ دیکھو! مَیں ان کے متعلق سوالات کروں گا تم ان کا صحیح صحیح جواب دینا، اور ساتھیوں کو بھی بتلا دیا کہ اگر یہ غلط جواب دیں تو تم نشان دہی کر دیجیو۔

آپ ﷺ کی تعلیمات کا خلاصہ

میں خاص طور پر جو بات کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ان سوالات میں آخری سوال ہرقل نے یہ پوچھا﴿وَمَا يَأْمُرُكُمْ﴾ یہ نبی آپ کو کس چیز کا حکم دیتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا، وہ حکم دیتے ہیں کہ ہم ایک اللہ ہی کی عبادت کریں، اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت اور پوجا نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور آگے فرمایا کہ یہ نبی ہم کو چار کاموں کا حکم دیتے ہیں: نماز کا، سچائی کا، عفاف یعنی پاک دامنی اختیار کرنے کا، اپنے آپ کو فواحش اور برائی کے کاموں سے بچانے کا، اور صلہ رحمی یعنی رشتہ داروں کے ساتھ اچھائی اور بھلائی کا سلوک کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ (بخاری ۱/۴)

تو گویا نبی کریم ﷺ کی جو بنیادی تعلیمات تھیں ابوسفیان نے وہی بتلائیں، اور ایسے موقعوں پر ساری تفصیلات پیش نہیں کیا جاتیں؛ بلکہ خلاصہ اور نچوڑ ہی پیش کیا جاتا ہے، اور انہوں نے بھی ہرقل کے سامنے وہی پیش کیا، اس میں یہ چار خوبیوں کا خصوصیت کے ساتھ تذکرہ کیا کہ آپ ﷺ جن چیزوں کی تعلیمات دیتے ہیں اور تاکید کرتے ہیں اس میں عفاف یعنی پاک دامنی بھی ہے۔

سورۂ یوسف کا اہم سبق

عفت کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو بے حیائی کے کاموں سے، بدکاری اور زنا سے بچانا، اور یہ ایک ایسی صفت ہے جس کو اختیار کرنے کا قرآن کریم کے اندر بھی حکم دیا گیا ہے، اور اس کے متعلق حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کا واقعہ پیش کیا گیا ہے، قرآن کریم میں جو واقعات پیش کئے جاتے ہیں وہ ایک مخصوص مقصد کے پیش نظر ذکر کئے جاتے ہیں، اور ان واقعات کے ذریعہ سے اس کے پڑھنے والوں کو اور جن تک یہ قرآن پہنچ رہا ہے ان کو تعلیم دینا اور عبرت دلانا مقصود ہوا کرتا ہے۔

تمہاری عورتیں بھی پاک دامن رہیں گی

نبی کریم ﷺ کے یہاں بھی عفت اور پاک دامنی کا سبق دینے کے لئے بڑا اہتمام تھا، چنانچہ ایک روایت میں ہے: ﴿عِفُّوْا تَعِفُّ نِسَاؤُكُمْ وَبَرُّوْا آبَائَكُمْ تَبَرُّكُمْ أَبْنَاؤُكُمْ﴾ (مجمع الزوائد ۸/ ۶۱) تم پاک دامنی اختیار کرو، تمہاری عورتیں پاک دامن رہیں گی، گویا اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری عورتیں پاک دامن رہیں تو تمہیں خود اس وصف اور خوبی کو اختیار کرنا پڑے گا، اور تم اپنے ماں باپ کے ساتھ فرماں برداری اطاعت حسنِ سلوک اور اچھائی کا معاملہ کرو، تمہاری اولاد تمہارے ساتھ اچھائی کا معاملہ کرے گی۔

قدرت کسی کی رعایت نہیں کرتی

دنیا میں اللہ تعالیٰ نے قدرت کا ایک نظام بنایا ہے:

ع یہ ہے گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

یہاں جیسا کروگے ویسا بھروگے، قدرت کا جو قانون ہوتا ہے؛ اپنے اس قانون کو جاری کرنے کے معاملے میں قدرت کسی کی رعایت نہیں کرتی، کسی کے نسب کی، کسی کے منصب کی، کسی کے مقام کی اور کسی کی شخصیت کی کوئی رعایت نہیں کی جاتی، جو بھی اس قانون کے ماتحت آئے گا، اس پر قدرت اپنا قانون جاری کرکے رہے گی، یہاں بھی گویا نبی کریم ﷺ نے قدرت کا ایک قانون بتلایا کہ تم پاک دامن رہو گے تو تمہاری بیویاں تمہاریں عورتیں پاک دامن رہیں گی، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اگر ہماری طرف سے پاک دامنی کے تقاضوں کو پورا کرنے میں کوتاہی برتی جارہی ہے تو اس کا اثر لازمی طور پر عورتوں پر پڑے گا، چنانچہ واقعات بھی اسی کی شہادت دیتے ہیں:

ایک عبرت ناک واقعہ

ہمارے ایک قریبی شخص نے سنایا کہ ایک صاحب با قاعدہ عالمِ دین تھے ان کا نکاح نہیں ہوا تھا، اور ایک بستی کے اندر خدمت انجام دے رہے تھے، وہاں کسی نوجوان لڑکی سے آنکھ لڑگئی، اور بڑھتے بڑھتے یہ سلسلہ بدکاری تک پہنچا، اور پھر یہ سلسلہ برابر جاری رہا، اور ایسی چیز چھپتی نہیں ہے، چنانچہ لوگوں میں اس کا چرچا ہوا، گاؤں اور بستی کے سمجھ دار لوگوں نے یوں سوچا کہ نوجوان ہے شادی نہیں ہوئی ہے، اس لئے ایسا کریں کہ ان کا نکاح کرادیں؛ تاکہ وہ اس معصیت سے باز آجائیں، ایسا نہیں کیا کہ اولِ وہلہ میں انہوں نے کوئی اقدام کرلیا؛ بلکہ ان کو موقعہ

دیا، یہ ان کی سمجھ داری کی بات ہے، پرانے زمانے کے لوگ عجلت سے کام نہیں لیتے تھے؛ بلکہ موقع دیتے تھے، اور ہر جگہ موقع دیا جاتا ہے، قدرت کی طرف سے بھی دیا جاتا ہے، اور دنیا کے اندر جہاں سنجیدہ قوانین ہیں وہاں بھی سدھرنے کا موقع دیا جاتا ہے۔

بہر حال! انہوں نے مولوی صاحب کے مناسب بڑی خوبصورت لڑکی کے ساتھ نکاح کرادیا؛ لیکن ان کا تو ایک مزاج بن چکا تھا جیسے کہتے ہیں: ''بازار کا کھانے کی عادت ہو جائے تو گھر کا کھانا اچھا نہیں لگتا'' ایسا ہی ان کا بھی مزاج بنا ہوا تھا کہ بیوی کے گھر میں ہونے کے باوجود اس کی طرف دھیان نہیں؛ بلکہ پرائی عورتوں میں لگے ہوئے ہیں، جب بستی والوں نے دیکھا کہ اب بھی معاملہ سدھرتا نہیں تو انہوں نے معذرت کر کے ان کو علاحدہ کر دیا، ان کا حال یہ تھا کہ وہ اپنی بیوی کو دھکے دے کر گھر سے باہر نکال دیتے تھے اور بیوی کی موجودگی میں اس پرائی عورت کے ساتھ ملوث رہتے اور محبوبہ کے ساتھ بدکاری میں مبتلا تھے، اور یہ سلسلہ جاری رہا، خیر بستی میں سے تو وہ ہٹا دیئے گئے، بعد میں ایک وقت وہ آیا کہ ان کی بیوی خود اس برائی میں مبتلا ہوئی، اور یہ جب اپنی عمر کی کمزوری کی منزل میں پہنچے تو بیوی ان کو دھکے دے کر باہر نکال دیا کرتی تھی اور خود دوسرے کے ساتھ ملوث ہوتی تھی، اور اسی حالت میں آخری وقت آیا، گویا تم اگر پاک دامنی اختیار کرو گے تو تمہاری عورتیں بھی پاک دامنی اختیار کریں گی، اس کا یہ ایک نمونہ ہے۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ قدرت کا ایک نظام ہے، اور ہماری طرف سے

کوتاہی ہوگی تو قدرت کی طرف سے اس کا فوری بدلہ ملے گا، اس سلسلے کے اور بھی بہت سے واقعات ہمارے علم میں ہیں۔

دوسرا واقعہ

کتابوں میں ایک واقعہ لکھا ہے، مولانا ذوالفقار صاحب نقشبندی دامت برکاتہم نے بھی یہ واقعہ سنایا تھا، ایک سنار تھا جس کی بیوی بڑی حسین وجمیل تھی، نیک سیرت بھی تھی، نیک صورت بھی تھی، ایک مرتبہ جب وہ اپنی دوکان سے واپس آیا تو دیکھا کہ بیوی بہت پھوٹ پھوٹ کر رو رہی ہے، اس نے پوچھا کیا بات ہے؟ بیوی نے بتلایا کہ ہمارا یہ نوکر جس کو ہم نے بچپن سے پالا ہے، اور ہمارے سامنے بچہ تھا، اس کو ہم نے پال کر بڑا کیا، یہ اتنا نمک حرام بن گیا کہ آج جب سبزی لے کر آیا تو اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا، اور دبایا اور جب دبا رہا تھا تو میں نے محسوس کیا کہ اس کے دل کے اندر شہوت کے جذبات ہیں، یہ اتنا نمک حرام بن گیا کہ اس نے میرے ساتھ یہ معاملہ کیا، جب شوہر نے یہ سنا تو اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور وہ بھی رونے لگا، بیوی نے پوچھا آپ کیوں روتے ہو؟ اس نے کہا: یہ میری بدعملی کی سزا ہے، آج دکان پر ایک عورت زیور خریدنے کے لئے آئی تھی، اس نے مجھ سے کنگن چوڑیاں خریدیں اور کہا کہ مجھے پہنا دو، میں جب پہنانے لگا تو اس کے ہاتھ بڑے حسین نظر آئے، میں نے پکڑ کر اس کو شہوت کے ساتھ دبایا اسی کا یہ نتیجہ ہے ﴿كَمَا تَدِيْنُ تُدَانُ﴾ (کشف الخفاء ۲/۱۶۵) حضور ﷺ اسی لئے فرماتے ہیں: تم پاک دامن رہو تمہاری بیویاں بھی پاک دامن رہیں گی، اور

گناہوں سے اپنے آپ کو بچانے کا اہتمام کریں گی۔

ماں باپ کی نافرمانی کا وبال............ایک عبرت ناک واقعہ

﴿بَرُّوْا آبَائَکُمْ تَبَرُّکُمْ اَبْنَاؤُکُمْ﴾ اپنے ماں باپ کے ساتھ تم اگر حسنِ سلوک احسان اور بھلائی کا معاملہ کروگے تو تمہاری اولاد بھی تمہارے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرے گی۔

کئی صدیوں پہلے ایک عالم قاضی ابوعلی تنّوجی کی لکھی ہوئی ایک کتاب ہے "نشوار المحاضرة" اس میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ایک بیٹے نے اپنے باپ کے پاؤں میں رسی ڈالی اور کھینچ کر گھر سے باہر لے گیا جب ایک مخصوص جگہ تک پہنچا تو باپ کہتا ہے بیٹا بس اب آگے نہ لے جائیو، بیٹا کہتا ہے کیوں ابا جان؟ تو باپ نے کہا میں نے بھی اپنے باپ کے پاؤں میں رسی باندی تھی اور ان کو کھینچ کر یہاں تک لایا تھا، آج تو بھی میرے ساتھ وہی معاملہ کر رہا ہے۔

اور نالے کے اندر پھینکا

حضرت مولانا ارشد مدنی صاحب دامت برکاتہم نے ایک واقعہ سنایا کہ دیوبند میں ایک مٹھائی والے نے ان کو بتلایا کہ فلاں دکان دار جب جوان تھا تو ایک مرتبہ اس کا باپ دکان پر بیٹھا ہوا تھا یہ آیا، اور اپنے باپ کو پکڑ کر دکان کے پاس نیچے نالی کے اندر گرایا، اس کے بعد باپ کا تو انتقال ہوگیا، اس کی اولاد میں لڑکے نہیں تھے، چار لڑکیاں ہی تھی، میں سوچتا رہتا تھا کہ علماء اور بزرگوں سے سنا ہے کہ آدمی اپنے ماں باپ کے ساتھ جیسا معاملہ کرتا ہے ویسا ہی معاملہ اولاد بھی

اس کے ساتھ کرتی ہے، اور اس کے لڑکے تو ہیں نہیں، اور میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ اس نے اپنے باپ کو اس طرح گرا کر نالی کے اندر پھینکا ہے، اب پتہ نہیں اس کا معاملہ کیا ہوگا؟ پھر اس نے کہا کہ ایک روز میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اس کی ایک لڑکی برقعہ پہنے ہوئے آئی اور اس بوڑھے کو اسی طرح گرا کر نالے کے اندر پھینکا جس طرح اس نے اپنے باپ کو گرا کر نالی کے اندر پھینکا تھا، بہر حال! میں عرض کر رہا تھا کہ قدرت کا ایک نظام ہے جیسا کروگے ویسا بھروگے، اور اسی کا اثر یہ ہے کہ آدمی برائی کرنے سے رک جاتا ہے، اور حضور اکرم ﷺ نے برائیوں سے روکنے کے لئے تعلیم دینے کا جو طریقہ اختیار کیا اس میں بھی اس پہلو کو مدِ نظر رکھا گیا ہے۔

ایک نوجوان کا قصہ اور حضور اکرم ﷺ کی شفقت

ایک مرتبہ ایک نوجوان نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے زنا کی اجازت دیجئے، نبی کریم ﷺ کی شفقت اور محبت پر قربان جایئے، ہمارے پاس آ کر اگر کوئی ایسا بولے تو ہم لوگ اس کی مار پٹائی کرنا شروع کردیں گے، نبی کریم ﷺ نے اس کو بٹھا کر کہا اچھا یہ بتلاؤ! تم یہ زنا کا جو مطالبہ کر رہے ہو تو کسی عورت کے ساتھ ہی یہ معاملہ کروگے؟ اس نے کہا جی ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا! اگر ایسا ہی معاملہ کوئی آدمی تمہاری بہن کے ساتھ کرے تو تمہیں یہ چیز گوارا ہوگی؟ اس نے کہا نہیں، آپ نے پھر کہا: اچھا ایسا ہی معاملہ کوئی آدمی تمہاری ماں کے ساتھ کرے تو تمہیں یہ چیز گوارا ہوگی؟ اس نے کہا نہیں، تمہاری خالہ کے ساتھ کرے تو

تمہیں یہ چیز گوارا ہوگی؟ اس نے کہا نہیں، تمہاری پھوپھی کے ساتھ کرے تو یہ چیز گوارا ہوگی؟ اس نے کہا نہیں، پھر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: تم بھی جس کے ساتھ ایسا کرنا چاہو گے وہ بھی تو آخر کسی کی بہن، کسی کی ماں، کسی کی خالہ، کسی کی پھوپھی ہوگی، فوراً اس نے کہا میں نہیں کروں گا، پھر حضور اکرم ﷺ نے اس کے سینہ پر اپنا دستِ مبارک پھیرا، اور کہا یا اللہ! اس کے قلب سے میل کچیل دور فرما، اس واقعہ کو نقل کرنے والے صحابی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ہم نے دیکھا کہ کبھی اس نوجوان کی نظر نیچے سے اوپر نہیں اٹھتی تھی، حضور ﷺ کی دعا کا یہ اثر تھا۔ (مسند احمد ۵/ ۲۵۶)

صحبت کی لذت سے محروم کر دیے جاؤ گے

ایسی ایک اور روایت ہے حضور ﷺ کا ارشاد ہے: ﴿لا تَزْنُوا فتَذْهَبَ لَذَّةُ نِسَائِكُمْ، وَعِفُّوا، تَعِفُّ نِسَائُكُمْ، إِنَّ بَنِيْ فُلانٍ زَنُوا فَزَنَتْ نِسَائُهُمْ﴾ (کشف الخفاء ۲/ ۷۹) تم زنا کا ارتکاب نہ کرو، ورنہ تم اپنی عورتوں کے ساتھ صحبت کی لذت سے محروم کر دیئے جاؤ گے، عام طور پر جو آدمی زنا کا ارتکاب کرتا ہے اس کو اپنی بیوی کے ساتھ جو پاکیزہ لطف آنا چاہئے اس سے وہ محروم کر دیا جاتا ہے، اور آگے فرماتے ہیں تم پاک دامنی اختیار کرو تو تمہاری عورتیں بھی پاک دامنی اختیار کریں گی، پھر فرمایا: فلاں قبیلے والے زنا کے اندر مبتلا ہوئے تو ان کی عورتیں بھی زنا کار بن گئیں۔

اللہ تعالیٰ نے کفل کی مغفرت فرما دی

خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عفت اور پاک دامنی کی بڑی تاکید فرمائی ہے، احادیث کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس کی

طرف خاص متوجہ کیا۔

ترمذی شریف میں ایک واقعہ ہے جو نبی کریم ﷺ نے اگلی امت کا بیان کیا ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ میں نے حضور اکرم ﷺ سے ایک مرتبہ نہیں سنا، دو مرتبہ نہیں سنا، تین مرتبہ نہیں سنا، سات مرتبہ نہیں، اس سے زیادہ مرتبہ سنا یعنی سات مرتبہ سنا ہوتا تب بھی میں بیان نہ کرتا، اس سے زیادہ مرتبہ سنا ہے، اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنی امت کو، صحابہ کو اور اپنے مخاطبین کو اچھے اخلاق سے آراستہ کرنے کے لئے واقعات وغیرہ کی مثالیں دے کر سمجھانے کا اہتمام فرمایا کرتے تھے، ہم اور آپ جو بیان کرنے والے ہوتے ہیں وہ ایک دو مرتبہ کوئی واقعہ بیان کر دیتے ہیں تو اس کے بعد یوں سمجھتے ہیں کہ تیسری مرتبہ بیان کروں گا تو لوگوں کو شاید میری صلاحیت کے اوپر شبہ ہوگا کہ کیا اس کو اس کے علاوہ اور کچھ آتا ہی نہیں؟

خیر! نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بنو اسرائیل میں ایک آدمی تھا جس کا نام ''کفل'' تھا، ایک مرتبہ ایک عورت اس کے پاس آئی۔ جس کے بچے فاقہ کا شکار تھے، اور بھوکے مر رہے تھے۔ عورت نے آ کر کفل سے کہا: میرے بچے بھوکے مر رہے ہیں میری کچھ مدد کر، اس نے اس عورت کو ساٹھ دینار اس شرط پر دیے کہ تو مجھے بدکاری کرنے کی اجازت دے، عورت نے وہ ساٹھ دینار لئے، اس کے بعد شرط کے مطابق بدکاری کی تیاری کر کے اس کے سامنے بیٹھنے لگا تو اس عورت کے اوپر لرزہ طاری ہوگیا اور کپکپی آ گئی، جب بہت کپکپانے لگی تو کفل نے اس عورت

سے یوں کہا، میں نے تیرے ساتھ کوئی زیادتی تو نہیں کی، زبردستی بھی نہیں کی، تو خوشی سے اس کے لئے تیار ہوئی تھی، پھر تیری یہ کیفیت کیوں ہے؟ اس عورت نے کہا: میری یہ کیفیت اس لئے ہے کہ ایسا کام میں نے زندگی میں نہیں کیا، آج بچوں کی وجہ سے میں مجبور ہوئی ہوں اس لئے میری طبیعت اس کے لئے تیار نہیں ہے، یہ کہہ کر وہ بے اختیار رو پڑی، اس آدمی نے جب یہ کیفیت دیکھی تو اس کو بھی آج تک کی اپنی زندگی پر افسوس ہوا، اور اس نے فوراً توبہ کی اور ساٹھ دینار جو دیئے تھے وہ بھی معاف کردیئے، پھر اسی رات اس کا انتقال ہوگیا، بنواسرائیل کے ساتھ قدرت کا دستور یہ تھا کہ کوئی آدمی جب گناہ کرتا تھا تو صبح کو اس کے دروازے کی چوکھٹ پر وہ گناہ بھی لکھا ہوا ہوتا تھا کہ آج اس نے (سیاہ وسفید) یہ یہ کئے ہیں، اور اگر کوئی آدمی توبہ کرتا اور اس کی توبہ قبول ہوجاتی تو وہ بھی قدرت کی طرف سے لکھا جاتا، لوگوں کو اس واقعہ کا پتہ نہیں تھا، لوگ تو سمجھتے تھے کہ یہ بڑا بدکار آدمی ہے، جب اسی رات اس کا انتقال ہوگیا تو صبح کو اس کے دروازے پر لکھا ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کفل کی مغفرت فرمادی، لوگ تعجب کرنے لگے کہ اس کی مغفرت کیسے ہوگئی؟ وہ تو بڑا برا آدمی تھا لیکن ان کو اس کا یہ معاملہ معلوم نہیں تھا۔ (ترمذی شریف ۲/۷۶)

یہ پیغمبرانہ صفت ہے

لہذا یہ صفت اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے، یعنی اپنے آپ کو گناہوں سے بچانا اور خاص کر کے جب گناہوں کے اسباب اور وسائل سامنے آجائیں تو ایسے موقع پر اپنے آپ کو بچالینا یہ پیغمبرانہ صفت ہے۔

حضرت سلیمان بن یسار رحمۃ اللہ علیہ کا عجیب واقعہ

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ''احیاء العلوم'' کے اندر ایک واقعہ لکھا ہے کہ حضرت سلیمان بن یسارؒ تابعین میں سے ہیں، بڑے حسین اور جمیل تھے، مدینہ منورہ میں رہتے تھے، فقہائے مدینہ میں ان کا شمار ہے، ایک مرتبہ حج کے موقع پر اپنے ایک ساتھی کے ساتھ مدینہ منورہ سے حج کے ارادہ سے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے، راستے میں مقام ابواء پر ٹھہرے، ان کا ساتھی کھانا خریدنے کے لئے بازار گیا، جہاں وہ ٹھہرے ہوئے تھے وہاں ایک پہاڑی تھی، اور اس پہاڑی کی چوٹی کے اوپر بدو کا مکان تھا، ایک بدوی عورت نے - جو بڑی حسین وجمیل تھی - ان کو دیکھا تو ان پر فریفتہ ہوگئی، اور جب اس نے دیکھا کہ ان کا ساتھی کہیں گیا ہوا ہے اور یہ اکیلے ہیں تو وہ پہاڑ سے نیچے اتر کر آئی اور ان کے سامنے آکر اس نے اپنا چہرہ کھول دیا، ﴿ کَـأَنَّهَا قِطْعَةُ قَمَر ﴾ گویا وہ بالکل چاند کے ٹکڑے کی طرح تھی، اور کچھ کہنے لگی یہ تو اس کو دیکھ کر ہی گھبرا گئے تھے وہ کچھ بولی تو یہ سمجھے کہ کھانا لینے آئی ہے، انہوں نے کھانا تلاش کر کے دینے کی کوشش کی، اس نے کہا مجھے کھانا نہیں چاہئے، مجھے تو آپ سے وہ چیز چاہئے جو ایک عورت مرد سے چاہتی ہے، انہوں نے کہا تجھے شیطان نے میرے پاس بھیجا ہے، اسی وقت اپنا سر اپنے گھٹنوں پر رکھ کر زور زور سے بے تحاشا رونے لگے، جب انہوں نے اس طرح زور زور سے رونا شروع کیا تو وہ عورت بھی گھبرا گئی کہ کہیں رسوائی نہ ہو جائے لہذا وہ بھاگ گئی، ان کے ساتھی جو کھانا خریدنے بازار گئے تھے وہ جب آئے تو دیکھا کہ ان کا چہرہ پھولا ہوا ہے،

آنکھیں سرخ ہیں، اور رو رہے ہیں، پوچھا کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا بال بچے یاد آگئے، ساتھی نے کہا نہیں؛ بلکہ دوسری کوئی بات ہے، سچ سچ بتاؤ، بال بچے یاد آنے پر کوئی آدمی اتنا نہیں روتا ہے، تمہاری یہ جو کیفیت ہے وہ تو کچھ اور ہی بتلا رہی ہے، جب ساتھی نے بہت اصرار کیا تو انہوں نے بتلایا دیا کہ یہ صورت حال ہوئی، یہ سن کر ساتھی بھی رونے لگا، انہوں نے پوچھا بھائی تو کیوں روتا ہے؟ ساتھی نے کہا اللہ کا شکر واحسان ہے کہ میں نہیں تھا ورنہ ایسی حالت میں میں تو مبتلا ہی ہو جاتا، میں اس پر رو رہا ہوں کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میری حفاظت کر لی۔

پھر جب مکہ مکرمہ پہنچے تو طواف سے فارغ ہونے کے بعد حجر اسود اور مقام ابراہیم کے بیچ میں چادر میں لپٹے ہوئے بیٹھے تھے اور چونکہ تھکے ہوئے تھے، اس لئے اسی حالت میں آنکھ لگ گئی تو حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو خواب میں دیکھا حسین نوجوان تھے، سلیمان بن یسار نے پوچھا آپ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: مَیں یوسف ہوں، پوچھا کون یوسف صدیق؟ انہوں نے کہا: جی ہاں۔ سلیمان بن یسار نے کہا آپ کا معاملہ زلیخا کے ساتھ بڑا عجیب وغریب ہے؟ اس کے جواب میں حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے کہا: وہ ابواء والی عورت کے ساتھ تمہارا معاملہ اس سے زیادہ عجیب ہے۔

ایک نوجوان کا سبق آموز واقعہ

ایک کتاب ''الترغیب والترہیب'' ہے اس نام کی دو کتابیں ہیں: ایک تو حدیث کی علامہ منذری رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، اور دوسری سلوک وتصوف میں علامہ

عبداللہ بن اسعد یافعی کی ہے، علامہ یافعی نے اس کتاب میں دو واقعات لکھے ہیں:

آدمی کی زندگی میں ایسے مواقع آتے ہیں کہ جہاں عفت اور پاک دامنی کی اس صفت میں قدرت کی طرف سے آدمی کو آزمایا جاتا ہے، جب ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں تو بعض آدمی تو وہ ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو برائی میں مبتلا کرنے کے لئے ایسے مواقع کی تلاش ہی میں رہتے ہیں لیکن بعض اللہ کے بندے ایسے ہمت والے ہوتے ہیں کہ جب انہیں ایسے حالات سے واسطہ پڑتا ہے تو وہ اپنے آپ کو بچا لیتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ کے یہاں بھی ان کی بہت ہی قدر و قیمت ہوتی ہے، اس سلسلہ میں دو واقعے اس کتاب ''الترغیب والترهیب'' میں لکھے ہیں:

چنانچہ لکھا ہے کہ ایک نوجوان تھا جس کے لباس اور جسم میں سے ہمیشہ مُشک وعنبر کی خوشبو آیا کرتی تھی، جب بھی دیکھو مہک رہا ہے، کسی نے کہا تم بھی عجیب آدمی ہو خوشبو کے لئے اتنی فضول خرچی کرتے ہو، ہمیشہ خوشبو کا اتنا اہتمام کرتے ہو اور اس کے لئے اتنے پیسے فضول خرچ کرتے ہو؟ اس نوجوان نے کہا اللہ کی قسم میں نے آج تک ایک پائی بھی خوشبو کے لئے استعمال نہیں کی، اس نے کہا پھر یہ خوشبو کیسی؟ تو نوجوان نے کہا اس کا ایک راز ہے اور وہ راز میں نہیں بتاؤں گا، اس نے کہا نہیں ضرور بتاؤ، آدمی کا مزاج ہے ﴿اَلْاِنْسَانُ حَرِیْصٌ فِیْمَا مُنِعَ﴾ آپ کہہ دیں کہ نہیں بتاؤں گا تو پیچھے پڑ جائیں گے کہ بتانا ہی پڑے گا، اس نے بھی جب اصرار کیا تو جوان نے کہا، بات دراصل یہ ہے کہ میرے والد کی گھریلو سامان بیچنے کی ایک دکان تھی، ایک مرتبہ ایک بڑھیا آئی اور اس نے بہت کچھ سامان خریدا۔

میں بھی دکان پر تھا حسین وجمیل تھا- جب سامان خرید چکی تو اس بڑھیا نے میرے ابا سے یوں کہا کہ اس سامان کی قیمت لینے کے لئے تمہارے بیٹے کو میرے ساتھ گھر بھیج دو، چنانچہ میں اس کے ساتھ چلا گیا، جب گھر دیکھا تو بڑا شاندار خوبصورت اور عالیشان تھا، اس گھر کے اندر ایک عالیشان اور خوبصورت کمرے میں ہم داخل ہوئے وہاں ایک تخت کے اوپر ایک حسین وجمیل نوجوان عورت بیٹھی ہوئی تھی، وہ مجھے دیکھتے ہی میری طرف مائل ہوئی اور میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگی میں تو گھبرا گیا، اور میں نے اپنے آپ کو بچانا چاہا؛ لیکن وہ مجھے اپنی طرف کھینچتی اور مائل کرتی رہی، مجھے اس موقع پر کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آئی سوائے اس کے کہ میں نے اس سے یوں کہا کہ مجھے قضائے حاجت کی ضرورت ہے، اس نے اپنی خادماؤں، نوکرانیوں اور باندیوں سے کہا کہ جلدی سے بیت الخلاء صاف کردو، اس زمانہ کے جو بیت الخلاء ہوتے تھے وہ آج کل کے فلش کی طرح نہیں ہوتے تھے، چنانچہ صفائی کردی گئی اور اس عورت نے کہا کہ تم اپنی ضرورت سے فارغ ہو جاؤ، مَیں اندر گیا اور میں نے حاجت پوری کی اور پھر اپنا پائخانہ خود ہی اپنے ہاتھ سے لے کر اپنے جسم اور کپڑوں پر مَل لیا، جب باہر نکلا تو مجھے دیکھ کر وہ عورت ایک دم غصہ ہوگئی، اور اس نے اپنی باندیوں سے کہا یہ پاگل کہاں سے آگیا؟ اس کو یہاں سے نکال دو، چنانچہ مجھے نکال دیا گیا، اس وقت میرے پاس ایک درہم تھا، میں نے اس سے ایک صابن خریدا، نہر پر گیا اور غسل کیا کپڑے دھوئے اور سکھا کر پہن لئے- رات کو جب سویا تو خواب میں دیکھا کہ ایک فرشتہ انسانی شکل کے اندر آیا، اور کہا میں اللہ

کی طرف سے بھیجا ہوا ہوں، اور آج جس طرح تو نے اپنے آپ کو گناہ سے بچایا اس پر تم کو جنت کی بشارت دی جاتی ہے، اور اس کے ہاتھ میں خوشبو تھی اس نے میرے کپڑوں اور جسم پر ملی، اور کہا: جس طرح تم نے اس گناہ سے بچانے کے لئے اپنے آپ کو نجاست کے اندر ملوث کیا تھا، اس کا بدلہ قدرت کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے، اس کے بعد جب صبح اٹھا ہوں تو مجھ میں سے خوشبو آرہی تھی اور اس دن سے لے کر آج تک اسی طرح خوشبو آرہی ہے۔

ایک اور نوجوان کا قصہ

علامہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور قصہ ذکر کیا ہے: ایک نوجوان بڑا مالدار تھا، برائیوں اور بدکاریوں میں پیسہ خرچ کیا کرتا تھا، ایک مرتبہ ایک عورت کے بچے فاقہ کا شکار ہونے کی وجہ سے پریشان تھے، ان کے یہاں تین دن سے فاقہ تھا، بچوں کی یہ تکلیف اور بھوک جب اس عورت سے دیکھی نہیں گئی تو اس نے اپنی پڑوسن سے اچھا لباس لے کر پہنا اور گھر سے باہر نکلی، اس کو اس حالت میں دیکھ کر اس نوجوان نے اس کو اپنے پاس بلایا اور بدکاری کی خواہش کا اظہار کیا، اس عورت نے رونا شروع کیا اور کہا جب تو نے بلایا تو میں سمجھی کہ میرے ساتھ کوئی بھلائی کا سلوک کرے گا لیکن تو میرے ساتھ بدکاری کرنے کی بات کرتا ہے؟ میں ایسی عورت نہیں ہوں، میرے بچے تین دن سے بھوکے ہیں ان کی بھوک مجھ سے دیکھی نہیں گئی، اس لئے مجبور ہو کر میں گھر سے باہر نکلی ہوں، اس نوجوان نے اس کو پیسے دے دیئے اور آج تک کی اپنی جو حرکتیں تھیں اس پر اس کو ندامت ہوئی اور توبہ کی۔

اس کی عادت یہ تھی کہ جو بھی گناہ کرتا تھا اپنی ایک کاپی میں اس کو لکھ لیا کرتا تھا، آج جب اپنے گھر آیا اور اپنی ماں کو یہ واقعہ بیان کیا تو اس کی ماں بہت خوش ہوئی کہ آج تک تو میں تجھے روکتی تھی لیکن تو باز نہیں آتا تھا، آج تو نے ایک اچھا کام کیا ہے، اس کو بھی اپنی کاپی میں لکھ لے، اس نے کہا: کاپی میں جگہ نہیں ہے، کاپی گناہوں سے بھر چکی ہے، اس کی ماں نے کہا حاشیہ میں لکھ لے، ماں کا اصرار تھا اس لئے حاشیہ میں لکھ لیا اور پھر رات کو سویا تو اپنی حالت پر ندامت کے ساتھ توبہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے سویا صبح کو جب اٹھا تو پوری کاپی سفید تھی اور صرف وہی ایک واقعہ - جو حاشیہ پر لکھا ہوا تھا - موجود تھا، اور اس کے اندر آیت لکھی ہوئی تھی ﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ﴾ (سورۂ ہود: ۱۱۴) کہ نیکیاں برائیوں کو لے جاتی ہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی پاک دامنی

بہر حال! یہ عفت اور پاک دامنی ایک ایسا وصف ہے جو اسلامی تعلیمات میں بہت اہم مقام رکھتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے، ہمارے دورِ اول میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم جب ملکوں کو فتح کرنے کے لئے نکلے تو ان کو باز رکھنے کے لئے دشمنوں کی طرف سے جو مختلف تدابیر اور سازشیں کی گئیں اس میں یہ بھی تھا کہ نوجوان حسین لڑکیوں کو ان کے سامنے پیش کیا گیا؛ لیکن وہ اسلامی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے اپنی نگاہوں کو نیچا رکھتے ہوئے وہاں سے گذر گئے اور اپنی حفاظت کر لی۔

آج کا موضوع

بہرحال! میں یہ عرض کررہا تھا کہ اسلام نے جہاں زنا، بدکاری اورفواحش سے منع کیا ہے، وہیں اس کے اسباب سے بھی روکا ہے، اوراس کے اسباب سے روکنے ہی کے ذیل میں یہ عنوان ہے کہ پرائی عورت اور بے ریش (بے داڑھی) حسین لڑکے کی طرف نظر کرنا حرام ہے۔

محرم اور نامحرم عورتیں

عورتوں کی دوقسمیں ہیں: ایک نامحرم ہوتی ہے، اور دوسری محرم ہوتی ہے۔محرم: وہ عورت کہلاتی ہے جس کے ساتھ زندگی کے کسی بھی مرحلے میں نکاح درست نہ ہو، ہمیشہ کے لئے نکاح حرام ہو، جیسے: ماں، دادی، نانی، بیٹی، بہن، پوتی، نواسی، بھتیجی، بھانجی وغیرہ؛ یہ سب عورتیں محرم کہلاتی ہیں، اوران سے پردہ نہیں ہے، اور ایسی عورت کہ زندگی کے کسی بھی مرحلے میں اس کے ساتھ نکاح حلال ہو چاہے ابھی کسی وجہ سے حلال نہ ہو اسے نامحرم کہتے ہیں، جیسے: ایک عورت کسی دوسرے مرد کے نکاح میں ہے ایک آدمی کے نکاح میں ہونے کی وجہ سے اس کے ساتھ دوسرے کا نکاح درست نہیں ہے؛ لیکن اگر وہ طلاق دے دے اور عدت گذر جائے اور کوئی دوسرا رشتہ نہیں ہے تو اس کے ساتھ نکاح ہوسکتا ہے، مطلب یہ ہے کہ زندگی کے کسی بھی مرحلے میں جس عورت کے ساتھ نکاح درست ہو اس عورت کو نامحرم کہتے ہیں، اوراس کو بلاضرورت شرعیہ دیکھنا حرام ہے۔

ہمارے معاشرہ میں پھیلا ہوا ایک بڑا گناہ

عورتوں میں چند رشتے ایسے ہیں جن کو نامحرم ہونے کے باوجود ہمارے معاشرے میں محرم سمجھا جاتا ہے، جیسے: چچی اور ممانی۔ چچی، یعنی چچا کی بیوی، اور ممانی، یعنی ماموں کی بیوی، تو چچی اور ممانی بھی نامحرم ہیں محرم نہیں، وہ چچا کے نکاح میں ہے، چچا اگر طلاق دے دیں اور ان کی عدت گذر جائے اور دوسرا رشتہ نہ ہو تو اس صورت میں چچی کے ساتھ نکاح درست ہوگا، یہی حال ممانی کا ہے، ہاں! پھوپھی اور خالہ محرم ہیں، اسی طرح چچا کی لڑکیاں (چچازاد بہنیں) ماموں کی لڑکیاں (ماموں زاد بہنیں) پھوپھی کی لڑکیاں (پھوپھی زاد بہنیں) خالہ کی لڑکیاں (خالہ زاد بہنیں) ان چاروں قسم سے بھی ہمارے سماج، ہمارے معاشرے اور ہماری سوسائٹی میں پردے کا اہتمام کیا نہیں جاتا؛ حالانکہ یہ بھی نامحرم ہیں، اوران سے بھی پردہ کرنا ضروری ہے؛ بلکہ ان سے تو ملنے جلنے کی نوبت زیادہ آتی ہے، اس لئے ان سے پردہ کرنا اور زیادہ ضروری ہے۔

جن کے شوہر سفر میں ہوں

حدیث پاک میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَ لَا تَلِجُوْا عَلَى الْمُغِيبَاتِ﴾ (مشکوۃ:۲۶۹) ایسی عورتیں جن کے شوہر غیر حاضر ہوں سفر میں ہوں ایسی عورتوں کے پاس مت جایا کرو؛ کیونکہ ان کے شوہروں کی غیر حاضری کی وجہ سے طبیعتوں کے اندر بھی ایک کشش اور طبعی میلان پیدا ہوتا ہے، ایسی عورتوں کے پاس جب تنہائی میں آدمی جاتا ہے تو نفس اور شیطان بھی آدمی کو گناہ کے لئے

اُبھارنے کا کام کرتے ہیں، اور وہاں اسباب زیادہ ہیں اور کوئی رکاوٹ بھی نہیں ہے، اس لئے کسی نے پوچھا ﴿یَا رسولَ اللّٰه! (ﷺ) أَرَأَیْتَ الْحَمْوَ؟ قال: الْحَمْوُ الْمَوْتُ﴾ (بخاری شریف حدیث نمبر ۳۹۳۴) اے اللہ کے رسول! دیور (شوہر کا بھائی) کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: دیور تو موت ہے، یعنی جیسے موت سے بھاگا جاتا ہے ایسے ہی دیور سے بھاگنا چاہئے؛ اس لئے کہ پرائے آدمی کو برائی کے اندر مبتلا ہونے کے لئے تدبیریں بھی کرنی پڑیں گی، اور یہ تو گھر کا فرد ہے، ''گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے'' اگر خدا نہ کرے آنکھ لڑ گئی اور برائی میں مبتلا ہو گئے تو زندگی بھر برائیاں ہوتی رہیں گی، اور پتہ بھی نہ چلے گا اور بقول اکبر الہ آبادی:

پردہ دری کا یہ نتیجہ نکلا		جسے سمجھتے تھے بیٹا وہ بھتیجہ نکلا

جیسا معاملہ ہو جائے گا۔

یہ چیز پاکیزگی کا ذریعہ ہے

بہر حال شریعت نے پردے کا حکم دیا ہے ﴿غَضِّ بَصَر﴾ یعنی پرائی عورت کی طرف دیکھنے سے بچنا، شریعت نے دیکھنے تک کی اجازت نہیں دی، اسی سلسلے میں پہلی آیت علامہ نووی نے پیش کی: ﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ، ذٰلِکَ اَزْکٰی لَهُمْ﴾ (النور: ۳۰) ''اے نبی! آپ ایمان والے مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہوں کو نیچا کریں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ چیز ان کے لئے پاکیزگی کا ذریعہ ہے''۔ اور آگے

فرمایا: ﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ ﴾ (النور:۳۱) ''اور ایمان والی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں''۔

دیکھئے! قرآن پاک کا عام مزاج اور دستور یہ ہے کہ جب کوئی حکم دیا جاتا ہے تو اس میں سب کو ایک ساتھ خطاب کیا جاتا ہے، مردوں کو الگ اور عورتوں کو الگ خطاب نہیں کیا جاتا، جیسے ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ (اے ایمان والو) کہہ دیا اس میں مرد بھی آ گئے اور عورتیں بھی آ گئیں؛ لیکن یہ ایک حکم ایسا ہے جس میں مردوں کو الگ مخاطب کیا گیا اور عورتوں کے لئے الگ آیت نازل فرمائی ہے، اس سے اس حکم کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، نگاہوں کو نیچا رکھنے کا حکم کتنا اہم ہے۔

بدنظری کی وجہ سے چہرے کا نور ختم ہو جاتا ہے

نبی کریم ﷺ یہاں فرماتے ہیں ﴿لَتَغُضُّنَّ أَبْصَارَكُمْ وَلَتَحْفَظُنَّ فُرُوْجَكُمْ أَوْ لَيَكْسِفَنَّ اللّٰهُ وُجُوْهَكُمْ﴾ (الترغیب۳/۲۵) ''اپنی نگاہوں کو نیچا رکھو اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں کا نور ختم کر دے گا''۔

''کسوف'' سورج گرہن کو کہتے ہیں، پس جیسے سورج کو گرہن لگ جاتا ہے تو اس کا نور ختم ہو جاتا ہے اسی طرح جو آدمی بدنظری میں مبتلا ہوتا ہے وہ چاہے کیسا ہی حسین ہو؛ لیکن اس کے چہرے پر رونق نہیں ہوتی۔

اس کو بدنگاہی سے بچنا ہی پڑے گا

آج بڑے افسوس کے ساتھ ہم کو کہنا پڑتا ہے کہ یہ بدنظری کا گناہ ایسا عام

ہو چکا ہے جس کی کوئی انتہا نہیں، اور مصیبت یہ ہے کہ دورِ حاضر کی جو تہذیب ہے -عام بے حیائی، فحاشی، عریانی، عورتوں کا گھروں سے باہر نکلنا- اس کے نتیجے میں بقول مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم ''آنکھوں کو پناہ ملنی مشکل ہے'' یعنی آدمی باہر جائے تو آنکھوں کا بچانا مشکل ہوگیا ہے؛ لیکن بہر حال جس کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنی ہو، اللہ تعالیٰ کی محبت کو اپنے دل میں بٹھانا ہو، اپنے دل کی اصلاح مقصود ہو اور اپنے قلب میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنا مطلوب ہو، تو اس کو بدنگاہی سے بچنا ہی پڑے گا۔

بدنظری کے ساتھ قلب کی اصلاح نہیں ہوسکتی

بزرگوں نے لکھا ہے کہ تمام صوفیاء کا اتفاق ہے کہ بدنظری کے ساتھ قلب کی اصلاح نہیں ہوسکتی، حالانکہ اس سے بھی بڑے بڑے دوسرے گناہ ہیں؛ لیکن یہ گناہ ایسا ہے کہ اس کی نحوست کی وجہ سے جب تک وہ بدنظری کے اندر مبتلا رہتا ہے اس کا قلب کبھی سدھر نہیں سکتا، آدمی کے دل کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم اور استوار ہو ہی نہیں سکتا۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے آپ بیتی کے اندر لکھا ہے کہ بہت سے ذاکرین ایسے ہیں کہ ذکر کرنے کے نتیجے میں ان کے دلوں میں نور پیدا ہوا؛ لیکن بدنظری کا شکار ہوئے اور اس سے محروم کر دیئے گئے۔

عبادت کی لذت کیوں حاصل نہیں ہوتی؟

آج کل ہم لوگ نمازیں پڑھتے ہیں، قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں،

تسبیحات کا اہتمام کرتے ہیں اور ساری چیزوں کا اہتمام کرتے ہیں؛ لیکن نماز، تسبیحات اور تلاوت کی جو لذت ہمیں حاصل ہونی چاہئے وہ نہیں ہوتی، اس کی جو مختلف وجوہات ہیں، ان میں سے ایک بڑی وجہ یہ بدنظری ہے۔

بڑا خطرناک روگ

بدنظری بڑا خطرناک روگ ہے، اور ایسا روگ ہے کہ لگنے کے بعد جانا بھی مشکل ہے، ایک آدمی زنا کاری کرے تو زنا کاری کے لئے کچھ اسباب بھی ہونے چاہئے، مثلاً: جسم میں قوت چاہئے؛ لیکن یہ بدنظری ایسا گناہ ہے کہ بقول حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بدنظری ایسی بیماری ہے کہ قبر میں پاؤں لٹکے ہوئے ہیں، آدمی بوڑھا ہو چکا ہے پھر بھی وہ نہیں جاتی، بوڑھے بوڑھے بھی بھانپو (نظر باز) بنے ہوئے ہیں یعنی ذرہ برابر حیا اور مروت نہیں رہی، اس کو گناہ بھی نہیں سمجھتے، اس گناہ کی شناعت وقباحت اور اس کی برائی دلوں سے نکل چکی ہے، کسی جگہ بیٹھے ہیں اور ماں بیٹیاں گذر رہی ہیں تب بھی دیکھنے میں ذرا باک نہیں سمجھا جاتا، اور یہ گناہ ایسا ہے کہ آدمی چپکے سے کرلے تو کسی کو پتہ بھی نہ چلے، بقول حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ ''مولوی صاحب مولوی صاحب رہے، قاری صاحب قاری صاحب رہے'' مطلب یہ ہے کہ اس گناہ کو کرتے ہوئے عام طور پر پتہ نہیں چلتا، آپ چپکے سے کسی کی طرف دیکھ لیں گے تو پتہ بھی نہیں چلے گا۔

بہر حال! بڑا خطرناک روگ ہے، اسی لئے اس گناہ سے روکنے کے لئے خاص طور پر باری تعالیٰ فرماتے ہیں، گویا قرآن کریم کے اندر اس گناہ کا علاج بتایا

گیا: ﴿يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ﴾ (المؤمن:۱۹) ان شاء اللہ اس علاج کی تفصیل آگے آئے گی۔

اعضاءِ بدن اللہ تعالیٰ کی امانتیں ہیں

﴿اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا﴾ (بنی اسرائیل:۳٦) باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ بے شک کان اور آنکھ اور دل یہ سب کے سب وہ اعضاء ہیں، جن کی کارگذاری کے متعلق اللہ تعالیٰ کے یہاں سوال کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا فرمایا، جسم عطا فرمایا اور جسم میں مختلف اعضاء مختلف صلاحیتوں والے ہمیں نصیب کئے، آنکھ دیکھنے کے واسطے دی، کان سننے کے واسطے دیئے، زبان بولنے کے لئے دی، ہاتھ پکڑنے کے لئے دیئے، پاؤں چلنے کے واسطے عطا کئے، کھال کے اندر احساس کا مادہ رکھا کہ گرمی سردی وغیرہ کو ہم محسوس کر سکتے ہیں دماغ سوچنے کے لئے دیا، دل کے اندر جذبات پیدا فرمائے، جسم کے اندر مختلف قسم کی یہ مشینیں قدرت کی طرف سے فِٹ (Fit) کی گئی ہیں، اصل بات تو یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی امانتیں ہیں، انسان ان چیزوں کا مالک نہیں ہے؛ بلکہ یہ سب کچھ اللہ کی ملک ہیں، ہمیں ایک وقتِ مقررہ تک ان کے استعمال کرنے کی اجازت دی گئی ہے، اور یہ ہمارے پاس عاریت اور مانگے کی چیز ہے، ہم ان کو اس کے مالک کی ہدایتوں کے مطابق استعمال کریں، جہاں جہاں استعمال کرنے کا حکم دیا ہے وہاں ان چیزوں کو ہمیں استعمال کرنا ہے، اور

جہاں استعمال کرنے سے منع کیا ہے ان سے ہمیں اپنے آپ کو باز رکھنا ہے۔

بدنظری کیوں منع ہے

آنکھ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، یوں سمجھئے کہ یہ ایک کیمرہ ہے، جس کے ذریعہ سے مختلف تصویریں اور مختلف مناظر دل ودماغ میں جا کر وہاں کے حفاظت خانے اور میمری (Memory) کے اندر محفوظ ہو جاتے ہیں اور یہ جو مناظر آنکھ کے ذریعہ سے اندر پہنچتے ہیں، وہ آدمی کے دل کے اندر مختلف قسم کے جذبات پیدا کرتے ہیں، اگر آنکھ کے ذریعہ آپ نے کعبۃ اللہ کو دیکھ لیا تو جس وقت ہماری آنکھیں کعبۃ اللہ کو دیکھ رہی ہوتی ہیں اس وقت ہمارے دل کے جذبات اور اس کی کیفیت اللہ تعالیٰ کی عظمت ومحبت ہوتی ہے، اور ایسے ایسے جذبات ہوتے ہیں جن کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے، اور آدمی خواہش مند ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ چیز نصیب کرے۔

ماں باپ کو، اپنے بڑوں کو، اساتذہ کو اور اہل اللہ کو جب ہم دیکھتے ہیں اس وقت دل کی کیفیت کچھ الگ ہوتی ہے، یہ مناظر اور تصویریں جب آنکھ کے ذریعہ سے اندر پہنچتی ہیں تو اس کے اثرات الگ ہوتے ہیں۔

بیماروں کو دکھیوں اور پریشان لوگوں کو جب ہم دیکھتے ہیں، اور یہ مناظر اور یہ تصویریں آنکھ کے ذریعہ سے ہمارے دل ودماغ تک پہنچتی ہیں تو ہمارے جذبات کے اندر ایک رحم کا مادہ ابھر آتا ہے، گویا رحم کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ ہم ان کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کریں، ہماری طرف سے کوشش ہوتی ہے کہ ان کو ہم

اپنی طرف سے جیسی بھی راحت پہنچا سکتے ہوں پہنچائیں۔

کسی کو ہم دیکھ رہے ہیں کہ وہ کسی کے ساتھ ظلم کر رہا ہے، بے جا اس کی ظالمانہ طور پر پٹائی کر رہا ہے، جب اس منظر کو دیکھتے ہیں اور یہ تصویر آنکھ کے ذریعہ سے دل ودماغ میں پہنچتی ہے تو جس کے ساتھ ظلم کیا جارہا ہے اس کے ساتھ جذبۂ ترحم (رحم کھانے کا جذبہ) اور جو ظلم کرنے والا ہے اس کے ساتھ جذبۂ تنفر (نفرت کرنے کا جذبہ) ہمارے نفس کی کیفیت ہوتی ہے۔

بتلانے کا مقصد یہ ہے کہ یہ سارے مناظر اور یہ ساری تصویریں ایسا نہیں ہے کہ آنکھ کے ذریعہ سے اندر پہنچ گئیں اور اس کا کوئی اثر نہیں ہوا؛ بلکہ مختلف اثرات ہوتے ہیں، اسی طرح اجنبی عورتیں، حسین عورتیں، حسین چہروں کے اوپر جب نظر پڑتی ہے اور دل میں یہ مناظر پہنچتے ہیں تو شہوت کے جذبات بھڑک اٹھتے ہیں جو آدمی کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف ابھارتے ہیں، اور اپنی شہوت کو پورا کرنے کے لئے آمادہ کرتے ہیں، یہ ہماری آنکھیں ایک ایسا کیمرہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے منتقل ہونے والے یہ سارے سین، سارے مناظر اور ساری تصویریں اندر جا کر اپنا اثر دکھلاتی ہیں، اور انہی اثرات کے مطابق شریعت کی طرف سے ہمیں دیکھنے اور نہ دیکھنے کے متعلق ہدایتیں دی گئی ہیں، بعض چیزوں کے دیکھنے کی ترغیب دی گئی، اور بعض چیزوں کے دیکھنے سے روکا گیا۔

آنکھ عجیب وغریب نعمت

آنکھ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، اور ایسی عجیب وغریب نعمت ہے کہ جس

کے پاس یہ نعمت نہیں ہے اس سے ہم پوچھیں کہ بھائی یہ کیسی نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے؟ سائنس دانوں کی تحقیق ہے، حضرت مولانا محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ یہ آنکھ کے اندر اللہ تعالیٰ نے جو اعصاب اور سنایو (......) رکھے ہیں، آدمی جب اندھیرے سے روشنی میں آتا ہے اور روشنی سے اندھیرے میں جاتا ہے تو آنکھیں پھیلتی ہیں اور سکڑتی ہیں، اس پھیلنے اور سکڑنے میں ایک لمحہ کے اندر وہ نومیل کی مسافت طے کرلیتی ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے، تو بہرحال ان مناظر پر مختلف وعدے اور وعیدیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں دیئے گئے ہیں۔

زوجین کو ایک دوسرے کو نگاہ محبت سے دیکھنے کی فضیلت

حدیث پاک میں آتا ہے کہ شوہر اگر اپنی بیوی کو نگاہِ محبت سے دیکھتا ہے، بیوی اپنے شوہر کو نگاہ محبت سے دیکھتی ہے تو اللہ تعالیٰ دونوں کو نگاہ رحمت سے دیکھتے ہیں۔ (التدوین للرافعی ۲/۴۷) نگاہ محبت سے منع نہیں کیا گیا؛ لیکن جہاں کرنی چاہیے وہاں کرو، ہر جگہ نہیں، آج کل تو معاملہ الٹا ہوگیا، بیوی سامنے آرہی ہے تو اس سے نفرت کررہے ہیں اور اجنبی عورت آرہی ہے تو اس کے متعلق دل میں رحمت اور محبت کے جذبات پیدا ہورہے ہیں، جس سے روکا گیا ہے وہ ہورہا ہے، اور جو کرنا ہے اس سے اپنے آپ کو بچارہے ہیں۔

گھر بیٹھے حج مبرور کا ثواب

حدیث پاک میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مطیع اور

فرماں بردار بیٹا (ماں باپ کی بات ماننے والا، ان کو راحت پہنچانے والا، جس کے دیکھنے سے ماں باپ بھی خوش ہوتے ہوں) جب ماں باپ کو نظرِ رحمت سے دیکھتا ہے، مہربانی کے جذبات سے دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ایک نظر کے اوپر حجِ مبرور کا ثواب عطا فرماتے ہیں۔

جب کوئی ایسا انعام ظاہر ہوتا ہے جو بہت معمولی کام پر ظاہر کیا گیا ہو، اور یہ اندیشہ ہو کہ یہ کام تو بہت لوگ کریں گے تو ایسی صورت میں انسانوں کا حال تو یہ ہے کہ انعام کو گھٹا دیتے ہیں، مثلاً: پہلے کو ملے گا دوسرے کو نہیں ملے گا، تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ﴿وَلَوْ فِي كُلِّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ﴾ اللہ کے رسول! اگر دن میں سو مرتبہ اپنے ماں باپ کو اس طرح نظرِ رحمت سے دیکھے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ﴿اللّٰهُ أَكْبَرُ وَأَطْيَبُ﴾ (مکارم الاخلاق للخرائطی حدیث نمبر ۲۱۵) اللہ تعالیٰ کی ذات بہت بڑی اور پاکیزہ ہے، دن میں سو مرتبہ دیکھے گا تو سو حج مبرور کا ثواب ملے گا، کہیں عمرہ کرنے کے لئے جانے کی ضرورت نہیں، گھر بیٹھے اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت عطا فرمائی ہے، آپ گھر بیٹھے حجِ مبرور کا ثواب لے سکتے ہیں۔

بدنظری کے حرام ہونے کی ایک مثال سے وضاحت

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ان مختلف مناظر کے اپنے اثرات ہیں، اور انہی اثرات کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کو دیکھنے اور نہ دیکھنے کے احکام دیئے ہیں کہ فلاں چیز آپ دیکھ سکتے ہیں، فلاں چیز آپ نہیں دیکھ سکتے، بیمار آدمی جس کو ہارٹ (Heart) کا حملہ ہوا ہو اور وہ اسپتال میں ہو اور اس کو ملنے کے لئے جب

لوگ جائیں گے تو ڈاکٹر پہلے سے ہدایت کر دیں گے کہ دیکھو! کوئی اس کے سامنے آنسو مت نکالیو، ورنہ اگر تم نے اس کے سامنے آنکھیں ڈبڈبائیں تو اس کے دل پر اثر ہوگا پھر کہیں حملہ نہ ہو، دوسرا اٹیک (Attack) نہ ہو جائے، اور ایسا آدمی جس کے متعلق یہ خطرہ ہو کہ وہاں جا کر آہ وواویلا کرے گا تو اس کو جانے ہی نہیں دیا جاتا کہ اس کے لئے خطرہ ہے، اسی طرح جو چیزیں تمہارے لئے اور تمہارے دین اور ایمان کے لئے خطرہ بن سکتی ہیں ان تمام چیزوں سے منع کر دیا گیا، نامحرم عورتوں اور بے ریش لڑکوں کو دیکھنے سے بھی جو منع کیا گیا اس کی وجہ یہی ہے۔

مردوں کے لئے سب سے بڑا فتنہ

عام طور پر شیطان دنیا کے اندر جو فتنہ اور فساد پھیلاتا ہے اس کا ایک بڑا ہتھیار عورتیں ہیں، شیطان ان کو اپنے جال کے طور پر استعمال کرتا ہے، بخاری شریف کی روایت ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿مَا تَرَكْتُ بَعْدِيْ فِتْنَةً أَضَرُّ عَلٰى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ﴾ (بخاری شریف) ''میرے بعد میں نے مردوں کے حق میں سب سے زیادہ نقصان دہ فتنہ عورتوں سے بڑھ کر نہیں چھوڑا''۔ یہ ایک ایسا فتنہ ہے کہ اس کی وجہ سے اچھے اچھے لوگ پھنس جاتے ہیں۔ اسی لئے حضور اکرم ﷺ ایک مرتبہ عورتوں کو نصیحت فرما رہے تھے تو آپ نے فرمایا: ﴿مَا رَأَيْتُ مِنْ نَّاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِيْنٍ أَذْهَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ إِحْدَاكُنَّ﴾ (بخاری شریف ۱/۴۴) دین اور عقل کے اعتبار سے ناقص شخصیت کو سمجھ دار اور تجربہ کار آدمی کی عقل اٹھا لے جانے والی تم سے بڑھ کر میں نے کسی کو نہیں دیکھا، مرد کے

مقابلے میں عقل کے اعتبار سے کم لیکن بڑے بڑے دانا اور تجربہ کاروں کی عقلوں کو وہ اٹھا کر لے جاتی ہیں۔ بہر حال! ان فتنوں سے بچانے کے لئے ہمیں شریعت نے حکم دیا ہے کہ نگاہوں کو نیچا رکھو، اللہ تعالیٰ نے یہ آنکھ دی ہے؛ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس سے ہر چیز دیکھتے رہئے؛ بلکہ جن چیزوں کو دیکھنے سے منع کیا گیا ہے یعنی نامحرم عورتیں اس سے بچنا چاہئے، حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: کہ بعض لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ حسین چہروں کو دیکھ لیا، یہ ایسا ہے جیسے کوئی حسین عمارت دیکھ لی؛ لیکن ایسا نہیں ہے۔ دونوں میں بڑا فرق ہے۔

............تو کیا حال ہو

بعض روایتوں میں آتا ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ﴿مَنْ نَظَرَ إِلٰى مَحَاسِنِ إِمْرَأَةٍ أجنبية عَنْ شَهوَةٍ صُبَّ فِي عَينَيهِ الآنُکُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ (نصب الرایۃ، حظر واباحت، ۲۳۹/۴) جس نے کسی عورت کے حسن کو دیکھا تو قیامت کے روز اس کی آنکھوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا، آج ایک چھوٹا سا تنکا یا دھول کا ایک چھوٹا سا ذرہ ہماری آنکھ میں جاتا ہے تو ہم بے چین ہوجاتے ہیں، یا ذرا سا پانی چلا جاتا ہے تو اس کی وجہ سے کیسی حالت ہوتی ہے، اور گرم پانی گرجائے تو کیا حال ہو؟ اور بدنظری کی سزا میں نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا۔ (اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے)

گناہوں سے بچنے کا نسخہ

اس لئے نگاہوں کے غلط استعمال پر جو وعیدیں آئی ہیں ان کو یاد کرلینا

چاہئے اوراس کا استحضار ہونا چاہئے ، جرائم کے اوپر جو سزائیں وارد ہوئی ہیں اگر ان کو آدمی سامنے رکھے تو جرائم سے رکنا اس کے لئے آسان ہوجاتا ہے۔

زہریلا تیر

حدیث قدسی میں آتا ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿**النَّظَرُ سَهْمٌ مَسْمُوْمٌ مِنْ سِهَامِ اِبْلِيْس، مَنْ تَرَكَهَا مَخَافَتِيْ أَبْدَلْتُهُ اِيْمَاناً يَجِدُ حَلاوَةً فِيْ قَلْبِهِ**﴾ (المعجم الکبیر للطبرانی ۱۰/۱۷۳) نگاہ شیطان کے تیروں میں سے زہریلا تیر ہے- تیر ہے اور وہ بھی زہریلا ہے- پہلے زمانے میں تیر چلائے جاتے تھے تو پہلے سے اس کو زہر میں ڈبویا جاتا تھا اس لئے کہ زہر میں بجھایا ہوا نہ ہو اور خراش لگ جائے تو وہ خراش اچھی ہوسکتی ہے، لیکن زہر میں بجھائے ہوئے تیر کی خراش بھی اگر لگ جائے تو وہ جان لیوا ثابت ہوتی ہے، شیطان جن تیروں سے انسانوں کا شکار کرتا ہے اس میں سے آدمی کی اپنی نگاہیں بھی ہیں۔

یہ ایسا تیر ہے جو خود کو پہلے زخمی کرتا ہے

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آدمی جب نامحرموں کو دیکھتا ہے تو اس کی یہ نگاہ دوسرے پر کوئی اثر کرے اس سے پہلے خود اس کے لئے مہلک ثابت ہوتی ہے, یہ ایسا تیر ہے جو دیکھنے والے کو پہلے لگتا ہے, اسی لئے نگاہ کی حفاظت کا ہمارے اکابر نے بڑا اہتمام کیا, نگاہ کی حفاظت کے سلسلے میں ہمارے اکابر کتنا اہتمام کرتے تھے، مَیں ابھی بتلاتا ہوں، مَیں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضور اکرم ﷺ

فرماتے ہیں کہ نگاہ شیطان کے تیروں میں سے ایک زہریلا تیر ہے۔

کتنا بڑا وعدہ ہے

اور پھر آگے کتنا عظیم وعدہ کیا گیا، حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد نقل کیا: جو آدمی بدنظری کو میرے ڈر کی وجہ سے چھوڑ دے گا، یہ سوچے گا کہ میری اس بدنظری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوجائیں گے، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: مَیں اس کے اس عمل پر معاوضہ کے طور پر ایمان کی وہ کیفیت عطا کروں گا جس کی مٹھاس اور شیرینی وہ اپنے دل کے اندر محسوس کرے گا۔

بھائی! یہ شیرینی لینی ہے تو اس کے لئے تھوڑا مجاہدہ تو کرنا ہی پڑے گا، محنت تو برداشت کرنی ہی پڑے گی، کتنا بڑا وعدہ ہے، اور بہت بڑا وعدہ ہے۔

طاعت کی لذت سے محروم

اس سے ہم استدلال کر سکتے ہیں کہ جو لوگ اس بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں وہ ایمان کی مٹھاس سے محروم ہوجاتے ہیں، عبادت اور اطاعت کی لذت نصیب نہیں ہوتی، اسی لئے بزرگوں نے فرمایا کہ جو آدمی بدنظری میں مبتلا ہوتا ہے تو اس بدنظری کی وجہ سے طاعت کی لذت سے محروم کردیا جاتا ہے، دوسرے بہت گناہ ہیں لیکن ان گناہوں پر ایسی سخت وعید نہیں آئی ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لوگ اس گناہ کو ایسا ہلکا سمجھ بیٹھے ہیں کہ کرنے کے بعد اس کا احساس بھی نہیں ہوتا، اور پھر دوسرے گناہ تو ایسے ہیں کہ آدمی اگر بار بار کرے کئی مرتبہ کرے تو اس کی وجہ سے دل اچاٹ ہوجاتا ہے،

مثلاً: شراب ہے، دو بوتل، تین بوتل، چار بوتل پئے گا اور کتنی پئے گا؟ آخر تو رکے گا؟

گناہ ایک آگ ہے

اسی طرح زنا کا ارتکاب ہے تو زنا کب تک کرے گا؟ جب تک اس کی قوت ساتھ دے گی، آخر کار اس کی ٹانگیں ڈھیلی ہو جائیں گی، ہر گناہ اسی طرح ہے کہ ایک حد پر اس کی انتہا ہو جاتی ہے؛ لیکن یہ بدنظری ایسا گناہ ہے جس کی کوئی انتہا نہیں، مسلسل چل رہی ہے، ایک گھنٹہ تو ایک گھنٹہ، دو گھنٹہ تو دو گھنٹے تک بیٹھے ہوئے ہیں اور گذرنے والی عورتوں پر نظر پڑ رہی ہے، اور اپنے زعم میں لطف اور لذت اٹھا رہے ہیں لیکن یاد رکھو! یہ لذت نہیں ہے یہ آگ ہے؛ آگ، یہ آگ آدمی کو ستاتی ہے، یہ مناظر جو اندر محفوظ ہو گئے ہیں وہی پھر یاد آتے ہیں، نماز کے لئے جب کھڑے ہوتے ہیں یا دوسرے کام میں لگے ہوتے ہیں تو یہ ساری چیزیں سامنے آتی ہیں، اور آدمی کو پریشان کرتی ہیں۔

بے چینی سے بچنے کا سستا سودا

اسی لئے حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا بدنظری کے لئے آنکھیں بہت کوشش کرتی ہیں، جب کوئی عورت سامنے سے گذر رہی ہوتی ہے تو دل یوں کہتا ہے کہ دیکھ لو کہیں ایسا نہ ہو کہ بغیر دیکھے وہ گذر جائے، اور پتہ نہیں کیسی حسین ہوگی، ذرا ایک نظر دیکھ لیں؛ تاکہ افسوس نہ رہ جائے اور دیکھے بغیر دل مانتا ہی نہیں، دل میں ایک طرح کی بے چینی پیدا ہوتی ہے، حضرت نے پوچھا: یہ بے چینی جو پیدا ہوتی ہے وہ کتنی دیر کے لئے؟ کہا تھوڑی دیر کے لئے؛ تین، چار منٹ رہتی

ہے، وہ عورت گذر گئی اور بے چینی ختم ہوگئی، پھر حضرت نے پوچھا: اچھا اگر دیکھ لیا اور دیکھنے کے بعد اس کی تصویر دل کی میمری (Memory) میں اتر گئی تو اس کے بعد اس کا خیال بار بار آتا ہے، وہ کتنا رہتا ہے؟ اس نے کہا: تین، چار دن تک تو وہ جاتا ہی نہیں ہے، اس پر حضرت نے فرمایا: اگر وہ تین، چار دن کی بے چینی کے بدلے میں تین چار منٹ کی بے چینی برداشت کرلی جائے تو یہ سودا سستا ہے۔

سالکین کو خاص ہدایت

بہرحال! اس کی طرف خاص توجہ کرنے کی ضرورت ہے، یہ بڑا خطرناک گناہ ہے، مَیں نے پہلے بتلایا تھا کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ''آپ بیتی'' میں لکھا ہے کہ جو ذاکرین ہیں خاص کر راہِ سلوک میں لگے ہوئے ہیں وہ اللہ کے ذکر کا سلسلہ شروع کرتے ہیں تو طبیعت میں ایک لذت اور جوش کی کیفیت پیدا ہوتی ہے لیکن بدنظری میں مبتلا ہوتے ہیں تو وہ سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔

نسبت کی تعریف اور ایک مثال سے اس کی وضاحت

بزرگوں نے لکھا ہے کہ نسبت بہت ریاضتیں اور مجاہدے کرنے کے بعد حاصل ہوتی ہے، نسبت یہ صوفیاء کی ایک اصطلاح ہے، یعنی آدمی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص تعلق پیدا ہو جائے جس کی وجہ سے ہر لمحہ اللہ کی یاد ہو، اور اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا تصور ہو، اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرماں برداری کا اہتمام ہو اس کو نسبت کہتے ہیں۔

حضرت تھانوی نے اس کو ایک مثال سے سمجھایا ہے، جیسے دیہاتوں میں عورتوں کو دیکھا ہوگا کہ کنویں کے اوپر دو دو، تین تین، چار چار اور جماعت کی شکل میں سر کے اوپر گھڑے اور برتن لے کر پانی بھرنے جاتی ہیں اور آپس میں باتیں بھی کررہی ہوتی ہیں، ہنسی مذاق بھی کررہی ہوتی ہیں؛ لیکن ان کا دھیان ایک منٹ کے لئے بھی اپنے برتن سے نہیں ہٹتا یا جیسے کوئی ڈرائیونگ کررہا ہو تو ڈرائیونگ کرنے والا باتیں بھی کرتا ہے، ہنسی مذاق بھی کرتا ہے لیکن اس کا دھیان ڈرائیونگ سے چوکتا نہیں۔

حاصل شدہ نسبت کے ختم ہونے کا ایک سبب

بہرحال! بزرگوں نے لکھا ہے کہ ریاضتیں اور مجاہدے کرنے کے بعد آدمی کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص تعلق پیدا ہوجاتا ہے اسی کو نسبت سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور ریاضات و مجاہدے اسی لئے کرواتے ہیں کہ نسبت پیدا ہوجائے، جیسے کہا جاتا ہے کہ یہ صاحبِ نسبت بزرگ ہیں، یعنی ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص تعلق پیدا ہوچکا ہے، تو ریاضت اور مجاہدے کے نتیجے میں جو نسبت حاصل ہوتی ہے وہ نسبت جن چیزوں سے ختم ہوجاتی ہے، اس کے جو اسباب ہیں اس میں ایک بڑا سبب بدنگاہی بھی ہے، حاصل شدہ نسبت بھی بدنگاہی سے ختم ہوجاتی ہے، اسی لئے راہِ سلوک کی جو رکاوٹیں اور موانع ہیں ان میں ایک بڑا مانع بدنگاہی ہے، اسی طرح حرام لقمہ اور غلط صحبتیں بھی ہیں۔

بدنگاہی سے دونوں پر لعنت ہوتی ہے

بہرحال! یہ بدنگاہی بڑی خطرناک چیز ہے، اس کے بڑے نقصانات ہیں

اور اللہ تعالیٰ کی لعنت لانے والی ہے، حدیثِ پاک میں آتا ہے نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: ﴿لَعَنَ اللّٰهُ النَّاظِرَ وَالْمَنْظُوْرَ إِلَيْهِ﴾ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان، مشکوۃ: ۲۷۰) جو نامحرم کو غلط اور ناجائز نگاہ سے دیکھتا ہے تو اس پر اور جس کو دیکھا جارہا ہے اس پر بھی دونوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے، اب یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ دیکھنے والے کے اوپر تو لعنت سمجھ میں آنے والی بات ہے؛ لیکن جس کو دیکھا گیا اس پر لعنت آخر کیوں کی گئی؟ تو اس کے متعلق علماء نے اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جس کو دیکھا گیا ہے اس نے بھی اس بات کا اہتمام کیا تھا، اور اپنے آپ کو سنوارا تھا، اور زیب وزینت اختیار کی تھی؛ تاکہ لوگ مجھے دیکھیں، مرد جب لباس پہنتا ہے تو اس کے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ عورتیں مجھے دیکھیں اور پسند کریں، اور عورتیں جب زیب وزینت کرتی ہیں تو وہ یوں سوچتی ہیں کہ مرد ہمیں دیکھیں اور پسند کریں، گویا اپنے آپ کو اس لئے جب پیش کیا تھا تو ظاہر ہے کہ اس کے دل میں بھی گناہ ہے، اس لئے اس پر بھی لعنت ہوئی۔

لعنت کتنی خطرناک چیز ہے؟

اللہ تعالیٰ کی لعنت کتنی خطرناک چیز ہے؟ اس کا تو وجود بھی مصیبت بنتا ہے، ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ ایک سفر سے واپس تشریف لا رہے تھے، ایک آدمی نے اپنے اونٹ پر کسی وجہ سے لعنت بھیجی، صرف اس کی زبان سے لعنت کا لفظ نکلا، تو حضور ﷺ نے حکم دیا کہ اس اونٹ کو قافلہ سے الگ کردو، لعنت والی چیز ہمارے ساتھ نہیں چاہئے۔ (مسلم حدیث نمبر ۲۵۹۵) اللہ تعالیٰ کی لعنت سے بچنے کا کتنا اہتمام فرمایا۔

انسان کو دھوکہ دے سکتے ہیں لیکن............

تو بدنگاہی بڑا خطرناک گناہ ہے، اس سلسلہ میں دوسری حدیثیں آرہی ہیں، مَیں یہ عرض کر رہا تھا کہ قرآن پاک کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں متبنہ کر دیا کہ اپنی نگاہوں کے متعلق یہ یاد رکھو! کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کے متعلق سوال ہوگا، اب کوئی آدمی سوچے کہ سوال تو تب ہو جب اس کا پتہ بھی چلے، جیسا کہ باپ کی طرف سے بچے کو سوال تو اس وقت ہو جب باپ کو پتہ بھی چلے کہ اس نے گڑ بڑ کی ہے، تب ہی تو باپ گرفت اور مواخذہ کرے گا، اگر پتہ ہی نہ چلے تو پھر پکڑ کیسے کرے گا؟ اسی لئے آگے آیت لائے ﴿يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ﴾ (المؤمن:۱۹) آنکھوں کی خیانت کو وہ جانتا ہے، آنکھوں کی خیانت یہ ہے کہ سب بیٹھے ہوئے ہیں اور اجنبی عورت آئی تو ایسا چپکے سے دیکھ لیا کہ سب کو دھوکہ دے دیا، کھانچا مار دیا، کھانچا مار کر تم انسانوں کو دھوکہ دے سکتے ہو لیکن اللہ تعالیٰ کو دھوکہ نہیں دیا جا سکتا، وہ تو عالم الغیب والشہادۃ ہے۔

کیا اسے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے؟

اسی لئے مَیں نے عرض کیا تھا کہ بدنگاہی سے بچنے کی تدبیر بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بتلائی ہے، اور وہ یہ ہے کہ اس تصور کو تازہ کر لو کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں، دیکھئے! بزرگوں نے کہا ہے: کہ اگر آپ بیٹھے ہوئے ہیں اور وہاں سے کوئی حسین عورت گذر رہی ہے لیکن آپ کے ابا موجود ہیں جو آپ کو ٹکٹکی لگائے

ہوئے دیکھ رہے ہیں، تو وہاں سے کتنی ہی حسین عورت گذر جائے آپ اس کو نہیں دیکھیں گے؛ اس لئے کہ ابا دیکھ رہے ہیں، ابا کے دیکھتے ہوئے آپ بدنگاہی سے بچیں گے، اسی طرح استاد موجود ہیں وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں اور آپ کی نگرانی کررہے ہیں، آپ ان کی نگاہوں کے سامنے ہیں، اور وہاں سے کیسی ہی حسین عورت گذر جائے استاد کے موجود ہونے کا خیال کرتے ہوئے آپ نگاہیں نہیں اٹھائیں گے؛ اگرچہ جی بہت چاہ رہا ہے لیکن یوں سوچیں گے کہ یہ میرے متعلق کیا گمان کریں گے؟ یہ دیکھ لیں گے، اور ان کو پتہ چل جائے گا، ایسے ہی اگر پیر اور شیخ دیکھ رہے ہیں، تو پیر یا شیخ کے موجود ہونے کے خیال سے مرید بدنگاہی نہیں کرے گا، یہ تو بڑوں کی بات تھی؛ لیکن اگر چھوٹے موجود ہوں جیسے شاگرد استاد کو دیکھ رہے ہیں یا پیر کو مرید دیکھ رہے ہیں یا بیٹا باپ کو دیکھ رہا ہے تو باپ نہیں دیکھے گا، اور شرمائے گا کہ بیٹا میرے متعلق کیا سوچے گا؟ کہ میرا باپ عمر کی اس منزل میں پہنچ کر بھی ایسی حرکتیں کرتا ہے، تو دیکھئے آدمی ان لوگوں سے شرم محسوس کرتا ہے اور اپنے آپ کو بچاتا ہے، حالانکہ بزرگوں نے لکھا ہے کہ اگر انہوں نے دیکھ لیا تو ان کے دیکھنے کی وجہ سے کیا ہوگا؟ کیا ان کے ہاتھوں میں ہماری دنیا اور آخرت کا کوئی اختیار ہے؟ ہماری عمران کے ہاتھ میں ہے، بس اتنا ہے کہ ہم کو برا سمجھیں گے، اس کے سوا اور کوئی نقصان نہیں کریں گے، نہ تو ہماری تنخواہ کاٹ لیں گے، اور نہ ہماری روزی گھٹائیں گے، ہمارا کوئی معاملہ ان کے اختیار میں نہیں، اس کے باوجود آدمی ان لوگوں کی موجودگی میں اپنے آپ کو گناہوں سے بچاتا ہے، اور جب گناہ کا

ارادہ کرتا ہےتو وہ تمام دروازے جہاں سے کوئی اس کو دیکھ سکتا ہو بند کر دیتا ہے؛ بلکہ چھوٹا بچہ بھی وہاں موجود ہوتب بھی وہ گناہ نہیں کرتا ہے؛ کیونکہ بچہ دیکھ رہا ہے، حالانکہ ہماراتو عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں ﴿اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى﴾ (الاقراء:۱۴) ''کیا اسے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے''۔

بزرگوں نے باقاعدہ اس کا مراقبہ بتایا ہے، مراقبہ یعنی ہر وقت آدمی یہ سوچے کہ مَیں اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں ہوں، آج کل جگہ جگہ بورڈ لگائے جارہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے، مَیں اللہ کی نگاہوں میں ہوں، یہ کیوں: تاکہ یہ تصور ہمارے دل ودماغ پر طاری ہوجائے اور جم جائے اور ہر وقت یہ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے۔

ایک عمدہ مثال

اس بات کوایک مثال سے سمجھئے کہ اگر ہمیں یہ معلوم ہے کہ یہاں مسجد میں ہم اکیلے ہیں کوئی بھی موجود نہیں ہے، لیکن یہاں کیمرے لگے ہوئے ہیں اور جہاں ان کیمیر وں کی اسکرین ہے وہاں لوگ بیٹھے ہوئے ہماری نگرانی کررہے ہیں، اس درمیان میں کوئی اجنبی عورت آجائے تو یہاں مسجد میں کسی کے موجود نہ ہونے کے باوجود ہم اپنے آپ کو بچائیں گے؛ کیونکہ ہماری واچ اورنگرانی ہورہی ہے، اسی طرح اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بدنگاہی سے بچنے کی تدبیر بتلائی ﴿يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ﴾ (المؤمن:۱۹) یادرکھئے! کہ اللہ تعالیٰ نگاہوں اور آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے، اور جس وقت آپ کسی کو دیکھ رہے ہوتے ہیں تو

آپ کے دل میں کیا کیا خیالات آتے ہیں، اور آپ کیا کیا سوچ رہے ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کو بھی جانتا ہے، جب اللہ تعالیٰ جانتا ہے تو ہم سے اس کا محاسبہ بھی کرے گا اور اس کی سزا دے گا۔

تیرا رب گھات میں ہے

اسی لئے ایک آیت میں فرمایا ﴿اِنَّ رَبَّکَ لَبِالْمِرْصَادِ﴾ (الفجر:۱۴) اللہ تعالیٰ تو ہر چیز کو جانتے ہیں؛ لیکن جیسا کہ میں نے کہا کہ انسانوں کو ہم اسی وقت دھوکہ دیتے ہیں جب اس کی توجہ ہماری طرف نہ ہو، ادھر ادھر دیکھ رہے ہوں تو ہم کھانچا مار دیتے ہیں لیکن اگر کوئی ہمیں ٹکٹکی باندھے ہوئے دیکھ رہا ہو تو ہم بھی سوچیں گے کہ یہ برابر ہماری طرف دھیان لگائے ہوئے ہے ابھی موقعہ نہیں ہے، اس کو ذرا غفلت میں پڑنے دو، اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ رَبَّکَ لَبِالْمِرْصَادِ﴾ (الفجر:۱۴) شکاری جس وقت شکار کرتا ہے، اور جب شکار کی طرف بندوق تاکتا ہے اور نشانہ لیتا ہے، تو بندوق کی گولی چھوڑنے سے کچھ پہلے اس کی طرف جو نگاہ ہوتی ہے اس کو ''مرصاد'' کہتے ہیں، اس وقت کیسی نظر اس کی طرف ہوتی ہے ساری چیزوں سے بے حس و بے حرکت ہو کر، ساری چیزوں سے کٹ کر، سب چیزوں سے توجہ ہٹا کر اس کی طرف پورا دھیان ہوتا ہے، لہذا اس آیت کا ترجمہ ہوا کہ ''تیرا رب گھات میں ہے'' ویسے بھی اللہ تعالیٰ تو جانتے ہیں؛ لیکن اللہ تعالیٰ ہماری گھات میں ہے، ہماری طرف پورے طور پر دھیان دیئے ہوئے ہیں، اگر یہ تصور ہمارے دل و دماغ میں جم جائے تو پھر کیا ہم بدنگاہی کریں گے؟ یہی وہ چیز

تھی جس نے ہمارے اکابر واسلاف کو ان چیزوں کے معاملے میں اتنا محتاط بنایا تھا کہ آج ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

حضور اکرم ﷺ کا عمل

خود نبی کریم ﷺ ان احکام پر عمل کیسے کرتے تھے؟ علامہ یافعیؒ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ جب قبیلہ عبدالقیس (یہ بحرین کا ایک قبیلہ تھا) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا تو اس میں ایک بے ریش لڑکا تھا، نبی کریم ﷺ نے اس کو اپنے پیچھے بیٹھنے کا حکم دیا۔ (کشف الخفاء ۲/۲۳۱) حالانکہ حضور ﷺ تو معصوم اور پاک تھے؛ لیکن اپنی امت کو سبق دینا چاہتے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: حضرت داؤد علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی قوم اس فتنے میں مبتلا ہوگئی۔ (الترغیب والترھیب للیافعی)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک ''امرد'' آیا، امرد کی تعریف یہ کی ہے: کہ مونچھ کے کچھ ڈورے تو پھوٹ چکے ہوں لیکن ابھی ڈاڑھی نہ آئی ہو، بہت چھوٹا بچہ ہو اسے امرد میں شامل نہیں کیا؛ بلکہ ایسا لڑکا کہ جس کی طرف عورتیں بھی رغبت رکھتی ہیں، دونوں کے لئے فتنہ ہو اس کو امرد سے تعبیر کیا گیا ہے، تو ایک آدمی اپنے بے ریش لڑکے کو لے کر امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا، امام صاحب نے کہا: آئندہ اس کو مت لانا، لوگوں نے عرض کیا، حضرت! آپ اس کی اتنی تاکید فرمارہے ہیں؟ فرمایا: میرے بزرگوں نے اور میرے اکابر نے مجھے یہ تاکید کی ہے کہ کبھی بے ریش کو اپنے پاس نہ آنے دینا، اور اس سے اپنے

آپ کو بچانا۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے محدث اور فقیہ تھے، ایک مرتبہ حمام تشریف لے گئے، حمام کے مالک نے پانی پہنچانے کی خدمت کے لئے کسی بے ریش کو بھیج دیا تو انہوں نے کہا: جلدی سے اس کو یہاں سے نکالو، میں دیکھ رہا ہوں کہ ایک عورت کے ساتھ تو ایک شیطان ہوتا ہے؛ لیکن اس کے ساتھ بارہ، تیرہ شیطان لگے ہوئے ہیں۔

حکم بن ذکوان بہت بڑے بزرگوں میں گذرے ہیں، وہ فرماتے ہیں یہ بے ریش لڑکوں کی شکلوں اور صورتوں میں ایسی کشش ہوتی ہے جیسی کنواری لڑکیوں کے چہروں میں ہوتی ہے؛ بلکہ ان کے مقابلے میں زیادہ ہی ہوتی ہے، اس سے اپنے آپ کو بچانا ہے۔

امام موصلیؒ فرماتے ہیں کہ ایسے چالیس بزرگوں کو- جو قطب اور ابدال کے درجے پر تھے -مَیں نے دیکھا کہ وہ اس سے بہت بچنے کی تاکید کرتے تھے، تو بہر حال اپنے آپ کو بدنگاہی سے بچانے کا بہت اہتمام ہونا چاہئے۔

آنکھوں سے زنا ٹپک رہا ہوتا ہے

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آدمی گناہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے سامنے اس کو کھول دیتے ہیں؛

لیکن ایسے بندے جن کے سامنے اللہ تعالیٰ کے بندوں کے گناہ آتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کا ظرف بھی بڑا وسیع بناتے ہیں، ان کے اندر اللہ کی شان ستاری کی جھلک آتی ہے، وہ بندوں کی ان برائیوں کو لوگوں کے سامنے ظاہر نہیں کیا کرتے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مجلس میں ایک آدمی حاضر ہوا جو بدنظری کر کے آیا تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چہرہ دیکھ کر پہچان لیا، لوگوں کو پتہ بھی نہ چلا اور تنبیہ اس انداز سے فرمائی: کیا حال ہے ان لوگوں کا کہ وہ مجلس میں ایسی حالت میں آتے ہیں کہ ان کی آنکھوں سے زنا ٹپک رہا ہوتا ہے۔

اعلیٰ حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

ہمارے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ سنایا تھا، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے مفتی صاحب ہی کے حوالے سے آپ بیتی میں بھی نقل کیا ہے: کہ ایک مرتبہ بڑے حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ وضو فرما رہے تھے، دو آدمی آئے ایک تو آپ کا مرید تھا، دوسرا اس کے ساتھ آیا تھا، اس مرید کو دیکھ کر کے فرمایا: تمہارا تو کچھ بگڑا نہیں، سُستی چُستی آدمی کے ساتھ لگی ہوئی ہے، اور دوسرے کے متعلق فرمایا: ایک روگ اس کے دل کے اندر ہے، اور ایک آنکھ کے اندر ہے، مرید معمولات کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا تھا اس لئے اس کو یہ فرمایا، اور دوسرا آدمی بدنگاہی کا شکار تھا اور عقیدہ بھی بگڑا ہوا تھا اس لئے اس سے یوں فرمایا۔

اور اس پر نگاہ پڑ جائے

ہمارے بزرگ اپنے آپ کو بدنگاہی سے بچانے کا بہت زیادہ اہتمام کرتے تھے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب دو گاڑیوں کا میل (Crossisng) ہوتا ہے، مثلاً: ایک گاڑی بمبئی جانے والی اور دوسری گاڑی احمد آباد جانے والی، دونوں ایک ایک پلیٹ فارم پر کھڑی ہیں تو حضرت فرماتے ہیں کہ اگر میں کھڑکی پر بیٹھا ہوا ہوتا ہوں تو سامنے کھڑی ہوئی دوسری گاڑی پر نظر نہیں کرتا؛ اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ دوسری گاڑی کی کھڑکی پر کوئی عورت بیٹھی ہوئی ہو اور وہ یہ سمجھ کر کہ مجھے کوئی دیکھ نہیں رہا ہے، اپنا چہرہ کھلا ہوا رکھے اور اس پر نگاہ پڑ جائے، جس طرح اس زمانے میں عورتوں کی یہ بے حیائی اور راستوں پر ان کا بے پردہ چلنا آوارہ گردی کرنا عام ہو چکا ہے، اس زمانہ میں اس طرح کھلے چہرے کے ساتھ ان کے نکلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، اس زمانے میں عورتیں باہر نکلتی ہی نہیں تھیں۔

عورت چھپانے کی چیز ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے وعظ میں لکھا ہے کہ بعض لوگ اپنی لڑکیوں سے ایسا پردہ کرواتے تھے کہ ان کے پڑوسیوں تک کو پتہ نہیں ہوتا تھا کہ اس کے گھر میں لڑکی ہے، جب شادی ہوتی تھی تو محلے والے کہتے تھے اچھا اس کے گھر لڑکی تھی، یعنی اس لڑکی کے وجود تک کا پتہ نہیں چلتا تھا، اتنا اس کو چھپا کر پردے کے اہتمام کے ساتھ رکھا جاتا تھا۔ اور آج کل بقول حضرت قاری صدیق صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ حال ہے کہ صبح سے لڑکی گھر سے غائب ہے شام کو واپس آتی

ہے لیکن گھر والوں کو کچھ پتہ نہیں کہ کہاں گئی تھی اور کیوں گئی تھی؟ لیکن اگر گھر کی مرغی تھوڑی دیر کے لئے ادھر ادھر ہوگئی تو سارے گھر والے: بوڑھے بھی، مرد بھی، عورتیں بھی اس کی تلاش کرنے کے لئے نکلیں گے کہ مرغی غائب ہے، مرغی غائب ہے، مرغی غائب ہے، دیکھو کہاں ہے؟ (یہ حضرت کا جملہ نقل کر رہا ہوں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں) تو یہ ایک مزاج بن چکا ہے اس زمانے میں کوئی اہتمام نہیں، اور ہمارے بزرگوں کے یہاں اتنا زیادہ اہتمام تھا۔

حضور ﷺ کے اندر شرم ایسی تھی............

حدیثِ پاک میں حضور اکرم ﷺ کی شرم وحیاء کو بتلایا گیا کہ حضور ﷺ کے اندر شرم ایسی تھی جیسے کنواری لڑکی اپنے گھر کے اندر کوٹھری میں بیٹھی ہوئی ہو اور اس پر شرم غالب ہو۔ (شمائل ترمذی ص ۲۴) اس حدیث کی شرح کرنے والوں نے لکھا ہے کہ عام طور پر کنواری بچیوں کو گھر کے اگلے حصے میں بھی نہیں؛ بلکہ اندر کے چھوٹے کمرے میں رکھتے ہیں، جیسے کہ تجوری ہوتی ہے، اور تجوری میں چور خانہ ہوتا ہے تو گھر اور گھر کے اندر بھی چھوٹا حجرہ اس کے اندر رکھا جاتا ہے، اتنا اہتمام ہوتا تھا اور آج یہ بات نہیں رہی، آج تو اپنے ساتھ ہی لے کر نکلتے ہیں، وہ بے پردہ ہوتی ہیں اور ان کے ماں باپ دیکھ رہے ہوتے ہیں لیکن اس پر ان کو کوئی غیرت بھی نہیں آتی۔

ہماری غیرت کہاں چلی گئی

علامہ ابن الحاج مالکی نے ''المدخل'' میں اپنے زمانہ کی مصری عورتوں کا حال لکھا ہے حالانکہ وہ تو آج سے پانچ چھ صدی پہلے کے عالم ہیں؛ لیکن ایسا معلوم

ہوتا ہے جیسے ہمارے زمانہ کی عورتوں ہی کا حال لکھا ہے، عجیب بات ہے، لکھا ہے کہ وہ اجنبیوں کے ساتھ دکانوں پر خریدی کرنے کیلئے جاتی ہیں، دکان دار سے باتیں کرتی ہیں، اور وہ چلتی ہیں تو اپنی لچک دکھلا کر اور مٹکا کر چلتی ہیں، اور ان کے گھر والے: شوہر، ماں، باپ ان کو دیکھ رہے ہوتے ہیں تب بھی انہیں کوئی غیرت نہیں آتی۔

ہر آدمی کے لئے زنا کا حصہ لکھ دیا گیا

بہر حال! عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ چیزیں بڑی احتیاط کی ہیں، آج کا ماحول یہ ہے کہ آدمی کے لئے بچنا مشکل ہوگیا ہے، حدیث پاک میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمی کے لئے زنا کا حصہ لکھ دیا کہ لامحالہ اس میں مبتلا ہوگا، آنکھ کا زنا نامحرم کو دیکھنا ہے، اس کی تشریح میں مولانا سلمان صاحب منصور پوری زیدمجدہٗ نے جو لکھا ہے مجھے تو بہت پسند آیا کہ ہر آدمی کی زندگی میں ایسے مواقع آتے ہیں کہ اس میں ہوسکتا ہے کہ آنکھ کی بے احتیاطی ہو جائے، کان کی بے احتیاطی ہوجائے، زبان کی بے احتیاطی ہوجائے اور اس میں مبتلا ہوجائے، بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ کیسے زنا میں مبتلا ہوں گے لیکن ہر آدمی کی زندگی میں ایسے مواقع آتے ہیں، ہوسکتا ہے کہ اس میں مبتلا ہوجائے، مثلاً آج کا جو ماحول ہے اس میں آنکھ کی بے احتیاطی سے کون بچ سکتا ہے؟ آپ چوراہوں پر دیکھئے، محلے میں دیکھئے، بازار میں دیکھئے، گھروں کے اندر اوٹوں کے اوپر دیکھئے اور کمال تو یہ ہے کہ گھر کی دیواروں کے اوپر اور گھر کے اندر جو اخبار آتے ہیں اس پر دیکھئے، اور اگر کوئی اخبار نہ پڑھے تو استعمال کی چیزوں پر

دیکھئے، مثلاً: آپ سرمہ کی چھوٹی بوتل لے آئیں گے اس پر عورت کی تصویر بنی ہوئی ہے، اس پر نگاہ پڑے گی، نامحرم عورت کی تصویر کو دیکھنا بھی ایسا ہی گناہ ہے جیسا کہ زندہ عورت کو دیکھنا، آدمی کتنا بچے گا؟ پھر بھی اللہ تعالیٰ جن کو توفیق دے اور وہ اپنی عفت اور پاک دامنی کی حفاظت کرتے ہوئے ان چیزوں سے بچنے کا اہتمام کریں، اللہ تعالیٰ کی توفیق سے جو بھی ہو جائے اور اگر کوئی اس میں فروگذاشت (کوتاہی) ہوگئی تو اللہ تعالیٰ سے توبہ کریں، اپنے آپ کو آگے بڑھنے سے بچاویں اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام کریں۔

قابلِ تقلید طرزِ عمل

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت مولانا قمر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ کے خلیفہ تھے، سہارنپور کی جامع مسجد کے امام تھے، وہ بیمار ہوئے، ان کی بیماری کے زمانہ میں ان کی جگہ پر امامت کے لئے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ جایا کرتے تھے، اس زمانہ میں حضرت مولانا الیاس صاحب مظاہر علوم سہارنپور میں پڑھاتے تھے، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ عصر کے لئے تشریف لے جاتے تھے تو مغرب پڑھا کر واپس آتے تھے، اور بھی نمازیں پڑھانے جاتے تھے، حضرت فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی عصر کے وقت میں بھی ان کے ساتھ جاتا تھا، میں نے بڑے اہتمام سے نوٹ کیا کہ حضرت گھر سے باہر نکلتے تو مسجد پہنچنے تک نگاہیں پاؤں کے اوپر رہتیں، اور مسجد سے نکلتے تو مدرسے کے دروازے میں داخل ہونے

تک نگاہیں پاؤں پر ہی رہتیں۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ جب باہر نکلتے تھے نگاہوں کو نیچا رکھنے کا پورا پورا اہتمام فرماتے تھے۔

حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ

شیخ الحدیث حضرت مولانا یونس صاحب دامت برکاتہم کا ابھی جو دورہ ہوا تھا، تو ڈابھیل میں انہوں نے خود مجھے قصہ سنایا کہ ان کے ایک ساتھی نے ان کو بتلایا کہ ایک مرتبہ مظاہر علوم میں کسی کمرہ میں چوری ہوئی، اب چوری کی وجہ سے جن پر شبہ ہوتا ہے ان لوگون کی جیبوں کی بھی تلاشی ہوتی ہے، جامہ تلاشی کی ضرورت پیش آئی تو حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت حکیم الامتؒ کے اجلِ خلفاء میں ہیں، اور حضرت قاری صدیق صاحب رحمۃ اللہ علیہ جن کے خلیفہ تھے، حضرت مولانا یونس صاحب فرماتے ہیں کہ ان صاحب واقعہ نے کہا کہ میں چھوٹا بے ریش اور امرد تھا، جب میری جامہ تلاشی کی نوبت آئی تو حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب نے مجھ سے یوں کہا کہ پہلے تم اپنی جیب جسم سے الگ کرلو پھر جیب میں ہاتھ ڈالا؛ تاکہ جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے جسم کے ساتھ نہ لگے کتنی احتیاط فرمائی، یہ حضرات اپنے آپ کو بچانے کا اتنا اہتمام کرتے تھے۔

پہلی نظر معاف مگر نقصان سے خالی نہیں

حالانکہ اچانک کی نظر کو معاف رکھا گیا ہے، اب آپ مسئلہ پوچھیں گے کہ

بلاقصد غیر اختیاری طور پر نظر پڑ جائے تو کیا کریں؟ بھائی! بلاقصد غیر اختیاری طور پر نظر پڑ گئی تو اس کا حکم یہ ہے کہ فوراً نگاہیں نیچی کرلو؛ تب تو وہ معاف ہے، حدیث پاک میں آتا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: اے علی! ایک نگاہ کے بعد دوسری نگاہ مت ڈالو، پہلی میں تو کوئی نقصان یعنی گناہ نہیں ہے؛ لیکن دوسری میں گناہ ہے ﴿يَا عَلِيُّ: لَا تُتْبِعِ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ، فَإِنَّ لَكَ الْأُولٰى وَلَيْسَتْ لَكَ الثَّانِيَةَ﴾ (مشکوۃ:۲۶۹) یہ روایت تو ان لوگوں نے بھی پڑھی تھی، ایسا تو نہیں کہ ان حضرات کو یہ روایت معلوم نہیں تھی لیکن وہ حضرات اچانک کی نظر پڑنے کی بھی نوبت آنے نہیں دیتے تھے، بلاقصد کسی بھی عورت پر نظر نہ پڑے اس کا اہتمام کرتے تھے، اور کیوں کرتے تھے؟ اس لئے کہ اچانک کی نظر اگرچہ گناہ کے اعتبار سے معاف ہے لیکن اس نظر کی وجہ سے اگر دل میں کوئی خیال بیٹھ گیا تو اس کے نقصان سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا۔

بھول سے زہر کھالیا تو گنہ گار تو نہیں ہوگا لیکن زہر تو اپنا اثر کرے گا، وہاں مفتی صاحب سے مسئلہ پوچھیں گے اور کہیں گے مولوی صاحب! وہ تو یہ سمجھتا تھا کہ کوئی کھانے کی چیز ہے اور کھا گیا اور مر گیا تو اس کو خودکشی کا گناہ ہوا یا نہیں؟ جواب ملے گا کہ گناہ تو نہیں ہوگا لیکن جو نقصان پہنچنا تھا وہ تو پہنچ ہی گیا، اسی طرح بلاقصد کی نظر اگرچہ گناہ کے اعتبار سے معاف ہو لیکن اس کے اثرات اپنا اثر ضرور دکھلائیں گے، اس لئے اپنے آپ کو اس سے بچانے کا خصوصی اہتمام کرنے کی ضرورت ہے۔

مخلوط ملازمت کے بارے میں ایک صاحب کا سوال اور حضرت دامت برکاتہم کا تشفی بخش جواب:

سوال: سرکاری دفتروں میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی نوکریاں کرتی ہیں، ساتھ میں نوکری کرنے کی وجہ سے بات چیت بھی کرنا پڑتی ہے چونکہ وہ نامحرم ہیں، اس لئے گناہ میں شامل ہوں گے؟

جواب: دیکھئے آدمی اپنے آپ کو بچانے کا اہتمام کرلے، اور ایک مرتبہ یہ طے کرلے کہ مجھے اپنے آپ کو بچانا ہے تو پھر آسان ہے، حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم نے اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ جو حکیم الامت نوراللہ مرقدہ کے اجلِ خلفاء میں تھے کے متعلق لکھا ہے کہ حضرت پہلے وکیل تھے، وکالت کا پیشہ پسند نہیں کیا گیا، تو وکالت کا پیشہ چھوڑ کر ہومیو پیتھک ڈاکٹر بنے، ہومیو پیتھک ڈاکٹری ذرا آسان ہے، پھر ڈاکٹری کا پیشہ تھا، اور ظاہر ہے کہ ڈاکٹر کے پاس عورتیں بھی آئیں گی اور مرد بھی آئیں گے، بہرحال! ڈاکٹر بنے تو یہ دوسرا مسئلہ پیش آیا، وہ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے اپنے آپ کو اس بات کا عادی بنالیا کہ نگاہیں نیچی رہیں اور کبھی اونچا دیکھنا ہی نہیں، پھر تو اتنا اہتمام ہوگیا کہ مریض کون ہے؟ پتہ ہی نہیں چلتا تھا، جب کوئی آیا اور اس نے اپنی ضرورت بیان کی، اس کے مطابق اس کو دوائی دے دی اور بعد میں تو پھر اتنا آسان ہوگیا کہ کوئی دشواری ہی نہیں رہی۔

ایمان کے لئے ٹی بی

دیکھئے! ایک آدمی کو ٹی بی کی بیماری ہے اور اس کو ڈاکٹروں نے کہا کہ آپ بیڑی پیتے ہیں وہ چھوڑنی پڑے گی ورنہ آپ کے لئے ہلاکت ہے تو اس کو چھوڑنی ہی پڑے گی، یہ بدنظری بھی ہمارے ایمان کے لئے ٹی بی سے کم نہیں ہے، اور اس سے اپنے آپ کو بچانا ہی ہے، اب اپنے آپ کو بچانے کے لئے کچھ نہ کچھ زحمت تو برداشت کرنی ہی پڑے گی، یہ کڑوا گھونٹ تو حلق سے نیچے اتارنا ہی پڑے گا۔

مزہ کی بنیاد عادت پر ہے

دیکھو! یہ ہمارے نفس کی لذتوں کا حال ایسا ہے کہ اس کے لئے کوئی معیار نہیں ہے، جو لوگ پان کھاتے ہیں اور پان کے ساتھ تمباکو کھاتے ہیں ان کو اس میں لذت آتی ہے لیکن جو آدمی تمباکو نہیں کھاتا اس کے منہ میں آپ تمباکو رکھ دیجئے تو کیا رکھتے ہی اسے میٹھا لگے گا، اور مزہ آجائے گا؟ نہیں؛ بلکہ کڑوا لگے گا اور کھاتے ہی چکر آجائیں گے لیکن جب وہ ذرا حلق سے نیچے اترا تو اس کی وجہ سے ایک سرور کی کیفیت پیدا ہوگی، پہلی مرتبہ تھوڑا سا کھلایا تھا، اب دوسری مرتبہ اور تیسری مرتبہ کھایا، پھر تو ایسا عادی ہو گیا کہ اس کے بغیر چلتا ہی نہیں، اور جو نہیں کھاتے وہ اسے دیکھ کر یوں سمجھتے ہوں گے کہ شاید اس کا ذائقہ بڑا شاندار ہوگا، وہ تو کھاویں تب پتہ چلے کہ ذائقہ شاندار ہے یا نہیں؟ لیکن جو کھاتے ہیں ان کو پوچھو کہ کیسا مزہ آتا ہے، بہرحال! میں تو مزہ کی بات کر رہا ہوں، اسی طرح ہمارے نفس کے مزہ کا بھی کوئی معیار نہیں، مزہ کی بنیاد عادت پر ہے، اب جس نے بدنظری کو اپنے مزہ کا معیار

بنالیا تو وہ بدنظری کر کے مزہ اٹھاتا ہے؛ لیکن اس کے دل کی جو کیفیت ہوتی ہے، اور جو بے چینیاں ہوتی ہیں وہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے، اس کے برخلاف آدمی اپنے آپ کو بدنظری سے بچا کر مشقت اٹھاتا ہے تو پھر دھیرے دھیرے یہ مشقت اٹھانے میں اس کو مزہ آتا ہے۔

یہ بھی ایک مزہ کی چیز ہے

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کا قول آپ نے فضائل کی کتابوں میں پڑھا ہوگا کہ مجھے دنیا کی زندگی کی تمنا ہے لیکن اس لئے نہیں کہ دولت کماؤں؛ بلکہ گرمی کے دنوں میں روزے رکھوں، گرمی کے دنوں میں روزے رکھنا تو بڑا مشکل کام ہے؛ لیکن وہ رکھتے تھے اور ان کو اس میں مزہ آتا تھا، اس لئے اس کی تمنا کرتے تھے۔

بہرحال! نگاہوں کی حفاظت کر کے مشقت برداشت کرنا یہ بھی ایک مزہ کی چیز ہے لیکن اس کے لئے کچھ دنوں کڑواہٹ برداشت کرنی پڑے گی۔

ایسے ایسے ذائقے دیے جائیں گے کہ آدمی تصور بھی نہیں کرسکتا

علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قصیدہ ''قصیدہ بردہ'' ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کہا ہے اس میں ایک شعر ہے:

اَلنَّفْسُ كَالطِّفْلِ إِنْ تُهْمِلْهُ شَبَّ عَلٰى	حُبِّ الرِّضَاعِ وَإِنْ تُفْطِمْهُ يَنْفَطِمِ

نفس دودھ پیتے بچے کی طرح ہے، دودھ پیتے بچے کا جب دودھ چھڑانے کا وقت آتا ہے تو آپ نے دیکھا ہوگا کہ اس کی ماں کو بڑی تکلیف برداشت کرنی پڑتی ہے، جب دودھ چھڑانے کے دن آئیں گے تو بچہ رات کو نہ خود سوئے گا، نہ

ماں کو سونے دے گا؛ بلکہ پورے گھر کو سونے نہیں دے گا، اور ایسا طوفان مچائے گا اور ایسا چلاّئے گا کہ سب کو پریشان کر دے گا، اب اس کے چلانے اور رونے کو دیکھ کر اس کی ماں کہے کہ یہ بیچارہ مر جائے گا اور اس پر رحم کھا کر دودھ پلا دے تو پھر زندگی بھر اس کا دودھ چھوٹ نہیں سکے گا، بچہ کیوں چلاتا ہے؟ اس لئے کہ وہ یوں سمجھتا ہے کہ میری مرغوب چیز چھینی جا رہی ہے لیکن اس کو معلوم نہیں ہے کہ دودھ چھڑا کر جب غذا پر آئے گا تو ایسی غذائیں اور ایسی لذتیں اور ایسے ذائقے ہیں کہ جس کا اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا، ابھی تو صرف دودھ کا ذائقہ جانتا ہے، جب کھانا سیکھے گا تو ایسے ایسے ذائقے اس کو ملیں گے کہ جس کا تصور بھی نہیں کیا ہوگا، اسی طرح یہ بدنظری بھی چھوڑیں گے تو روحانی طور پر ایسے ایسے ذائقے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیئے جائیں گے کہ آدمی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

بہرحال! بچے کے متعلق وہ فرماتے ہیں کہ نفس بچے کی طرح ہے، اگر تم اس کو مہلت اور ڈھیل دو گے تو وہ اس دودھ میں ہی جوان اور بڑا ہو جائے گا، اور ماں کا دودھ نہیں چھوڑے گا لیکن اگر ہمت کر کے دودھ چھڑائیں گے تو چھوٹ جائے گا؛ البتہ کچھ دن تمہیں بھی تکلیف برداشت کرنی پڑے گی، ہمت اور ارادے سے کام لینا پڑے گا۔

آسانی کے ساتھ اس پر کنٹرول کر سکو گے

اسی طرح مثلاً خارش کا تقاضہ ہوتا ہے، تو جو آدمی یوں سمجھتا ہے کہ کھجلا لوں گا تو میرا معاملہ حل ہو جائے گا لیکن ایسا نہیں ہے، اگر کھجا لو گے تو یہ مسئلہ اور پیچیدہ ہو جائے گا، اب اور کھجلاؤ اور کھجلاؤ یہاں تک کہ خون نکل رہا ہے لیکن چین نہیں

پڑتا، پہلی مرتبہ جب کھجلانے کا تقاضہ پیدا ہوتا ہے اور دل میں بہت بے چینی ہوتی ہے اس وقت صبر وتحمل سے کام لیا جائے کہ کچھ بھی ہو جائے نہیں کھجلانا تو تھوڑی دیر تک تو بے چینی رہتی ہے اور پھر وہ بے چینی دور ہو جاتی ہے، پھر دوسری مرتبہ تقاضہ اتنا زوردار نہیں ہوتا ہے، اسی طرح آپ ہمت سے کام لیں گے تو دھیرے دھیرے نفس کے یہ تقاضے ختم ہو جائیں گے اور آپ آسانی کے ساتھ اس پر کنٹرول کرسکو گے۔

روزانہ صبح میں اٹھنا کیا آسان کام ہے؟

اور ہم یہ بات دنیا کے ہر کام میں دیکھتے ہیں لیکن جب دین کی بات آتی ہے تو اس میں ہم پیچھے رہتے ہیں، ہمارے دنیا کے معمولات میں ہم ہر تکلیف برداشت کرتے ہیں، صبح کو جا کر دکان کھولنا، نوکری اور ملازمت کے لئے بذریعہ ریل گجرات کوین میں احمد آباد جاتے ہیں یا فلائنگ رانی میں بمبئی جاتے ہیں، اس طرح روزانہ صبح میں اٹھنا کیا آسان کام ہے؟ انہیں لوگوں کو اتوار کو دیکھ لو، گیارہ بجے تک تکیہ سے سر بھی نہیں اٹھائیں گے لیکن روزانہ کیوں جاتے ہیں: اس لئے کہ تنخواہ ملے گی، پیسے ملیں گے لہذا ان پیسوں اور تنخواہ نے سردی کے زمانہ میں صبح کے وقت جلدی اٹھنا آسان کر دیا۔

مصیبت کیوں سر لیتی ہے؟

اسی طرح ماں کو بچوں سے محبت ہوتی ہے، سردی کے زمانہ میں بچہ پیشاب کرتا ہے تو ماں رات کو اٹھ کر پیشاب صاف کرتی ہے، اس لئے کہ اگر پیشاب ہی میں رہے گا تو بیمار ہو جائے گا، ماں رات کو اٹھتی ہے اور اس کے کپڑے بدلتی ہے،

بستر صاف کرتی ہے، اور اگر کسی عورت کو بچہ پیدا نہیں ہوتا تو وہ بچے کے لئے کیسی کیسی تدبیریں کرتی ہے؟ اب اگر اس سے کوئی کہے کہ فلاں کو نہیں دیکھتی کہ اس کا بچہ سردی کی راتوں میں اس کو سونے نہیں دیتا تو اس مصیبت کو کیوں سر لیتی ہے؟ تو وہ کہے گی کہ کوئی بات نہیں، بچے کی محبت کے خاطر میں یہ سب برداشت کرلوں گی لیکن مجھے بچہ چاہئے۔

آخر کوئی مزہ تو آتا ہوگا

بہرحال! یہ ساری چیزیں مثال کے طور پر اس لئے سمجھائی کہ بھائی! ان گناہوں سے بچنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو انعامات دیئے جائیں گے وہ بہت بڑے ہیں، یہ اللہ والے رات رات بھر جاگ رہے ہیں اور عبادت کر رہے ہیں، آخر ان کو کوئی تو مزہ آتا ہوگا تب ہی تو کرتے ہیں، مزہ کے بغیر تو کوئی نہیں کرے، اور پھر یہ دنیا کا مزہ تو ایسا ہے کہ دیکھنے میں مزہ ہے اور اندر بے چینی ہے، دل میں کوئی چین اور قرار نہیں، اے سی (A.C.) میں پڑے ہوئے ہیں، گولیوں پر گولیاں کھا رہے ہیں لیکن نیند نہیں آرہی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرماں برداری میں اللہ تعالیٰ نے سکون رکھا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، اور اس کی وجہ سے قلب کو جو ٹھنڈک اور اطمینان حاصل ہوگا دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی نعمت اور بڑے سے بڑا سرمایہ بھی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا، اس لئے یہ تکلیف کی چیز تو ہے اس سے انکار نہیں، تب ہی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے لذت بھی ملتی ہے، لذت ایسے ہی تھوڑے ملتی ہے؟ ہم قربانی دیں گے تو کچھ ملے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

دعاء

سبحانک اللّٰھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا إلہ غیرک، اللّٰھم صل وسلم وبارک علی سیدنا محمد النبی الأمی کما تحب وترضیٰ بعدد ما تحب وترضیٰ، ربنا ظلمنا أنفسنا وإن لم یغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین.

اے اللہ! نگاہوں کی پاکیزگی ہمیں عطا فرما، اے اللہ! اس بدنگاہی نے ہمارے دین کا ستیاناس کررکھا ہے، اے اللہ! اس بیماری سے ہم کو پورے طور پر پاک اور صاف فرمادے، نجات عطا فرمادے، اس سے بچنا ہمارے لئے آسان کردے، اے اللہ! اس کے نقصان کو ہمارے سامنے ایسا واضح کردے کہ اس سے ہمیں نفرت ہوجائے، اے اللہ! اپنے حبیب پاک ﷺ کے ارشادات کو اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں اپنانے کی توفیق عطا فرما، اے اللہ! ہمارے بیماروں کو صحتِ کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرما، مقروضوں کے قرض کی ادائیگی کی شکلیں پیدا فرما، پریشان حالوں کی پریشانیوں کو دور فرما، قیدوبند میں محبوسوں کو رہائی نصیب فرما، مقدمات میں ماخوذ کو بری فرما، جو جس مصیبت میں گرفتار ہے اے اللہ! اس سے نجات عطا فرما، اے اللہ! اس مجلس میں تیرے جتنے بھی بندے موجود ہیں تمام کی جائز مرادوں کو پورا فرما، اے اللہ! حضور پاک ﷺ نے جتنی بھی خیر اور بھلائی آپ سے مانگی ہمیں اور پوری امت کو عطا فرما، اور جن شرور وبرائیوں سے پناہ چاہی اس سے

ہماری اور پوری امت کی حفاظت فرما۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ، وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقه سیدنا ومولانا محمد وآله واصحابه اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین.

رمضان المبارک کی تیاری

باسمہ تعالیٰ

اداریہ

محترم قارئین!

رمضان المبارک کا مہینہ ظاہری و باطنی نعمتوں کے حصول کا سیزن ہے، ہم اس کی ظاہری نعمتوں کو بدیہی طور پر محسوس کرتے ہیں، اور اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کا اہتمام کرتے ہیں؛ لیکن اس کی باطنی نعمتوں سے کم حقہ مستفیذ نہیں ہوتے، اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہماری توجہ ان باطنی نعمتوں کے حاصل کرنے کی طرف نہیں ہوتی، اس کی طرف توجہ دلانے کے لئے بزرگوں کا معمول رہا ہے کہ رمضان المبارک کے آنے سے پہلے اس کی اہمیت کو لوگوں کے سامنے واضح فرماتے ہیں، اور یہ سلسلہ نبی کریم ﷺ کے مبارک دور سے چل رہا ہے، نبی کریم ﷺ شعبان کے آخر میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے رمضان المبارک کے فضائل بیان فرماتے تھے، اسی سنت پر عمل کرتے ہوئے حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم ہر سال رمضان سے پہلے رمضان کی اہمیت پر توجہ دلاتے ہیں۔

آپ کے ہاتھوں میں جو اوراق ہیں، وہ اس طرح کی ایک مجلس کی تحریری شکل ہے، مقصد یہ ہے کہ جس طرح ہم ظاہری نعمتوں کو حاصل کرنے کی تیاریاں کرتے ہیں، اسی طرح باطنی نعمتوں کو حاصل کرنے کی طرف بھی توجہ دیں۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہم سب کو رمضان المبارک کماحقّہ وصول کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔

باسمه سبحانه تعالی

الحمد للّٰه نحمده و نستعینه و نستغفره، و نؤمن به و نتوکل علیه، و نعوذ باللّٰه من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا، و نعوذ باللّٰه من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا،و نعوذ باللّٰه من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا، من یهده اللّٰه فلا مضل له و من یضلله فلا هادی له، و نشهد ان لااله الااللّٰه وحده لاشریک له، و نشهد ان سیدنا و مولانا محمدا عبده و رسوله، صلی اللّٰه تعالی علیه و علی اٰله و اصحابه و بارک و سلم تسلیما کثیرا.

اعوذ باللّٰه من الشیطان الرجیم —بسم اللّٰه الرحمن الرحیم

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهَرَ فَلْیَصُمْهُ﴾ وقال تعالیٰ: ﴿یا ایها الذین اٰمنوا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ﴾

محترم حضرات! رمضان المبارک کا مہینہ اب بہت قریب آچکا ہے اور آج اسی مناسبت سے چند باتیں عرض کروں گا۔

جیسی تقریب؛ ویسی تیاری

رمضان کا مہینہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، جو چیز جتنی زیادہ اہم اور قیمتی ہوا کرتی ہے اس کا اتنا ہی زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے، مثلاً: کسی کے

یہاں کوئی تقریب ہو تو جیسی تقریب ہوتی ہے اسی مناسبت سے اس کے لئے تیاریاں کی جاتی ہیں، کسی تقریب کی تیاری دو چار روز پہلے ہوتی ہے، کسی کی آٹھ دس روز پہلے، کسی کی ہفتوں پہلے اور کسی کی مہینوں پہلے تیاری کی جاتی ہے۔

کوئی بڑی شخصیت آنے والی ہو، مثلاً: وزیر اعظم کا سورت میں دورہ ہونے والا ہے تو وزیرِ اعظم کے دورے کی مناسبت سے اس کے استقبال کے لئے شہر کے اندر کچھ اصلاحات ہوتی ہیں، اس کی زیب وزینت کا اہتمام کیا جاتا ہے اور بناؤ سنگار کیا جاتا ہے، اور طرح طرح سے تیاریاں کی جاتی ہیں، تو جو شخصیت جتنی اہمیت اور توجہ کے قابل ہوتی ہے؛ اسی مناسبت سے اس کے استقبال کی تیاریاں بھی ہوا کرتی ہیں۔

رمضان کا اہتمام اللہ تعالیٰ کے یہاں

رمضان المبارک کا اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں بھی بڑا اہتمام ہوتا ہے، اور نبی کریم ﷺ نے بھی مختلف طریقوں سے اس کی اہمیت کو امت کے سامنے واضح فرمایا، اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں اس کا اہتمام ہونا تو اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: رمضان المبارک کے لئے جنت کو مزین کیا جاتا ہے اور ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک سنوارا جاتا ہے، یعنی ایک رمضان ختم ہونے سے لے کر دوسرا رمضان شروع ہونے تک پورے گیارہ مہینہ؛ آنے والے رمضان کے خاطر جنت کو مزین کیا جاتا ہے، ویسے جنت تو ایسی جگہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کون سی نعمت اور خوبی ایسی ہوگی جو وہاں نہ ہو﴿ولکم فیھا ما

تشتهي انفسكم ولكم فيها ما تدعون ﴾ جوتمہارا جی چاہے؛ وہ ساری چیزیں وہاں موجود ہیں، اور وہاں تو ایسی ایسی چیزیں ہیں کہ حدیث پاک میں آتا ہے ﴿**ما لا عين رأت ولا أذن سمعت ولا خطر علىٰ قلب بشر**﴾ یعنی نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا؛ بلکہ کسی کے دل میں اس کا تصور اور خیال تک نہیں آیا، یعنی ہماری خیالی پرواز جتنی ہوسکتی ہے اس سے بھی بہت زیادہ جنت کے اندر موجود ہے، حالانکہ جنت تو پہلے ہی سے مزین، بنی بنائی، سنوری سنواری موجود تھی اس کے باوجود اللہ تبارک وتعالیٰ رمضان المبارک کے لئے سنوارتے اور مزین کرتے ہیں، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ رمضان المبارک کا اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں کیسا اہتمام ہوتا ہے، اس کے علاوہ جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، شیاطین مقید کردیئے جاتے ہیں، بہرحال! قدرت کی طرف سے یہ سب اہتمام کئے گئے، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ چاہتے ہیں کہ اس مہینہ میں میرے بندے ساری چیزوں سے کٹ کر میری طرف متوجہ ہوجائیں، اسی لئے تو وہ سارے اسباب جو اس راہ میں رکاوٹ بن سکتے تھے ان کو دور کرنے کا قدرت کی طرف سے انتظام کیا گیا۔

بھوک اور بیداری ٹریننگ کا گُر

شیطان رکاوٹ بن سکتا تھا تو حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ شیاطین کو مقید کیا جاتا ہے، اس کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی جاتی ہیں، نفس رکاوٹ بن سکتا ہے، تو اس کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ انتظام کیا کہ روزہ رکھو، روزہ میں آدمی

بھوکا، پیاسا رہتا ہے، رات کو تراویح میں بیداری ہوتی ہے، آدمی کی قوت بہیمیّہ (حیوانی قوت) کو روزہ کے ذریعہ سے باندھ دیا جاتا ہے، اس کو قابو میں رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے اور شیطانی قوت بھی اس سے قابو میں آتی ہے، حدیثِ پاک میں آتا ہے﴿**إن الشیطان یجری من الانسان مجریٰ الدم، ألا! فسدوا مجاریہ بالجوع**﴾شیطان انسان کی رگوں میں ایسے حرکت کرتا ہے اور گھومتا ہے جیسے خون، خون جس طرح رگوں میں دوڑتا ہے اسی طرح شیطان انسان کے اندر پیوست ہوکر اپنے اثرات ڈالتا ہے، حضور پاک ﷺ فرماتے ہیں: اس کے ان راستوں اور ناکوں کو بھوک کے ذریعہ بند کرو؛ لہذا شیطانی اثرات کو بھی دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اور حیوانی و بہیمی اثرات کو بھی دور کیا جاتا ہے، اسی لئے بھوکا اور پیاسا رکھا جاتا ہے، جیسے: شکاری جانور کو اگر شکار کے لئے سدھانا ہو تو اس کو سدھانے کے واسطے بھوکا رکھا جاتا ہے، آپ نے سرکس کے اندر درندے دیکھے ہوں گے کہ ان کو باقاعدہ کھیل کرایا جاتا ہے، اور اس کے لئے ان کو ٹریننگ دی جاتی ہے، ان کو ٹرینڈ کرنے کے لئے دو چیزیں استعمال کی جاتی ہیں: ایک تو ان کو بھوکا رکھتے ہیں، اور دوسرے بیدار رکھتے ہیں۔ تو بیداری اور بھوک کے نتیجے میں وہ قابو میں آجاتے ہیں، اگر کھانا کھلا دیا اور آرام مل گیا؛ تو پھر وہ کسی کے قابو میں نہیں آسکتے۔

اسی طرح وہ ساری رکاوٹیں جو بندے کو اللہ تبارک وتعالیٰ سے دور کرنے والی تھیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ رشتہ اور تعلق قائم کرنے کے لئے جو چیزیں رکاوٹ بنتی تھیں؛ ان کے سارے راستے بند کردئے گئے، گویا اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں

کہ ان دنوں میں اور اس مہینے میں بندے مجھ سے جڑیں، ان کا ایک خاص ربط اور تعلق اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات سے قائم ہو۔

رمضان کا اہتمام حضور ﷺ کی نگاہ میں

حضور اکرم ﷺ نے بھی اس مہینہ کی اہمیت مختلف طریقوں سے امت کے سامنے پیش فرمائی، ویسے تو آدمی جب ہر مہینہ کا چاند دیکھے تو دعا سکھلائی گئی ہے۔ ﴿**هلال خيرٍ ورُشدٍ**﴾ کہ یہ آنے والا چاند بھلائی اور ہدایت لے کر کے آوے، اور یہ بھی دعا کی جائے ﴿**اللّٰهم أهله علينا بالأمن والايمان والسلامة والاسلام**﴾ اے اللہ! اس مہینے کے چاند کو ہمارے اوپر امن وایمان کے ساتھ اور سلامتی کے ساتھ اُگا، یعنی آنے والا یہ مہینہ ہمارے لئے ساری خوبیاں اور نعمتیں لے کر کے آوے، ویسے تو ہر مہینہ کا چاند جب دیکھا جائے اس وقت یہ دعا پڑھنی چاہئے، نبی کریم ﷺ نے ہر موقع کی دعا بتلائی، یہ بھی نبی کریم ﷺ کی امت پر نہایت درجہ شفقت ہے؛ کیونکہ آنے والا وقت آدمی کے لئے کیا حالات لے کر آتا ہے؛ یہ معلوم نہیں، اس لئے نبی کریم ﷺ نے یہ دعا سکھلائی کہ اس دعا کا اہتمام کریں؛ تاکہ اس کی برکت سے اگر حالات دیگر ہوں تو اللہ تعالیٰ اس کو آسان کردے، یہ تو ہماری بدقسمتی کی بات ہے کہ ہم ان چیزوں کا اہتمام نہیں کرتے۔

امت پر نبیٔ کریم ﷺ کی شفقت دعاؤں کے ذریعہ

کوئی آدمی نیا کپڑا پہنے تو اس وقت کی دعا بتلائی، اس لئے کہ یہ نیا لباس

آدمی کے لئے کیا خیر اور کیا شر لے کر آنے والا ہے؛ یہ معلوم نہیں۔ حضور ﷺ نے دعا تلقین فرمائی ﴿اللّٰھم إنی اسئلک خیرہ وخیر ما صنع له﴾ اس میں جو بھلائی ہو اور جن مقاصد کے لئے استعمال ہوتا ہے ان میں سے اچھے مقاصد کا میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، اور جو برائی ہو اور جن مقاصد کے لئے استعمال ہوتا ہے ان میں جو برے مقاصد ہیں ان سے میں تیری پناہ چاہتا ہوں، لباس پہن کر آدمی کبر اور غرور میں مبتلا ہوسکتا ہے دوسرے کی تحقیر کرسکتا ہے، لباس پہن کر یوں سوچ سکتا ہے کہ کوئی عورت مجھ کو دیکھے، میری زینت کی طرف توجہ کرے، اگر ایسی نیت ہوئی تو حدیث پاک کے اندر اس پر لعنت آئی ہے، تو گویا ان ساری برائیوں سے پناہ چاہی گئی، اور خیر مانگا گیا، سواری کا جانور آوے تو دعا سکھلائی گئی، جس خیر کے لئے پیدا کیا گیا وہ عطا فرما، اسی طرح کوئی آدمی نئی گاڑی لے آوے تو بھی یہی دعا کرے، ہم گاڑی تو نئی لے آتے ہیں لیکن ان دعاؤں کا اہتمام نہیں کرتے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حادثات اور مصائب کا شکار ہوجاتے ہیں۔

بہرحال! حاصل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی نہایت درجہ شفقت ہے کہ ہر موقع پر دعا سکھلائی، آدمی ایک وقت اور زمانہ سے دوسرے زمانے میں منتقل ہورہا ہے، جیسے رات گذری اور دن میں داخل ہورہا ہے، دن ختم ہوا اور رات میں داخل ہورہا ہے تو دعا سکھلائی، ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہورہا ہے، مثلاً: گھر میں داخل ہورہا ہے تو دعا سکھلائی، گھر سے باہر نکل رہا ہے تو دعا سکھلائی گئی، مسجد میں داخل ہورہا ہے تو دعا سکھلائی گئی، مسجد سے باہر نکل رہا ہے تو دعا سکھلائی گئی،

بیت الخلاء میں داخل ہورہا ہے وہاں سے باہر نکل رہا ہے تو دعا سکھلائی، بازار میں جارہا ہے تو دعا سکھلائی، بازار میں جا کر جو حالات پیش آنے والے ہیں اس کے مناسب دعا بتلائی، بیت الخلاء میں جا کر جن حالات سے دوچار ہونے والا ہے اور جن مصیبتوں کا وہاں امکان ہوسکتا ہے ان سے بچنے کی دعا سکھلائی گئی، مسجد میں داخل ہوکر جو بھلائیاں حاصل کرسکتا ہے اس کے حاصل کرنے کی دعا سکھلائی، مسجد سے نکل کر جن مصیبتوں میں گرفتار ہوسکتا ہے ان سے بچنے کی دعا سکھلائی اور مسجد سے نکلنے کے بعد بھی جو بھلائیاں حاصل کرسکتا ہے اس کی بھی دعا سکھلائی، دونوں باتیں اس میں آ گئیں۔

مطلب یہ ہے کہ ہر موقع کی دعائیں نبی کریم ﷺ نے سکھلائیں، گویا ان حالات میں جو جو چیزیں پیش آسکتی ہیں پہلے سے حضور اکرم ﷺ نے سارے خیر کے اور حفاظت طلب کرنے کے اقدامات بتلا دیئے، اور ساتھ ہی ساتھ ان دعاؤں کے ذریعہ سے بندہ کا کانٹیکٹ اور رشتہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم کیا، جب ہر موقع پر دعا کرے گا تو دل میں سوچے گا کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے ہوں اور ہر لمحہ آدمی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوگا، اس کی کوئی حالت ایسی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف متوجہ نہ ہو، ایسا نہیں ہے کہ صرف نماز پڑھ رہا ہے تو اس کا دھیان اللہ تعالیٰ کی طرف رہے، نماز کے علاوہ بھی ہر موقع پر نبی کریم ﷺ نے دعائیں سکھلا کر بندہ کا رشتہ اور تعلق دائمی طور پر اور چوبیس گھنٹہ کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ جوڑ دیا۔

دعائیں حدیث پاک کا نچوڑ

علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: یہ دعائیں حدیث پاک کا نچوڑ اور خلاصہ ہیں، نبی کریم ﷺ کی ساری تعلیمات ان دعاؤں کے اندر آ گئیں۔

ایک چیز کی تڑپ

بہر حال! حضور اکرم ﷺ نے نئے چاند کو دیکھتے وقت جو دعائیں بتلائی ہیں وہ تو اپنی جگہ پر ہیں؛ لیکن ساتھ ہی ساتھ رجب کے مہینہ کا نیا چاند دیکھے تو اور دعاؤں کے ساتھ جو ہر چاند دیکھتے وقت پڑھی جاتی ہیں ایک زائد دعا بھی بتلائی ﴿**اللهم بارک لنا فی رجب وشعبان وبلّغنا رمضان**﴾ اے اللہ! تو ہمارے لئے یعنی ہماری عمر میں رجب وشعبان کے مہینے میں برکت دے، اور ہم کو رمضان تک پہنچا دے، گویا ابھی رمضان کا مہینہ آنے کو دو مہینے باقی ہیں اور پہلے ہی سے دعا کے ذریعہ سے بندہ کے دل میں ایک چیز کی تڑپ اور طلب پیدا کی جا رہی ہے، اتنا مبارک مہینہ آنے کو اب تو صرف دو ہی مہینے باقی رہ گئے ہیں، اے اللہ! جب دو مہینہ ہی باقی رہ گئے ہیں تو کہیں ایسا نہ ہو کہ اس مبارک مہینہ کی برکتیں حاصل ہونے سے پہلے ہی میرے لئے دنیا سے رختِ سفر باندھنے کی گھڑی آ جائے، اے اللہ! مجھے موقع دے، مجھے اتنی زندگی دے کہ اس مہینہ کو پالوں، اس کی برکتیں حاصل کرلوں۔

یہاں غور فرمایئے! کہ زندگی کی دعا منگوائی گئی، جیسے: بوڑھی عورتیں کیا کرتی ہیں کہ اے اللہ! بیٹے کی شادی ہو جائے اس کے بعد دنیا سے اٹھانا، پھر دعا کرتی ہیں کہ اس کے یہاں بیٹا ہو جائے اس کے بعد جانا ہو، جب پوتا ہو گیا اس

کے بعد دعا کرتی ہیں کہ اے اللہ! اب ایسا موقع دے کہ پوتے کی شادی دیکھ کر جاؤں، اس طرح دعائیں کرتی رہتی ہیں اور پھر جب پوتے کی شادی ہوگئی تو اب کہتی ہیں کہ اس کے گھر جھولا جھلتا ہوا دیکھتے جاؤں، گویا اس طرح دعائیں کر کے ویزا کی مدت بڑھاتی رہتی ہیں، گویا ایک نعمت جو گھر میں آنے والی ہے اس کو حاصل کرنے کے لئے وہ تمنا کرتی ہیں کہ یہ نعمت بھی مَیں اپنی زندگی میں اپنی آنکھوں سے دیکھ کر جاؤں، آدمی ایسے موقع پر چاہتا ہے کہ جب زمانہ اتنا قریب آگیا تو اب کہیں ایسا نہ ہو کہ میں اس کو پائے بغیر ہی چلا جاؤں، جیسے کوئی سفر درپیش ہو اور گھر میں یا رشتہ دار کے یہاں شادی بھی ہے تو آدمی دعا کرتا ہے، اے اللہ! ایسا انتظام کردے کہ شادی میں بھی رہوں اور پھر سفر کا نظام ہو، آدمی ایسا انتظام کرتا ہے، اسی طرح یہاں بھی نبی کریم ﷺ نے دعا سکھلائی کہ جب رمضان المبارک کو دو مہینے باقی رہ گئے ہیں تو کہیں ایسا نہ ہو کہ رمضان آنے سے پہلے ہی یہاں سے چلے جانے کی نوبت آجائے، اس لئے اللہ سے مانگو کہ مجھے اتنی زندگی دے کہ میں رمضان کے مہینہ کو پالوں، اس کی برکتیں حاصل کرلوں، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی بھلائی کے کام کے لئے، اللہ کی رضا وخوشنودی حاصل کرنے کے لئے اگر زندگی کا سوال کرے تو اس کی اجازت ہے اور گنجائش ہے، یہاں بھی رمضان کا مہینہ پانے کے لئے دعا منگوائی گئی۔

دو مہینہ پہلے سے ذہن سازی

آخر اس دعا کو سکھلانے کا کیا مقصد تھا؟ دعا کا مقصد ہی یہ ہے کہ دو مہینہ

پہلے سے آپ کو ذہنی طور پر تیار کرایا جا رہا ہے، جیسے: جو لوگ ناواقف ہوتے ہیں ان کی ذہن سازی کرنے کے لئے پہلے سے کہا جاتا ہے کہ یہ ہونے والا ہے، یوں ہونے والا ہے، توں ہونے والا ہے، فلاں صاحب آ رہے ہیں، فلاں صاحب آنے والے ہیں، جب بار بار دہرایا جاتا ہے تو آدمی کا ذہن اس کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔

جماعت میں جانے والے ہمارے احباب نے بتلایا کہ کیرلا کے علاقہ میں رواج ہے (ہم نے جب یہ بات سنی تو بہت اچھی لگی) کہ وہاں کے لوگ رجب سے لے کر رمضان آنے تک روزانہ نماز کے بعد یہ دعا جہراً پڑھتے ہیں ﴿**اللّٰهم بارک لنا في رجب وشعبان وبلغنا رمضان**﴾ روزانہ اس کا ورد کرایا جا رہا ہے؛ تاکہ آدمی کے دل میں اہمیت پیدا ہو، گویا ذہنی طور پر ہمیں تیار کیا جا رہا ہے، حضور ﷺ بتلا رہے ہیں کہ یہ کوئی معمولی مہینہ نہیں ہے، اور جبکہ اس کے آنے میں دو مہینے ہی باقی رہ گئے ہیں اور کوئی آدمی دنیا سے چلا جائے تو یہ ایک محرومی کی بات ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کروائی۔

عظمت و بزرگی والا مہینہ

پھر نبی کریم ﷺ خاص طور پر رمضان آنے سے پہلے خطبے میں اس کی طرف متوجہ فرماتے تھے ﴿**قد اظلکم شهر عظیم شهر مبارک شهر فيه ليلة خير من ألف شهر**﴾ تمہارے اوپر سایہ فگن ہے، اور عنقریب آنے والا ہے ایک بڑا عظمت والا، برکت والا مہینہ؛ اس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اور پھر ایسا مہینہ ہے ﴿**أوّله رحمة، واوسطه مغفرة،**

و آخرہ عتق من النار﴾اس کا ابتدائی حصہ اللہ کی رحمت ہے، اگر اللہ کی رحمت شاملِ حال ہوگی تو ہی آدمی روزے رکھے گا، عبادت کرے گا، تراویح پڑھے گا، جب دس دن تک کچھ کام کر لئے تو اب گویا اللہ تعالیٰ کی مغفرت کا حقدار ہو گیا، اس لئے فرمایا کہ درمیان عشرہ مغفرت والا ہے، اور جب مغفرت ہوگی تو پھر جہنم سے آزادی ہو ہی گئی، اس لئے فرمایا کہ آخری عشرہ جہنم سے آزادی کا ہے۔

رمضان کے اعمال

اس مہینہ میں جو اعمال کئے جانے والے ہیں اس کی طرف بھی بڑے اہتمام سے متوجہ کیا کہ اس کے روزوں کو خدا تعالیٰ نے فرض کیا اور اس کی تراویح کو سنت قرار دیا، اور پھر اس میں روزہ وافطار کرانے کا بھی اہتمام کرے، اور ساتھ ہی ساتھ کلمہ طیبہ اور استغفار کی کثرت کرے، اور جنت کا سوال کرے اور جہنم سے پناہ مانگے۔

اس مہینہ کو وصول کرنے کا اہتمام کریں

تو بہرحال! حضور ﷺ رمضان آنے سے پہلے بڑے اہتمام سے خطبہ میں ان چیزوں کی طرف متوجہ فرماتے تھے، ان ساری چیزوں کا مقصد کیا ہے؟ اس مہینہ کی اہمیت کو جتلانا ہے اور اپنی امت کے دل ودماغ میں بٹھانا ہے؛ تاکہ لوگ اس کی اہمیت محسوس کرتے ہوئے اس مہینہ کو وصول کرنے کا اہتمام کریں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مہینہ خاص ایسا رکھا کہ اس میں بندہ اپنا تعلق اور رشتہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مضبوط کرلے؛ تاکہ سال بھر تک اپنے دنیوی کاروبار: تجارت، صنعت، زراعت اور ملازمت وغیرہ کی مشغولی کے نتیجہ میں جو میل کچیل آ گیا دل

پر، جو پردے پڑ گئے وہ سب دور ہو جائیں۔

فیکٹری والے جانتے ہیں کہ ایک مدت تک جب مشین استعمال کی جاتی ہے تو پھر اس کو سروس کرانا پڑتا ہے، اُوور ہولنگ ہوتی ہے، فیکٹری دو دن بند رکھو، دو دن چھٹی رہے گی اور کام نہیں ہوگا؛ کیونکہ مشین کھولی ہے سروس کرنی ہے، اگر سروس نہیں کریں گے تو پھر یہ مشین برابر کام نہیں کرے گی، اس سے جیسا فائدہ اٹھانا چاہئے ایسا فائدہ اٹھا نہیں سکیں گے۔

انسان اور فرشتوں کی عبادت کا فرق

ویسے تو اصالۃ اللہ تبارک وتعالی نے انسانوں کو اپنی عبادت کے واسطے ہی پیدا کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وما خلقتُ الجنَّ والانسَ الا لیَعْبُدُوْن﴾ اگر چہ فرشتے بھی عبادت کرتے ہیں؛ لیکن ان کی عبادت الگ قسم کی ہے، انسان کی عبادت الگ قسم کی ہے، فرشتوں کی تو فطرت ہی میں اور ان کے مزاج ہی میں اطاعت اور فرماں برداری ہے، ان کی طبیعت میں معصیت اور نافرمانی کا مزاج ہی نہیں گویا وہ عبادت ہی کے واسطے بنائے گئے ہیں، اس لئے وہ عبادت کرتے ہیں۔

فرشتے مختلف طریقے سے عبادت کرتے ہیں، احادیث میں آتا ہے کہ بعض فرشتے ایسے ہیں جو ہمیشہ رکوع ہی میں رہتے ہیں، جب سے اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے اس وقت سے لے کر قیامت تک وہ رکوع میں ہی رہیں گے، بعض سجدہ ہی میں رہیں گے، بہت سے فرشتے ایسے بھی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوسرے کسی کام کے لئے مقرر کیا گیا ہے، وہ ان ہی کو انجام دیں گے

وہی ان کی عبادت ہے، تو بہر حال ان کے مزاج ہی میں اطاعت وفرماں برداری ہے، نافرمانی اور معصیت ان کے مزاج میں ہے ہی نہیں، اگر وہ چاہیں تو بھی نہیں کرسکتے، اللہ تعالیٰ نے ان کی سرشت میں اور ان کے نیچر میں نافرمانی رکھی ہی نہیں، یہ ان کا مزاج، نیچر اور فطرت ہے۔

اس کے برخلاف اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو ایسا بنایا کہ اس کے اندر دونوں چیزیں رکھیں ہیں، معصیت بھی رکھی ہے اور اطاعت بھی رکھی ہے، فرماں برداری بھی رکھی ہے اور نافرمانی کا بھی اختیار دیا ہے۔

اختیار صحیح استعمال کرنے پر انعام اور سزا

اب اسی اختیار کے استعمال کے بعد اگر وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت وفرماں برداری کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کے کرنے کے لئے فرمایا ہے ان کو انجام دیتا ہے، جن سے بچنے کا حکم دیا ان سے بچنے کا اہتمام کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور جنت میں بھیجتا ہے، اور اگر کرنے کے کاموں کو نہیں کرتا، بچنے کے کاموں سے نہیں بچتا تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے، جہنم میں بھیجتا ہے، اب اس کو اختیار ہے اگر چہ کرنے والی ذات تو اللہ تعالیٰ ہی کی ہے؛ لیکن آدمی اپنا اختیار استعمال کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے مطابق اس کے اسباب مہیا کردیں گے، اور اسی ارادے اور اختیار کے استعمال کرنے پر اگر اچھی جگہ میں استعمال کیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام اور بُری جگہ میں استعمال کیا تو سزا ملے گی۔

جنت ٹھکانہ ہے

گویا اس کے مزاج میں رکاوٹ بھی ہے اور ساتھ ہی ساتھ نفس کے اندر تقاضہ اور داعیہ ہے، نافرمانی کی خواہشات ہیں جو اُبھر رہی ہیں اور وہ خواہشات اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری سے روکنا چاہتی ہیں لیکن وہ اس کو دباتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے اپنے آپ کو بچاتا ہے، یوں سوچتا ہے کہ کل کو اللہ تعالیٰ کے یہاں جواب دینا ہے ﴿**واما من خاف مقام ربه ونهى النفس عن الهوىٰ فان الجنة هي الماوى**﴾ جو آدمی یہ سوچ کر ڈرا کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا ہے اور جواب دینا ہے، اور اس ڈر سے اپنے نفس کو خواہشات سے روکا تو اس کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں جنت ٹھکانہ ہے۔

حساب وکتاب کے استحضار کی قیمت

گویا یہ استحضار اور تصور کہ مجھے اللہ تبارک وتعالی کے سامنے حاضر ہوکر جواب دینا ہے، دنیا میں جو کچھ کیا ہے اس کی پوچھ ہوگی، حساب کتاب ہوگا تو میں کیا جواب دوں گا؟ یہ سوچ کر اپنے آپ کو گناہوں اور نافرمانیوں سے بچاتا ہے، گویا نافرمانی کے تقاضے موجود ہیں، خواہشات کا تقاضہ موجود ہے، گناہوں کا داعیہ موجود ہے، گناہوں پر اُبھارنے والے جذبات اندر ہیں جو اُبھار بھی رہے ہیں، اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو اس سے بچا کر اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری کرتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں اس کی بڑی قیمت ہے، اور جنت کا وعدہ کیا گیا، فرشتوں کو یہ نہیں کہا گیا کہ تم بھی یہ کرو؛ بلکہ انسان کو کہا گیا کہ یہ کرو۔

جنت کی نعمتوں سے فائدہ انسان ہی کیوں اٹھائے گا؟

اور جنت کی ہر نعمت سے فائدہ بھی انسان ہی اٹھائے گا فرشتے نہیں اٹھا سکتے، اس لئے کہ انسان نے اس کی راہ میں رکاوٹ تھی اس کے باوجود عبادت کی تو اس کی قدر و قیمت بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں بہت زیادہ ہے، جیسے ایک آدمی ہے جس کی آنکھیں بھی ہیں اور کوئی عورت اس کو دعوت نظارہ بھی دے رہی ہے، کوئی رکاوٹ بھی نہیں ہے، نفس کا تقاضہ بھی ہے، اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو یہ سوچ کر روکتا اور بچاتا ہے کہ اگر اس نامحرم عورت کو دیکھوں گا تو اللہ تعالیٰ کے یہاں کیا جواب دوں گا؟ باری تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے ﴿قل للمؤمنين يغضوا من ابصارهم ﴾ نگاہیں نیچی رکھیں، اس لئے مجھے اپنی نگاہیں نیچی رکھنا چاہئیں، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿لعن الله الناظر المنظور اليه ﴾ جو دیکھتا ہے اس پر بھی اللہ کی لعنت اور جس کو دیکھ رہا ہے اس پر بھی اللہ کی لعنت، حضور ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: ﴿مَنْ نَظَرَ إِلٰى مَحَاسِنِ إِمْرَأَةٍ أجنبية عَنْ شَهوَةٍ صُبَّ فِي عَيْنَيهِ الآنُکُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ﴾ (نصب الرایۃ، حظر واباحت، ۲۳۹/۴) جس نے کسی نامحرم عورت کی خوبصورتی اور خوبیوں کی طرف دیکھا، قیامت میں اس کی آنکھوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا، یہ ساری چیزیں سوچ کر وہ اپنے آپ کو روکتا ہے تو واقعۃً اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو بجالانے کی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے اپنے آپ کو بچانے کے لئے کوشش کی، اور اپنے آپ کو مشقت میں ڈال کر مجاہدہ برداشت کر کے تکلیف اٹھا کر اللہ کا حکم پورا کیا، گناہ سے اپنے آپ کو بچایا تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی بڑی قدر ہے۔

کمال کی چیز

لیکن ایک آدمی اندھا ہے جو کہتا ہے کہ میں نے ان آنکھوں سے کبھی کسی نامحرم عورت کو نہیں دیکھا، اور میں نے آج تک ٹی وی کو بھی نہیں دیکھا، تو اس سے کہا جائے گا کہ بھائی! تیرے پاس آنکھیں ہی نہیں اگر تو دیکھنا چاہتا تو بھی نہیں دیکھ سکتا، اگر تو نے نہیں دیکھا تو کون سا کمال کیا؟ جب تیرے اندر دیکھنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے، اب اگر وہ کہے کہ میں نے اپنے آپ کو اس گناہ سے بچایا تو جس گناہ کے کرنے کی صلاحیت استعداد قابلیت ہے اور بچ جاوے تو یہ کمال کی چیز ہے، بقول حکیم اختر صاحب دامت برکاتہم: حضرت جبریل علیہ السلام کی گود میں کسی عورت کو بٹھا دیا جاوے تو ان کو کیا پتہ چلے گا؟ اس لئے کہ ان کے اندر خواہش ہی نہیں، جس کو خواہش ہوتی ہے اس کو پتہ چلتا ہے؛ لہذا جنت کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانا اس پر موقوف ہے۔

روزہ تو ہمارے حق میں عبادت ہے

بھائی! ہم اور آپ بھوکے اور پیاسے رہیں گے تو روزہ ہے، روزہ ہمارے لئے عبادت ہے، فرشتوں کے لئے نہیں؛ اس لئے کہ ہم کو بھوک لگتی ہے، کھانے کا تقاضہ ہماری طبیعت میں رکھا ہے، ہم کو پیاس لگتی ہے پانی پینے کا تقاضہ ہماری طبیعت میں رکھا ہے، ہمارا رجحان اپنی بیوی کی طرف ہوتا ہے اپنی خواہش کو پورا کرنے کا تقاضہ ہماری طبیعت میں ہے، فرشتوں میں کیا ہے؟ لہذا اگر فرشتے بھوکے بھی رہیں، زندگی بھر ایک دانہ بھی نہ کھائیں اور ایک قطرہ بھی پانی نہ پئیں،

کسی عورت کے قریب نہ جائیں تو کیا یہ کوئی کمال کی بات ہے؟ جب ان کی طبیعت میں ان چیزوں کا تقاضہ ہی نہیں رکھا تو ان کے حق میں روزہ روزہ ہے ہی نہیں، اور عبادت بھی نہیں، روزہ تو ہمارے حق میں عبادت ہے۔

عبادت کے اندر قیمت آئی

کہنے کا حاصل یہ ہے کہ آدمی کے اندر اللہ تعالیٰ نے یہ سارے تقاضے رکھے اور ان ہی تقاضوں کو اس نے دبایا، اور گناہوں سے اپنے آپ کو بچایا، اسی طرح ان رکاوٹوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کے حکم کو بجالایا، اور عبادت ادا کی تو اس کی عبادت کے اندر قیمت آئی، اور اس کو جنت ملی، اب جنت کی نعمتوں سے فائدہ بھی انسان ہی اٹھائے گا، حوروں سے اپنی حاجتیں پوری کی جائے گی، سننے کے لئے کچھ عجیب وغریب گانے ہوں گے، دنیا میں تو گانے سننے پر پابندی ہے اور منع ہے؛ لیکن جنت میں تو اللہ تعالیٰ گانا سنوائیں گے۔

بہر حال! جنت کے اندر یہ ساری چیزیں ہیں، اور ان سے فائدہ انسان ہی اٹھا سکتا ہے؛ اس لئے کہ تقاضے انسان کے اندر ہی ہیں، فرشتوں میں نہیں، وہاں فرشتے ہوں گے تب بھی وہاں کی نعمتوں سے فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے؛ اس لئے کہ ہر نعمت سے فائدہ وہی آدمی اٹھا سکتا ہے جس کے اندر اس سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیت ہو۔

صلاحیت کے مطابق لذت

مَیں مثال میں کہا کرتا ہوں کہ ہم اور آپ دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں، پینے کی چیزیں پیتے ہیں، اور اسی دسترخوان پر پلیٹیں بھی رکھی ہوئی ہیں، پیالے

بھی رکھے ہوئے ہیں، پیالوں میں سوپ ہوتا ہے جس کو ہم پیتے ہیں؛ لیکن کیا سوپ کی لذت پیالہ محسوس کرتا ہے؟ حالانکہ وہ اپنے اندر سوپ لئے بیٹھا ہے اس کے باوجود سوپ میٹھا ہے یا کیسا ہے؟ اس کی لذت کا اس کو احساس نہیں کیوں؟ اس لئے کہ لذت محسوس کرنے کی اس میں صلاحیت ہی نہیں ہے، ہر چیز کی لذت وہی حاصل کرسکتا ہے جس کے اندر صلاحیت ہو۔

نابالغ بچہ عورت کی لذت کو کیا جانے؟ اگر وہ مجلس میں بیٹھا ہو اور ساری دنیا عورتوں کی باتیں کررہی ہو تو اس کو کیا پتہ چلے گا؟ اس لئے کہ اس کو محسوس کرنے کی اس میں صلاحیت ہی نہیں ہے، آپ ذرا باریک ایسا لطیفہ - جس کو سمجھنے کے لئے عقل استعمال کرنے کی ضرورت ہو- کسی مجلس میں بیان کریں اور اس مجلس میں گدھا بھی بیٹھا ہو یا کوئی بے وقوف بھی بیٹھا ہو تو ساری دنیا اس لطیفہ کو سن کر ہنسے گی اور لذت محسوس کرے گی لیکن وہ محسوس نہیں کریں گے؛ کیونکہ ان میں اس لذت کو محسوس کرنے کی صلاحیت نہیں۔

خلاصہ یہ کہ ساری نعمتیں ہیں، ہر نعمت سے فائدہ حاصل کرنے اور اس کی لذت کو پانے کے لئے بھی صلاحیت چاہئے، لہذا جس کے اندر جیسی صلاحیت ہوگی اس کی لذت کو اس کے مطابق حاصل کرے گا، تو اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر یہ ساری چیزیں اس لئے رکھیں کہ اس کو آگے جنت ملنے والی ہے، اور جنت کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانا ہے، وہ اسی وقت اٹھا سکے گا جب یہ سب ہو، اگر کچھ نہیں ہوگا تو کیا فائدہ اٹھائے گا؟ بھوک کا تقاضہ نہیں ہوگا تو جنت کے کھانے سے کیا فائدہ حاصل

ہوگا؟ جس کو بھوک ہی نہ لگتی ہو، کھانے کی لذت اس کو محسوس نہیں ہوتی، جنت میں فرشتے ہوں گے اس کے باوجود وہاں کی نعمتوں سے فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے؛ لیکن انسان اٹھائے گا۔

بہرحال! انسان کو اللہ نے ایک خاص قسم کی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے، اور دونوں قسم کے تقاضے رکھے ہیں، اور حکم دیا گیا کہ فلاں فلاں چیز کرنی ہے اور فلاں فلاں چیز نہیں کرنی، حالانکہ جن چیزوں سے منع کیا گیا ایسی بات نہیں کہ وہ نہیں کر سکتے، کرنے کی صلاحیت ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے وہ اپنے آپ کو ان بچنے کی چیزوں سے بچاتا ہے یا نہیں؟ اور اللہ کو راضی کرنے کے لئے کرنے کی چیزوں کو کرتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح اللہ کے ڈر سے کرنے کی چیزوں کو کرتا ہے یا نہیں؟

انگلی دی؛ تو پہنچا پکڑا

بہرحال! انسان کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے عبادت کے لئے پیدا کیا، اور اس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ چوبیس گھنٹے عبادت میں مشغول رہتا، زیادہ سے زیادہ یہ کہ پیشاب، پاخانہ کا تقاضہ ہو تو جانے کی اجازت ہے، بھوک لگے تو کھانے کی اجازت ہے؛ لیکن دکان کھول کر بیٹھو، فیکٹری چلاؤ اور کھیتی باڑی کرو اس کی اجازت نہ دیتے؛ لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ احسان ہے کہ عبادت کے لئے پیدا کیا اس کے باوجود کچھ اوقات عبادت کے لئے مقرر کر کے باقی اوقات اپنی اور گھر والوں کی ضرورتوں میں استعمال کرنے کی اجازت دی کہ تجارت بھی کر سکتے ہو، کھیتی باڑی بھی کر سکتے ہو، فیکٹری

بھی لگا سکتے ہو، دکان بھی کر سکتے ہو، یہ سارے کام کرنے کی اجازت ہے؛ حالانکہ ہماری جان و مال کو اللہ تعالیٰ نے خرید لیا ہے﴿ان اللّٰہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم و اموالھم بأن لھم الجنة﴾اللہ تعالیٰ نے ہمارے جان و مال کی قیمت دے دی ہے، ہماری جان اور ہمارا مال یہ تو اللہ تعالیٰ کے ہو گئے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس کے باوجود وہ ہمارے اختیار میں دیا ہے کہ تم اس کو اپنے کام میں لا سکتے ہو؛ البتہ پانچ وقت کی نمازیں فرض کر دیں کہ اس کو پڑھتے رہو، اور رمضان کے روزے رکھو، اور چند چیزوں کے متعلق ہدایات دیں کہ ان کو کرو، اور بعض چیزوں سے بچو۔

لیکن جب اجازت ملی تو انسان کی عادت ہے کہ انگلی دو تو پہنچا پکڑے؛ لہذا اجازت کا نتیجہ یہ ہوا کہ کاروبار میں ایسے لگے کہ ایک سے دو، دو سے تین، تین سے چار فیکٹریاں لگائیں یہ کرو، وہ کرو، فلاں بھی خریدو، فلاں چیز بھی ہونی چاہئے، ایک کی دو، دو کی تین اور تین کی چار دکانیں لگائیں، اور بس! کاروبار میں ایسا مشغول ہوا کہ ایسا سمجھتا ہے میں اسی لئے آیا ہوں، عبادت کو بھول ہی گیا، اور اگر کسی کو نماز کی توفیق ہوتی ہے تو وہ بھی جب اذان کی آواز سنتا ہے تو گھڑی دیکھتا ہے کہ ابھی تو پندرہ بیس منٹ ہیں اتنی جلدی مسجد میں جا کر کیا کریں گے؟ یہ ہمارا مزاج ہے کہ اتنی جلدی جا کر کریں گے کیا؟ یعنی ہمارے کرنے کا کام تو یہ ہے جس میں ہم مشغول ہیں، اور کچھ کام تو ہمارے کرنے کا ہے ہی نہیں، جماعت کھڑی ہونے میں ابھی پندرہ منٹ کی دیر ہے، وہاں تک تو صرف بیٹھے بیٹھے انتظار ہی کرنا ہے اور

تو کچھ کرنا ہی نہیں ہے، اور جب نماز کا وقت ہوا تو اب نماز کی تیاری میں لگا اور بھاگا دوڑا حواس باختہ آتا ہے اور جلدی جلدی وضو کرتا ہے، اور جب امام صاحب کو دیکھا کہ رکوع میں ہیں تو چھلانگ لگائی اور رکوع میں شامل ہو گیا، اور جیسے تیسے نماز پوری کی اور سلام پھیرنے کے بعد سنت اور وتر پڑھی نہ پڑھی کہ پھر باہر بھاگا، پانچ وقت کی نماز فرض تھی اس کا یہ حال ہے، اور یہ تو پڑھنے والوں کا حال ہے، بعض وہ ہیں جو جماعت سے پڑھتے ہی نہیں، اپنے گھر پر یا فیکٹری کے کمرہ میں یا اپنی دکان پر پڑھ لیتے ہیں، بعض وہ ہیں جنہیں دن بھر وقت ہی نہیں ملتا، شام کو گھر جا کر تین وقت کی نماز ایک ساتھ پڑھتے ہیں، پوچھو کیوں؟ تو کہتے ہیں کہ کاروبار میں موقع نہیں ملتا، یہ تو پڑھنے والوں کا حال ہے، اور جو نہیں پڑھتے ان کا تو ذکر ہی کیا کرنا۔

اجازت کا غلط فائدہ

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تھا عبادت کے لئے، اور کچھ اجازت دی تھی، اس اجازت کا ہم نے غلط فائدہ اٹھایا، اور اب حال یہ ہو گیا کہ مشغولی کے نتیجے میں ہمارے دل ان چیزوں کے ساتھ ایسے لگ گئے کہ ان چیزوں کی محبت ہمارے دلوں میں پیدا ہو گئی، اور ہمارے دلوں پر زنگ چڑھ گیا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق اور نسبت کم ہو گئی، اور دیکھو! بار بار آپ سنتے ہوں گے کہ جب کسی چیز پر آدمی محنت کرتا ہے تو اس کے ساتھ اس کو تعلق اور محبت پیدا ہو جاتی ہے، اسی طرح انسان عبادت کے اندر محنت اور مجاہدہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا ہوگا، اور اگر دکان داری میں لگے گا تو چاہے وہ شریعت کی

حدود میں رہ کر جائز طریقہ سے اور تمام مسائل کا اہتمام کرتے ہوئے دکان داری کرے؛ لیکن وہ بھی اللہ تعالیٰ سے دوری پیدا کرے گی؛ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسری چیز میں مشغول ہے، اللہ تعالیٰ کی عبادت سے اس کا تعلق نہیں ہے۔

مشغولی کے بعد یکسوئی کا حکم

دیکھو! نبی کریم ﷺ کا کام لوگوں کو ایمان کی دعوت دینا تھا لیکن ایمان کی دعوت دینے کے لئے مخلوق کے ساتھ مشغولی تھی۔ دعوت دینے کے لئے لوگوں سے ملاقات کرنا اور ان کے درمیان رہ کر ان سے باتیں کرنا یہ کام تو ہوتا ہی تھا، اس طرح مخلوق کے ساتھ میل جول رہتا تھا تو باری تعالیٰ نے فرمایا: ﴿یـا أیھا المزمل قم اللیل إلا قـلیلا نصفه او انقص منه قلیلا﴾ ﴿فاذا فرغت فانصب والی ربک فـارغب﴾ حضور ﷺ کا کام کاروبار: کھیتی باڑی اور دکان داری تو نہیں تھا، حضور ﷺ تجارت نہیں کرتے تھے، اور نہ ہی حضور ﷺ کی فیکٹریاں تھیں؛ بلکہ حضور ﷺ دن بھر لوگوں کو ایمان کی دعوت دینے کا کام کرتے تھے، اس کے باوجود باری تعالی نے فرمایا: اے نبی! آپ جب اپنی مشغولیتوں سے فارغ ہو جائیں تو اپنے آپ کو اپنے رب کے سامنے کھڑا رکھئے، نمازیں پڑھ کر اور سجدہ میں جا کر اپنے رب کی یاد میں مشغول ہو کر اپنے آپ کو تھکائیے، اور اپنے رب کی طرف توجہ کیجئے۔ حالانکہ حضور ﷺ کے کام خالص دینی کام تھے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے عبادت میں مشغول ہونے کا حکم دیا۔

حضرت مولانا الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ کا معمول

ہمارے حضرت مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ بار بار حضرت مولانا الیاس

صاحب رحمۃ اللہ کا یہ جملہ نقل فرماتے تھے: جب کہیں اجتماع میں جانے کی نوبت آتی ہے تو اجتماع سے فارغ ہوکر رائپور حضرت رائپوری کی خدمت میں حاضری دیتا ہوں، اور اگر اس کا موقع نہ ہو تو اپنی مسجد میں تین دن کا اعتکاف کرتا ہوں؛ تاکہ لوگوں کے ساتھ ملنے کے نتیجہ میں دل پر جو غبار آتا ہے وہ دور ہو جائے، ظاہر ہے کہ حضرت اجتماع میں کوئی دکان لگانے جاتے تھے؟ نہیں! بلکہ خالص دین کی محنت کا جذبہ ہوتا تھا، لوگوں کو دین کی باتیں بتاتے تھے لیکن اس کے باوجود حضرت اللہ کی یاد میں مشغول ہونے کا الگ سے اہتمام کرتے تھے۔

میرے دل پر بھی بادل سے آجاتے ہیں

ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں: ﴿**انی لأستغفر اللّٰہ فی الیوم سبعین مرۃ** ﴾ میں اللہ تعالیٰ سے دن میں ستّر مرتبہ استغفار کرتا ہوں، اور میرے دل پر بھی بادل سے آجاتے ہیں، اس کی شرح میں علماء فرماتے ہیں کہ لوگوں کے ساتھ میل جول کے نتیجہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ تعلق میں جو فرق آتا تھا اسی فرق کو ﴿**لیغان علی قلبی** ﴾ سے تعبیر فرمایا ہے؛ حالانکہ حضور ﷺ کا لوگوں کے ساتھ میل جول اللہ تعالیٰ کے لئے تھا، اور اللہ تعالیٰ ہی کا کام تھا، حضور ﷺ کو اسی لئے بھیجا گیا تھا اس کے باوجود اس محنت میں مخلوق کے ساتھ تعلق رہتا تھا اللہ تعالیٰ کی طرف سے توجہ ہٹ کر دوسری طرف لگی ہوتی تھی۔

جیسے بیوی اگر بچے کے کام میں مشغول ہو تو اگر چہ وہ بچہ میاں بیوی دونوں کا ہے؛ لیکن جب تک وہ بچے کے کام میں لگی رہے گی، شوہر کی طرف متوجہ نہیں

ہوسکتی، تو جس طرح سے بچہ میں مشغولی کے باوجود بیوی شوہر کی طرف متوجہ ہونے کو ضروری سمجھتی ہے اگرچہ وہ بھی شوہر کا ہی کام ہے، ٹھیک اسی طرح سے دینی جدوجہد خالص اللہ تعالیٰ کا کام ہے لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

ایک مہینہ میرے لئے فارغ کرلو

خلاصہ یہ ہے کہ یہ سارے کام شرعی حدود کی رعایت کے ساتھ جائز ہیں لیکن اس کے کرنے کے نتیجہ میں دل پر اثر ہوتا ہے، دل میں میل آتا ہے، دل پر پردے پڑ جاتے ہیں، دل میلا سا ہوجاتا ہے، باری تعالیٰ فرماتے ہیں: کہ بھائی ایک مہینہ میرے لئے فارغ کرلو؛ تاکہ سروس (Service) ہوجائے۔

دل کا میل سمجھ میں نہیں آتا

رمضان میں حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ کے یہاں جب اکابرین میں سے کوئی آتا تھا تو حضرت شیخ دس گیارہ بجے ان کا بیان ضرور رکھواتے تھے؛ حالانکہ حضرت شیخ کی خانقاہ میں مستقل بیان کرنے والے حضرت مولانا عبیداللہ صاحبؒ تھے لیکن جب کوئی بڑا تشریف لاتا تھا تو حضرت ان کا بیان رکھواتے تھے، ایک مرتبہ حضرت مولانا علی میاں صاحب نوراللہ مرقدہ تشریف لائے تو ان کا بیان رکھا، حضرت نے بیان میں فرمایا: کہ یہ رمضان المبارک کا مہینہ بیٹری چارجنگ (Battery Charging) کا مہینہ ہے، بیٹری استعمال کرتے کرتے جب

ڈاؤن (Down) ہوجاتی ہے تو اس ڈاؤن بیٹری کو چارج کر کے استعمال کے قابل بنایا جاتا ہے، دنیا کے معاملہ میں یہ ساری چیزیں ہماری سمجھ میں آتی ہیں؛ لیکن مصیبت یہ ہے کہ دل کا میل سمجھ میں نہیں آتا، اور اس کے دور کرنے کی فکر نہیں ہوتی، کپڑا استعمال کرتے کرتے میلا ہوجاتا ہے، سال بھر اس کو دھوتے ہیں اور پہنتے ہیں، ہر چیز کا یہ حال ہے تو جب دنیوی کاروبار میں لگیں گے تو اس کی وجہ سے دل پر دنیا کا میل آجاتا ہے، اس پر پردے پڑ جاتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے رمضان کا مہینہ خاص طور پر اسی میل کو دور کرنے کے لئے رکھا ہے، اس مہینہ میں آدمی اپنے آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کے لئے فارغ کرلے۔

اپنے کاموں کا نظام بنایئے

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے فضائل رمضان میں لکھا ہے کہ بھائی! ایک مہینہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے فارغ کرلو، خاص طور پر اللہ کی عبادت کے لئے فارغ کرلو، اور جتنا ہوسکے اپنے آپ کو عبادت میں لگانے کی فکر کرو، اس لئے آدمی کو چاہئے کہ وہ اپنے کاموں کا نظام بنائے، اگر کوئی کام ایسا ہو جس کو ایک مہینہ تک مؤخر اور لیٹ کر کے رمضان کے بعد کرسکتے ہوں تو اسے لیٹ کردو، دوسرے کام کم سے کم کردو اور زیادہ سے زیادہ اپنا وقت عبادت کے اندر لگاؤ، اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے اپنے آپ کو فارغ کرلو، باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن هدی للناس وبینٰت من الهدیٰ والفرقان﴾ رمضان کا مہینہ جس میں قرآن پاک اتارا گیا، وہ لوگوں کی ہدایت کے لئے اتارا

گیا، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیت میں رمضان کا خاص اہتمام بتلایا۔

روزہ تو تقویٰ آنے کا راستہ ہے

اور پھر اس مہینہ میں آدمی اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کے لئے مختلف قسم کی عبادتیں کرتا ہے، ان میں بعض عبادتیں وہ بھی ہیں جو خاص اسی مہینہ میں کی جاتی ہیں اور الحمد للہ اہل علم اس کا اہتمام بھی کرتے ہیں۔ ﴿**یا أیھا الذین اٰمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون**﴾ ''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جیسے تم سے اگلی امتوں پر فرض کئے گئے تھے؛ تاکہ تمہارے اندر تقویٰ آجائے''۔ تو روزے فرض ہیں اور اس کا اہتمام بھی کرتے ہیں؛ لیکن روزے کے حقوق کی ادائیگی بھی ہونی چاہئے، روزہ تو تقویٰ آنے کا راستہ ہے، علماء لکھتے ہیں کہ روزے کے نتیجہ میں آدمی کی قوتِ بہیمیہ یعنی حیوانی قوت ٹوٹتی ہے، اور قوتِ بہیمیہ ہی وہ قوت ہے جس کے نتیجہ میں آدمی شہوتوں کو پورا کرنے کے پیچھے پڑتا ہے، جب روزے کے نتیجہ میں وہ ٹوٹے گی تو گناہوں سے بھی بچے گا، اور اس طرح تقویٰ اس کے اندر آئے گا۔

روزہ کی حقیقت

لیکن حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں: روزہ کی حقیقت صبح صادق سے غروب آفتاب تک تین چیزوں سے۔ کھانے، پینے اور اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کرنے سے۔ رکنا ہے؛ حالانکہ کھانا کوئی ناجائز اور حرام نہیں ہے؛ بلکہ

شریعت کی حدود میں رہ کر حلال کمائی کے ذریعہ سے حاصل ہوا ہے لیکن اس کے باوجود اس سے روک دیا گیا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے تو اس کے حکم کی وجہ سے ایک حلال چیز سے اپنے آپ کو روک دیا۔

روزہ کے متعلق حدیث پاک میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿الصَّوْمُ لِيْ وَأَنَا أجزي به﴾ ''روزہ میرے لئے ہے اور میں اس کا بدلہ دوں گا''۔ دوسری عبادتوں کے لئے تو بدلہ متعین ہے کہ کسی کا سات گنا، کسی کا ستر گنا، کسی کا سات سو گنا، لیکن روزہ کا بدلہ متعین نہیں کیا؛ بلکہ یوں فرمایا کہ روزہ میرے لئے ہے اس کا بدلہ میں دوں گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسری عبادتوں کا تو پتہ بھی چلتا ہے لیکن روزہ ایک ایسا عمل ہے کہ آدمی اگر روزہ سے ہو تو دوسروں کو پتہ نہیں چلے گا جب تک کہ روزہ دار خود نہ بتلائے، مثلاً: گھر والوں کو بتلایا کہ سحری کی ہے اس لئے میں کھانا نہیں کھاؤں گا تو پتہ چلے گا ورنہ روزہ معلوم کرنے کی کوئی دوسری علامت نہیں ہے، زکوۃ وصدقہ دوگے تو پتہ چلے گا لیکن روزہ کا پتہ نہیں چلے گا، تو روزہ کی حقیقت کا خلاصہ یہ نکلا کہ آدمی ان تین چیزوں سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے خاطر اپنے آپ کو روکے، اور تقویٰ کی حقیقت بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر اور اللہ تعالیٰ کی ذات کا تصور کرتے ہوئے آدمی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچائے۔

تقویٰ کی پہلی سیڑھی

حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ یہ روزہ تقوی کا ابتدائی

نصاب اور پرائمری کورس ہے، تقوی کی پہلی سیڑھی یہ ہے کہ آدمی روزہ میں اللہ کے لئے حلال چیزوں سے اپنے آپ کو بچاتا ہے، اب سوچیے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے حلال چیزوں سے مَیں نے اپنے آپ کو روکا تو جو چیزیں حرام ہیں اور ہر وقت، چوبیس گھنٹے حرام ہیں بارہ مہینے حرام ہیں ان سے اپنے آپ کو کیوں نہ روکوں؟

روزے میں ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی چاہے وہ کیسا ہی گیا گذرا اور فاسق وفاجر کیوں نہ ہو، اگر گرمی کا زمانہ ہے، پیاس شدت کی لگی ہوئی ہے، روزہ دار اپنے کمرے میں ہے، کمرہ کی کنڈی لگی ہوئی ہے، فریز بھی موجود ہے، اس میں ٹھنڈا پانی بھی موجود ہے، تب بھی کیسا ہی فاسق وفاجر مسلمان کیوں نہ ہو، اگر اس نے روزہ رکھ لیا تو کیا وہ اس بند کمرہ میں پانی پیئے گا؟ ہرگز نہیں پیئے گا، حالانکہ اگر پانی پی لے اور شام کو افطاری کے وقت دستر خوان پر بڑے وَٹ کے ساتھ آستین چڑھا کر بیٹھ جائے، اور روزہ کی دعا ﴿اللّٰهم لک صمت وبک آمنت وعليک توکلت وعلی رزقک افطرت﴾ پڑھ کر کھانا شروع کردے تو کس کو پتہ چلے گا کہ اس نے کھالیا تھا اور پانی پی لیا تھا؛ لیکن کوئی ایسا نہیں کرتا وہ سوچتا ہے کہ مَیں نے روزہ رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے، مَیں روزہ کیسے توڑوں؟

روزہ اسلام لانے کا سبب بنا

ایک صاحب قدرۃ اللہ شہاب نامی گذرے ہیں بڑے .I.C.S آفیسر تھے، انھوں نے اپنی کتاب ''شہاب نامہ'' میں اپنی زندگی کے کچھ حالات لکھے

ہیں، اس میں انہوں نے لکھا ہے: کہ مَیں ایک زمانہ سفیر کی حیثیت سے ڈچ لوگوں کے ملک ہالینڈ گیا، اور وہ لکھتے ہیں کہ ڈچ لوگ اسلام کے معاملہ میں بہت متعصب ہیں، ویسے تو سارا یورپ اس صفت سے متصف ہے کہ اسلام کے نام سے پیٹ میں درد شروع ہو جاتا ہے؛ لیکن ڈچ لوگ اس سے بھی زیادہ متعصب ہیں۔

بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو جیسے بچہ کی پیدائش پر تاریخِ ولادت نوٹ کرانی پڑتی ہے، میونسپلٹی میں جا کر فارم بھرا جاتا ہے، اس میں بچہ کا نام، باپ کا نام اور ماں کا نام نوٹ کرایا جاتا ہے، اسی طرح ان کا مذہب نوٹ کرایا جاتا ہے، تو ڈچ لوگوں کے یہاں جب بچہ پیدا ہوتا ہے اور فارم بھرا جاتا تھا تو مذہب کا خانہ پُر نہیں کیا جاتا؛ بلکہ اس کو خالی رکھا جاتا ہے کہ بچہ جب بڑا ہوگا تو وہ اپنی سمجھ سے جو مذہب اختیار کرے گا وہ اس خانے میں لکھا جائے؛ اس لئے کہ یورپ والے انسانی آزادی کے قائل ہیں، ماں باپ اگر بچہ کا مذہب متعین کر دیں تو مذہب کے معاملہ میں بچہ پر پابندی عائد ہو جائے گی جو ان کے یہاں انسانی آزادی کے خلاف ہے، اس لئے مذہب کا جو خانہ ہوتا ہے اس کو خالی رکھا جاتا ہے اور وہاں یہ لکھا جاتا ہے کہ جب بالغ ہوگا تو وہ اپنی سمجھ سے اسلام کے سوا جو مذہب چاہے گا اختیار کرے گا یعنی اتنے متعصب لوگ ہیں۔

خیر! شہاب صاحب لکھتے ہیں: کہ ایک مرتبہ مَیں وہاں کے قیام کے زمانہ میں ایک باغ میں بیٹھا ہوا تھا، اتنے میں مَیں نے سنا کہ ایک شخص سورۂ رحمٰن کی بہت عمدہ طریقہ سے تلاوت کر رہا ہے، یہ آواز سن کر مَیں گیا تو دیکھا کہ کہ ایک بینچ

کے اوپر ایک ڈچ بیٹھا ہوا قرآن پاک کی تلاوت کر رہا ہے، مَیں اس کے پاس گیا اور سلام کیا اور اس کا نام پوچھا تو اس نے کہا کہ میرا نام عبدالرحمٰن ہے، مَیں نے اسلام قبول کیا ہے، مَیں نے اس سے گفتگو شروع کی، دوران گفتگو اس نے اپنے اسلام قبول کرنے کا واقعہ سنایا، اس نے کہا مَیں ایک اسٹیمر میں منیجر تھا اور ہمارا اسٹیمر شدید گرمی کے زمانہ میں کراچی کی بندرگاہ کے اوپر مال لا د رہا تھا، وہاں حمال اور مزدور اسٹیمر پر مال لا د رہے تھے شدید گرمی کے سبب مزدور پسینے میں شرابور ہو رہے تھے، اس لئے انہیں پانی دیا گیا تو انہوں نے نہیں پیا، مَیں نے ان سے پوچھا تم پانی کیوں نہیں پیتے؟ تو انہوں نے کہا ہمارا روزہ ہے اس لئے ہم پانی نہیں پئیں گے، مَیں نے دیکھا کہ ان میں ایک بوڑھا شخص بھی ہے اور اس کی حالت تو بہت ہی زیادہ قابل رحم تھی، مَیں اس کو اپنی کیبن (cabin) میں لے گیا اور کیبن کا دروازہ بند کیا اور اس بوڑھے کو بٹھایا اور اپنے ریفریجر اور فریز میں سے جوس (Juice) کا ایک گلاس نکالا اور اس بوڑھے کے سامنے پیش کیا، اور اس کو اشارہ کیا (کیوں کہ زبان تو مَیں جانتا نہیں تھا) کہ دیکھو دروازہ بند ہے اور تمہیں کوئی دیکھ نہیں رہا ہے یہ جوس پی لو؛ لیکن اس نے انکار کر دیا اور منہ موڑ لیا، مَیں نے اسے بہت سمجھایا لیکن وہ نہیں مانا، اس نے اپنا منہ میری طرف پھیرا ہی نہیں اور نہیں پیا، مَیں نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑے پھر بھی اس نے نہیں پیا تو مجھے بڑا تعجب ہوا اور مَیں سوچنے لگا کہ کوئی اور قوت ایسی ہے جو اسے روک رہی ہے، بس! یہی واقعہ میرے اسلام لانے کا سبب بنا۔

تو حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی مسلمان - چاہے وہ کیسا ہی گیا گذرا ہو - جب ایک مرتبہ روزہ کی نیت کرلے گا تو پھر وہ پانی نہیں پیئے گا؛ بلکہ پینے کا تو سوچے گا بھی نہیں، وہ سوچے گا کہ چاہے کوئی نہیں دیکھ رہا ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ تو دیکھ رہا ہے، اب میں کیسے پیئوں؟ بس! یہی جذبہ کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں اس تصور سے کھانا پانی وغیرہ جو دوسرے اوقات میں آپ کے لئے حلال ہیں روزہ کی وجہ سے ایک خاص وقت تک وہ سب ممنوع ہیں، یہی عبادت ہے۔

عبادت کی حقیقت

عبادت کی حقیقت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کہے کہ کرو تو کرنا، اور منع کرے تو نہ کرنا یہی عبادت ہے، وہ کہے کہ کھاؤ تو کھانا، اور کہے کہ مت کھاؤ تو نہ کھانا عبادت ہے، اللہ تعالیٰ کے حکم پر چلنا اسی کا نام عبادت ہے، عبادتوں کی جتنی صورتیں بتائی گئی ہیں وہ عبادت تھوڑے ہی ہیں۔

دیکھو! نماز جیسی نماز لیکن سورج طلوع ہورہا ہو، سورج سر پر ہو یا سورج غروب ہورہا ہو تو نماز پڑھنے سے منع کردیا گیا، گویا بتلایا جارہا ہے کہ نماز کے اندر عبادت اور بندگی کا جو معنیٰ آیا ہے وہ اللہ کا حکم اور شریعت کا حکم ہونے کی وجہ سے آیا ہے لہٰذا شریعت کہے کہ کرو تو کرنا عبادت ہے، اور منع کرے تو نہیں کرنا عبادت ہے۔

بدعت کو بدعت اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ شریعت کے بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق نہیں ہے، حالانکہ بدعت کے بہت سارے کام عبادت کی صورتوں پر ہوتے ہیں، اس کے باوجود اس کو عبادت نہیں کہا جاتا اس لئے کہ وہ شریعت کا حکم نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایک وقت وہ ہے کہ غروب آفتاب سے ایک منٹ پہلے ایک قطرہ پانی حلق سے نیچے اتر گیا تو روزہ ٹوٹ گیا اور آپ مجرم ہو گئے، آپ نے حرام کام کا ارتکاب کرلیا، اس کا کفارہ ادا کرنا ہوگا، ساٹھ روزے مسلسل رکھنے پڑیں گے، اور غروب آفتاب کے بعد ایک منٹ لیٹ نہیں کر سکتے؛ اس لئے کہ غروب کے بعد افطار میں تاخیر کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

اسی طرح روزے ایک معین تعداد کے ساتھ فرض کئے گئے اس میں کمی زیادتی نہیں کی جاسکتی، اگلی امتوں پر روزہ کی ایک مقدار مقرر کردی گئی تھی کہ دس دن کے روزے مقرر کئے گئے تھے تو انہوں نے اس میں کچھ روزے آگے بڑھا دیئے کچھ پیچھے بڑھا دیئے؛ حالانکہ اس سے منع کیا گیا تھا، اسی لئے رمضان سے ایک دو روز پہلے روزہ رکھنے سے منع کیا گیا، عید کے دن روزہ رکھنے سے منع کیا گیا، ان ساری باتوں کا حاصل اور خلاصہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کوئی کام کرنے کو کہے تو کرو اور منع کرے تو رُک جاؤ، کھانے کے لئے کہے تو کھاؤ، اس وقت نہیں کھاؤ گے تو گنہگار ہوگے، اور منع کرے تو رُک جاؤ، اب اگر کھاؤ گے تو مجرم قرار دیئے جاؤ گے۔

روزہ نہ لگنے کا علاج

خلاصہ یہ ہے کہ آدمی جب صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک اپنے آپ کو ان چیزوں سے روکتا ہے جو حلال ہے تو سوچو کہ جو حرام کام ہیں جیسے نامحرم کو دیکھنا، بدنگاہی، ٹی وی دیکھنا، غیبت کرنا، گالی گلوچ کرنا، جھگڑا کرنا، غصہ کرنا اور

گناہ کے دوسرے سبھی کام جو اور دنوں میں حرام ہیں، اور چوبیس گھنٹے حرام ہیں، روزہ کی حالت میں کیسے کئے جائیں گے اور کیسے حلال ہو جائیں گے؟ لیکن یہاں تو معاملہ یہ ہے کہ روزہ میں ٹائم پاس نہیں ہوتا؛ لہذا وقت گذارنے اور ٹائم پاس کرنے کے لئے گناہ کے کام کئے جاتے ہیں، مثلاً: ٹی وی دیکھنے بیٹھ جاتے ہیں، گناہوں کے ذریعہ ٹائم پاس اسی لئے کیا جاتا ہے تاکہ روزہ نہ لگے؛ لیکن یہ نظریہ غلط ہے؛ بلکہ گناہوں کی وجہ سے روزہ اور زیادہ لگے گا۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے فضائل رمضان میں لکھا ہے کہ آدمی گناہ کا کام کرتا ہے تو روزہ لگتا ہے، ایک واقعہ لکھا ہے: کہ دو عورتیں تھیں انہیں بہت زیادہ روزہ لگا، انہوں کسی کی غیبت کی تھی، حضور ﷺ نے فرمایا: انہوں نے مردہ بھائی کا گوشت کھایا ہے، ان کو قے کراؤ، جب قے کرائی گئی تو گوشت کے ٹکڑے نکلے، نبی کریم ﷺ کی برکت سے ایک معنوی چیز نے حقیقت کی صورت اختیار کر لی اور ان کو نظر بھی آ گئی، حالانکہ ان عورتوں کو روزہ اتنا لگا تھا کہ بھوک کی وجہ سے نڈھال ہو گئی تھیں، اسی واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے حضرت شیخ نے لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ روزہ کی حالت میں گناہوں کے کام کرتے ہیں انہیں روزہ زیادہ لگتا ہے، اور جو لوگ روزہ کی حالت میں عبادت کرتے ہیں: نماز پڑھتے ہیں، تلاوت کرتے ہیں، ذکر کرتے ہیں اور گناہ نہیں کرتے؛ انہیں روزہ کا پتہ نہیں چلتا چاہے سخت گرمی کے دن ہوں تو بھی انہیں روزہ پتہ نہیں چلتا، یہ تو انہیں لوگوں کو پتہ چلتا ہے جو گناہوں کے کام کرتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ روزہ لگنے سے بچنے کے

لئے نیکی کے کام کرنے چاہئیں اور گناہوں سے بچنا چاہئے؛ چہ جائیکہ کہ اس کو وقت گذاری کا ذریعہ بنالیا جائے۔

اسی کا نام تو تقویٰ ہے

خلاصہ یہ ہے کہ جب حلال چیزوں سے اپنے آپ کو بچایا تو حرام چیزوں سے تو بطریقِ اولیٰ بچنا چاہئے، اسی کا نام تو تقویٰ ہے، یہ کیفیت پیدا ہوجانی چاہئے، یہ سوچ کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے اور اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لئے جب حلال چیزوں سے اپنے آپ کو بچایا تو حرام چیزوں سے تو بطریقِ اولیٰ بچانا چاہئے، یہی استعداد اگر چوبیس گھنٹے کے لئے اور بارہ مہینے کے لئے پیدا ہوجائے تو تقویٰ حاصل ہوجائے گا، تقویٰ کی حقیقت اور خلاصہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرکر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچایا جائے۔

بدپرہیزی سے بچو

بہرحال! رمضان میں ایک تو روزہ ہے، اور روزہ کے اندر بھی آدمی اپنے اعضاء کو گناہوں سے بچانے کا اہتمام کرے، روزہ کا فائدہ اسی وقت ہوگا جب آدمی اپنے آپ کو گناہوں سے بچائے، اس لئے روزہ کی حالت میں جو لوگ گناہوں میں مبتلا رہتے ہیں انہیں تقویٰ حاصل نہیں ہوتا، جیسے: دوا کے ساتھ بدپرہیزی کرے، دوا بھی کھا رہے ہیں اور بدپرہیزی بھی کررہے ہیں تو اس صورت میں دوا سے کیا فائدہ ہوگا؟ بھائی! دوا سے فائدہ اسی وقت ہوگا کہ جس چیز

سے بچنا چاہئے اس سے آدمی بچے، آپ نے ایر کنڈیشنر (Air-Canditioner) چلایا، ایر کنڈیشنر کی خاصیت کمرہ کو ٹھنڈا کرنا ہے؛ لیکن آپ نے دروازہ اور کھڑکیاں کھلی رکھی ہیں، اب اگر آپ کہو کہ ایر کنڈیشنر چل رہا ہے اور ٹھنڈک نہیں ہورہی ہے تو لوگ کیا کہیں گے؟ یہی کہ جو دروازہ اور کھڑکیاں کھلی رکھی ہیں انہیں بند کرو، ایک دروازہ یا ایک کھڑکی بھی کھلی رہ گئی تو کمرہ جیسا ٹھنڈا ہونا چاہئے ویسا ٹھنڈا نہیں ہوگا، ایسے ہی روزہ کا ایر کنڈیشنر لگالیں اور گناہوں اور نافرمانیوں کے دروازے اور کھڑکیاں کھول دیں تو تقویٰ کیسے حاصل ہوگا؟ تقویٰ نہیں آئے گا، تقویٰ حاصل کرنا ہے تو بد پرہیزی سے بچو، گناہوں سے بچو، تو تمہارا کام چلے گا اور تقویٰ آئے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں رمضان المبارک کی صحیح قدر دانی نصیب فرمائے اور اس کو حصولِ تقویٰ کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

دعاء

سبحانک اللّٰھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا إلـه غيـرک. لا إله إلا اللّٰه الأحد الصمد الذی لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفوا أحد. لا إله إلا اللّٰه الحنان المنان، بديع السمٰوٰت والأرض، ذو الجلال والإكرام. اللّٰهم لک الحمد كله، ولک الشكر كله، ولک الملک كله، وإليک يرجع الأمر كله. اللّٰهم لا أحصى ثناء عليک أنت كما اثنيت على نفسک. اللّٰهم صل

علـى سيـدنـا ومـولانا محمد وعلى آل سيدنا ومولانا محمد كما صـليـت عـلى ابراهيم وعلى آل ابراهيم إنک حميد مجيد. اللّٰهم بـارک عـلى سيدنا ومولانا محمد وعلى آل سيدنا ومولانا محمد كـمـا بـاركـت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم إنک حميد مجيد. اللّٰهم صل على سيدنا ومولانا محمد وعلى آل سيدنا ومولانا محمد صـلوة تنجينا بها من جميع الأهوال والآفات، وتقضى لنا بها جميع الـحـاجـات، وتـطهرنا بها من جميع السيئات، وترفعنا بها عندک اعـلـى الدرجات، وتبلغنا بها اقصى الغايات من جميع الخيرات فى الحيوة وبعد الممات، إنک على كل شيء قدير.

ربـنـا ظـلـمـنـا انـفسنا وإن لم تغفر لنا وترحمنا لنكونن من الـخٰسـريـن. ربـنـا اٰتـنـا فـى الدنيا حسنة، وفى الآخرة حسنة، وقنا عذاب النار، وقنا عذاب القبر، وقنا عذاب الحشر، وقنا عذاب يوم القيٰمة. ربنا اغفرلنا ولإخواننا الذين سبقونا بالايمان، ولا تجعل فى قـلـوبـنـا غـلا لـلذين اٰمنوا، ربنا إنک رء وف رحيم. اللّٰهم اغفرلنا ذنـوبنا كلها: دقها وجلها، سرها وعلانيتها، ظاهرها وباطنها. اللّٰهم ارحـمـنـا بترک المعاصى ابدا ما ابقيتنا. اللّٰهم حبب إلينا الايمان، وزيـنـه فـى قـلـوبـنـا، وكره إلينا الكفر والفسوق والعصيان. اللّٰهم اجعلنا من الراشدين. يا مقلب القلوب ثبت قلوبنا على دينک، ويا

مصرف القلوب صرف قلوبنا على طاعتك. اللّٰهم أغننا بالعلم، وزينا بالحلم، واكرمنا بالتقوىٰ، وجملنا بالعافية. اللّٰهم اعط نفوسنا تقويٰها، وزكها أنت خير من زكٰها، أنت وليها ومولاها. اللّٰهم إنك عفو تحب العفو، فاعف عنا. اللّٰهم إنا نسئلك من الخير كله: عاجله واٰجله، ما علمنا منه وما لم نعلم، ونعو بك من الشر كله: عاجله واٰجله، وماعلمنا منه ومالم نعلم. اللّٰهم إنا نسئلك الجنة وما قرب إليها من قول وعمل، ونعوذ بك من النار وما قرب إليها من قول وعمل. اللّٰهم أحسن عاقبتنا فى الأمور كلها، وأجرنا من خزى الدنيا وعذاب الآخرة. اللّٰهم جنبنا الفواحش ما ظهر منها وما بطن. اللّٰهم لا سهل إلا ماجعلته سهلا، وأنت تجعل الحزن سهلا إذا شئت. اللّٰهم اغفر لأمة سيدنا محمد ﷺ. اللّٰهم ارحم أمة سيدنا محمد ﷺ. اللّٰهم تجاوز عن أمة سيدنا محمدﷺ.

اے اللہ! تو ہمارے گناہوں کو معاف فرما، ہم گنہگار ہیں، خطا کار ہیں، قصوروار ہیں، ہم نے گناہوں کے ذریعے اپنی جانوں پر ظلم کیا، اگر تو نے ہماری مغفرت نہیں فرمائی اور ہم پر رحم نہیں کیا تو ہم بڑے خسارے اور نقصان میں رہیں گے، اے اللہ! تو نے نیکی کے جن کاموں کے کرنے کا ہمیں حکم دیا ہم ان کو بجا نہیں لائے، تو نے گناہوں کے جن کاموں سے ہمیں منع فرمایا ہم ان سے نہیں رکے،

اے اللہ! تیری نعمتوں کا استعمال کر کے ان کا شکر ادا کرنے کے بجائے ان کے ذریعہ تیری نافرمانیاں کرتے رہے، تیرے دیے ہوئے قویٰ اور اعضاء سے تیرا مقابلہ کرتے رہے، اے اللہ! ہمارے اس عظیم جرم کو معاف فرما، اے اللہ! ہم گناہوں کے عادی بن چکے ہیں، عافیت کے ساتھ گناہوں کی یہ عادتیں ہم سے چھڑا دے، اے اللہ! تو ہماری مغفرت فرما، ہمارے ماں باپ کی مغفرت فرما، ہمارے اہل وعیال کی مغفرت فرما، ہمارے بھائیوں اور بہنوں کی مغفرت فرما، ہمارے اعزہ اور اقارب، ہمارے اساتذہ ومشائخ، ہمارے دوست واحباب کی مغفرت فرما، ہمارے محسنین اور متعلقین کی مغفرت فرما، ہم کو جنہوں نے دعاؤں کے لئے کہا ہے یا جو ہم سے دعاؤں کی امید رکھتے ہیں یا جو ہم سے محبت رکھتے ہیں ان کی مغفرت فرما، اے اللہ! ہمارے محلے والوں اور بستی والوں کی مغفرت فرما، تمام مومنین اور مومنات، تمام مسلمین اور مسلمات کی مغفرت فرما، اے اللہ! تو پوری امتِ محمدیہ کی مغفرت فرما، اے اللہ! تو ہمارے چھوٹے وبڑے، ظاہر وپوشیدہ، اگلے اور پچھلے، جو جان بوجھ کر کئے اور جو بھول کر سے ہو گئے تمام گناہوں کو معاف فرما، اے اللہ! ان گناہوں کی سیاہی اور گندگی سے ہمارے دلوں کو پاک اور صاف فرما، اے اللہ! گناہوں کی نفرت اور نیکیوں کی رغبت ہمارے دلوں میں بٹھا دے۔

اے اللہ! نفس اور شیطان کی شرارتوں اور ہماری بداعمالیوں سے ہماری حفاظت فرما، اے اللہ! حضور اکرم ﷺ کے طریقوں کی محبت اور غیروں کے طریقوں کی نفرت ہمارے دلوں میں بٹھا دے، اے اللہ! تو ہمیں اپنی زندگی کے

ہر شعبے میں حضور ﷺ کی سنتوں اور طریقوں کو جاری کرنے کی توفیق عطا فرما، اے اللہ! تو ہماری زندگیوں کو سنت کے انوار سے منور فرما، اے اللہ! تو ہم کو ہمارے اہل وعیال کو اور پوری امتِ محمدیہ کو سو فیصد نمازی بنادے، جماعت کے ساتھ نمازوں کا اہتمام ہمیں نصیب فرما، اے اللہ! تو ہمیں دنیا سے اس حال میں اٹھا کہ ہمارے دل ایمان کے نور سے منور ہوں، ہماری زبانوں پر کلمۂ طیبہ جاری ہو، آپ ہم سے راضی ہوں، آپ کے اور آپ کے بندوں کے حقوق میں سے کوئی حق واجب الاداء ہم پر باقی نہ رہ گیا ہو۔

اے اللہ! موت کی سختیوں میں تو ہماری مدد فرما، اے اللہ! قبر کے عذاب سے ہماری حفاظت فرما، قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے، وہ اگر آسان ہوگئی تو بعد کی منزلیں بھی آسان ہیں، اے اللہ! قبر کی منزل کو ہمارے لئے آسان فرما، قبر کو ہمارے لئے جنت کے باغات میں سے ایک باغیچہ بنادے، اس کو نور سے بھر دے، اس کو کشادہ بنادے، اے اللہ! جو بداعمالیاں قبر کے عذاب کا سبب بنتی ہیں، ان سے ہماری حفاظت فرما، اے اللہ! ہمارے مرحومین اور رشتہ دار جو دنیا سے جاچکے ہیں ان کی مغفرت فرما، ان کو اپنی رحمتوں اور مغفرتوں سے ڈھانپ لے، ان کی قبروں کو نور سے بھر دے، عذابِ قبر اور عذابِ جہنم سے ان کی حفاظت فرما، اے اللہ! محشر کی ہولناکیوں سے ہماری حفاظت فرما، اے اللہ! اس دن کی رسوائی سے تو ہمیں بچالے، اس دن اپنے عرشِ عظیم کا سایہ نصیب فرما، اپنے حبیب پاک ﷺ کو ہمارے حق میں شفاعت کی اجازت مرحمت فرما، حضور ﷺ کے مبارک

ہاتھوں سے حوض کوثر کا مبارک جام نصیب فرما، ہمارے نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں عطا فرما، نیکیوں کے پلڑے کو جھکا دے، پل صراط پر سے عافیت اور سلامتی سے پار فرمادے، جہنم اور اس کے عذاب سے پوری پوری حفاظت فرما کر جنت میں دخولِ اولین نصیب فرما۔

اے اللہ! تو نیکیوں اور بھلائیوں کو عام فرما، بدیوں اور برائیوں کو ختم فرما، اے اللہ! تو ہماری عبادات کو درست فرما، عقائد کو درست فرما، معاملات اور معاشرت کو درست فرما، ہمیں اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ حمیدہ کے اوپر مداومت اور پابندی نصیب فرما، ہمارے گھروں کا ماحول درست فرما، جتنے گناہ، برائیاں، رسم ورواج اور بدعتیں گھر کر گئی ہیں ان کو عافیت کے ساتھ دور فرما، ہماری عورتوں کی اصلاح فرما، ہمارے مردوں کی اسلاح فرما، ہمارے نو جوانوں کو پورے پورا دین پر لگا دے، ان کی قوتوں اور صلاحیتوں کو دین کی خدمت اور سربلندی کے لئے قبول فرما، اے اللہ! ہمیں آپسی حقوق کی ادائیگی کی توفیق اور ہمت عطا فرما، آپس میں محبت اور جوڑ پیدا فرما، آپس کی حق تلفیوں سے ہماری حفاظت فرما، اے اللہ! آپس کی دشمناوٹوں اور نفرتوں کو ختم کر کے محبت اور الفت پیدا فرما، اے اللہ! تمام مسلمانوں کو ایک اور نیک بنا، اے اللہ! حضور ﷺ کا امتی دنیا میں جہاں کہیں بھی رہتا ہو، اس کے ایمان واسلام کی، جان مال اور اہل وعیال کی، اس کی تجارت، زراعت، کاروبار اور ہر چیز کی حفاظت فرما، اسلام اور اہل اسلام کی سربلندی کی صورتیں پیدا فرما، دنیا میں جہاں کہیں بھی مسلمانوں پر ظلم توڑے جارہے ہیں، وہاں

مسلمانوں کی بھرپور مدد فرما، مظلوم کی حمایت فرما، ظالم کے ہاتھوں کو ظلم سے روک دے، دنیا میں امن وامان قائم فرما، ظلم وزیادتی کو ختم فرما، ایمان اور ہدایت کی ہوائیں چلادے، تمام انسانوں کو ہدایت سے نوازدے، غیر مسلموں کو ایمان اور اسلام سے قریب فرما، ان تک ایمان واسلام کی صحیح دعوت پہونچانے کی ہمیں توفیق عطا فرما، اس کو اپنا مقصدِ زندگی بنانے کی ہمیں توفیق عطا فرما، اے اللہ! تمام مدارس عربیہ، مکاتبِ قرآنیہ، مراکزِ دینیہ وتبلیغیہ کی حفاظت فرما، ان کے کام کرنے والوں کی حفاظت فرما، ان کو ہمت اور حوصلہ عطا فرما، اخلاص اور استقامت عطا فرما، ہرقسم کے شروراور فتنوں سے ان کی حفاظت فرما، تمام مساجد کی حفاظت فرما، مقابر کی حفاظت فرما، خانقاہوں کی حفاظت فرما، دین اور دین کے تمام شعائر کی حفاظت فرما، حرمین شریفین کی حفاظت فرما، اسلام دشمن طاقتوں کی طرف سے شعائرِ اسلام کی پامالی کے لئے جتنی سازشیں اور تدبیریں کی جارہی ہیں ان کو ناکام فرما، اے اللہ! احیائے اسلام کے لئے جو کوششیں کی جارہی ہیں ان کو کامیاب بنا، ان میں قوت پیدا فرما، ان کوشش کرنے والوں کی حفاظت فرما، ان کو مخلص ساتھی عطا فرما، منافقوں سے ان کی حفاظت فرما۔

اے اللہ! رمضان کا یہ مبارک مہینہ آپ نے محض اپنے فضل سے ہمیں عطا فرمایا، اے اللہ! تو ہی اس کی صحیح قدردانی کی ہمیں توفیق عطا فرما، اے اللہ! اس ماہِ مبارک کے ایک ایک لمحہ اور ایک ایک گھڑی کی وصولیابی کی ہمیں توفیق عطا فرما، اے اللہ! اس مہینہ کو نبی کریم ﷺ نے جس طرح وصول فرمایا اور آپ ﷺ نے اس کو

وصول کرنے کا جو طریقہ ہمیں بتلایا، اے اللہ اس طریقہ کے مطابق ہمیں اس مہینہ کو وصول کرنے کی توفیق عطا فرما، اے اللہ! صحابہ اور تابعین اور تیرے مقبول اور نیک بندوں نے جس طرح اس مبارک مہینہ کو وصول کیا اس طرح وصول کرنے کی ہمیں توفیق عطا فرما، اے اللہ! تو ہمیں روزوں اور تراویح اور تلاوت اور ذکر وتسبیح اور نوافل اور دعاؤں کا حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرما، اے اللہ! ان اعمال کو پوری رغبت اور ہمت اور شوق سے انجام دینے کی ہمیں توفیق عطا فرما، اے اللہ! رمضان کی حقیقی برکتوں اور رحمتوں سے ہمیں خوب خوب حصہ عطا فرما۔ اے اللہ! تو ہمیں لیلۃ القدر عطا فرما، لیلۃ القدر کی دعائیں، تلاوت، ذکر، نماز، عبادت عطا فرما، اے اللہ اس کو ہماری غفلت کی نذر ہو جانے سے بچا، اے اللہ! تو اس ماہ مبارک میں ہر قسم کے گناہ نافرمانی اور غفلت سے ہماری حفاظت فرما۔

(پہلا عشرہ ختم ہونے کے قریب ہو تب یہ کہیں)

اے اللہ! ماہ مبارک کا رحمت کا عشرہ ختم ہونے والا ہے، ہم نے اس میں کوئی عمل ایسا نہیں کیا جو ہمیں تیری رحمت کا حقدار بنانے والا ہو، اے اللہ! اپنے ان بندوں کے طفیل جنہوں نے اپنے اعمال سے تجھے راضی کیا ہمیں بھی نواز دے، اے اللہ! تو جن پر اپنی رحمت برسائے ہمیں بھی ان کے ساتھ شامل فرمالے، اے اللہ! تو ہمیں محروم نہ فرما، اے اللہ تو بلا استحقاق ہمیں عطا فرما۔

(دوسرا عشرہ ختم ہونے کے قریب ہو تب یہ کہیں)

اے اللہ! ماہ مبارک کا مغفرت کا یہ عشرہ ختم ہونے والا ہے ہم نے اس

میں کوئی عمل ایسا نہیں کیا جو ہمیں تیری مغفرت کا حقدار بنا تا ہو، اے اللہ! تو محض اپنے فضل سے ہمیں اپنی مغفرت سے نواز، اے اللہ! تو ہماری، ہمارے اہل وعیال، تمام متعلقین، پوری امت محمدی کی مغفرت فرما۔

(آخری عشرہ میں یہ بڑھادیں)

اے اللہ! اس عشرہ میں آپ بے شمار مخلوق کو جہنم سے خلاصی عطا فرمائیں گے، اے اللہ! ہمیں بھی ان میں شامل فرما، اے اللہ! یہ جہنم سے آزادی کا عشرہ ہے، ہمارے لئے اور پوری امت کے لئے جہنم سے آزادی کا فیصلہ فرما، اے اللہ! ہم نے اپنے گناہوں سے اپنے آپ کو جہنم کا حق دار بنا دیا ہے، اے اللہ! تو محض اپنے فضل سے ہمیں جہنم سے نجات عطا فرما، الٰہی ہم میں جہنم کا عذاب سہنے کی بالکل طاقت نہیں ہے، اگر تو نے جہنم میں ڈال دیا تو کوئی بچانے والا نہیں، اے اللہ! ماہ مبارک کے اس عشرہ کے صدقہ تو ہمیں جہنم سے آزاد فرما۔

(آخری دنوں میں یہ کہیں)

اے اللہ! رمضان کا یہ مبارک مہینہ ختم ہونے والا ہے، ہم نے اس کی جیسی قدر دانی کرنی چاہئے تھی نہیں کی، اس کو جس طرح وصول کرنا چاہئے تھا نہیں کیا، اے اللہ! تو ہمارے اس جرم عظیم کو معاف فرما، اے اللہ! تیری توفیق اور عنایت سے جتنے بھی ٹوٹے پھوٹے اعمال ہم نے کئے تو ان کو محض اپنے فضل سے قبول فرما، اے اللہ! ہم گنہگار ہیں، ناقص ہیں، جیسے ہم ناقص ہیں ہمارے یہ اعمال بھی ناقص ہیں، اے اللہ! تو تو نکتہ نواز ہے، جب تو اپنے مقبول بندوں کو ان کے نیک اعمال کا

بدلہ دے گا ان کے صدقہ ہمیں بھی نواز دے، ہمیں محروم نہ فرما، اے اللہ! اس ماہ مبارک کو ہمارے لئے تقویٰ حاصل ہونے کا ذریعہ بنا، اس کے ذریعہ ہماری زندگیوں میں خوش گوار تبدیلی پیدا فرما، ہمیں گناہوں سے نیکیوں کی طرف، معاصی سے طاعت کی طرف لے جا، نافرمانی والی زندگی سے نکال کر فرماں برداری والی زندگی میں لے چل۔

اے اللہ! تو ہماری اولاد کو نیک، صالح اور فرماں بردار بنا، ان کو ہماری آنکھوں کا نور اور دل کا سرور بنا، اے اللہ! اولاد کی تربیت کے سلسلے میں ہماری جو ذمہ داریاں ہیں ان کو انجام دینے کی ہمیں توفیق عطا فرما، ان کو عقائدِ حقہ، علومِ نافعہ، اعمالِ صالحہ، اخلاقِ حمیدہ سے مالا مال فرما، ان کو تمام گناہوں سے، برے اخلاق اور عادات سے، برے اقوال سے، بری صحبتوں سے بچائے رکھ، اے اللہ! تو اپنی شانِ ربوبیت سے ان کی تربیت فرما، اے اللہ! ہمارے ماں، باپ اور اساتذہ ومشائخ اور ہمارے مربیوں نے ہماری تعلیم وتربیت میں جو تکلیفیں اٹھائیں اس کا بہترین بدلہ ان کو عطا فرما، ان کے درجات بلند فرما، ان میں جو موجود ہیں ان کی صحت، قوت، عافیت میں برکت عطا فرما، جو وفات پا چکے ہیں ان کی مغفرت فرما، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرما۔

اے اللہ! آپ حضور سرور کائنات ﷺ کو ہماری اور پوری امت کی طرف سے بہترین وہ بدلہ عطا فرمائیے جو آپ رسول کو اپنی امت کی طرف سے عطا فرماتے ہیں، آپ ﷺ کے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم خصوصاً خلفاءِ راشدین، محدثین، ائمہ

مجتہدین، مفسرین، بزرگانِ دین، تمام اسلاف کرام کو ہماری طرف سے بہترین بدلہ عطا فرما، اے اللہ! جس طرح انہوں نے دین کے لئے قربانیاں دیں اور ہم تک دین پہنچایا، ہمیں بھی دین کے لئے قربانیاں دے کر اگلی نسلوں تک دین کو آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرما، اے اللہ! ہم پر دینی، دنیوی، معاشرتی حیثیت سے جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان تمام کو پورے پورا ادا کرنے کی توفیق عطا فرما، اے اللہ! ہمیں اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں ہر طرح کی کوتاہی اور خیانت سے محفوظ رکھ، اور پوری امانت ودیانت کے ساتھ ان کو ادا کرنے کی توفیق عطا فرما، اے اللہ! دنیا کی، مال کی، جاہ کی محبت عافیت کے ساتھ ہمارے دلوں سے نکال دے، آخرت کا فکر عطا فرما، اس کی تیاری کی توفیق عطا فرما، اے اللہ! ہماری روزی، روزگار میں برکت عطا فرما، ہماری تمام ضرورتوں کی اپنے خزانۂ غیب سے کفالت فرما، ہمیں کسی کا محتاج اور دست نگر نہ بنا، ہمیں حلال اور وسیع روزی عطا فرما، ہماری تمام معاشی مشکلات کو دور فرما، اے اللہ! حرام سے ہماری مکمل حفاظت فرما، اے اللہ! تو آسمان سے برسنے والی بارش کی طرح ہمیں روزی عطا فرما، ہمارے تاجروں کی تجارت میں، صنعت کاروں کی صنعت میں، کسانوں کی زراعت میں، ملازمت پیشہ لوگوں کی ملازمت میں برکت عطا فرما، روزی کے معاملہ میں جو پریشانی کا شکار ہیں ان کی پریشانی کو دور فرما، اے اللہ! ہمارے مقروضوں کے قرضوں کی ادائیگی کا اپنے خزانۂ غیب سے سامان پیدا فرما، ہمارے بیماروں کو صحتِ کاملہ، مستمرہ عطا فرما، پریشان حالوں کی پریشانی دور فرما، اے اللہ!

جن کی اولاد نکاح کی عمر کو پہنچ چکی ہیں ان کو صالح جوڑ نصیب فرما کر عافیت کے ساتھ ان کے نکاح کا سامان مہیا فرما، اے اللہ! جو حضرات مالی تنگی کی وجہ سے اپنا یا اولاد کا نکاح کرانے سے قاصر ہیں ان کی مشکل دور فرما، جن کے نکاح ہو چکے ہیں لیکن نکاح والی زندگی کی حقیقی خوشیوں سے محروم ہیں ان کو حقیقی خوشیوں سے نواز دے، جو اولاد سے محروم ہیں ان کو صالح اولاد عطا فرما، جن کی اولاد نا فرمان ہے ان کی اولاد کو نیک اور فرماں بردار بنا، جن کو نرینہ اولا نہیں ہے ان کو نرینہ صالح اولاد سے نواز، جن پر جھوٹے مقدمات چل رہے ہیں ان کو جلدی بری فرما، جو جیل میں ہیں ان کو بعافیت جلدی رہائی نصیب فرما، جن کو رہنے کے لئے مکان کی ضرورت ہے اے اللہ! ان کو عافیت کے ساتھ کشادہ مکان نصیب فرما۔

اے اللہ! تو ہم سب کو روحانی امراض سے پورے طور پر شفا عطا فرما، اخلاقِ رزیلہ سے نجات دے، اے اللہ! ہماری تمام دینی ودنیوی حاجتیں پوری فرما، اے اللہ! تو بھرپور خزانوں کا مالک ہے اور بے حساب دینے والا ہے، ہم محتاج ہیں، تیرے سامنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہیں، تیرے حبیب ﷺ نے ہمیں خبر دی ہے کہ بندہ جب تیرے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے تو اس کو خالی ہاتھ لوٹاتے ہوئے تجھے شرم آتی ہے، اے اللہ! ہم امیدیں لے کر تیری بارگاہ میں آئے ہیں تو ہمیں محروم نہ لوٹا، اے اللہ! آج تک تجھ سے مانگ کر محروم نہیں ہوئے، اب بھی اور آئندہ بھی محروم نہ فرما، اے اللہ! حبیب پاک ﷺ نے جتنی بھی بھلائیاں تجھ سے مانگی وہ سب ہم کو عطا فرما، اور حبیب پاک ﷺ نے جتنی برائیوں سے تیری پناہ

چاہی ان تمام سے ہماری حفاظت فرما، اے اللہ! جو کچھ ہمیں مانگنا چاہئے تھا اور نہیں مانگ سکے وہ سب ہمیں عطا فرما، اے اللہ! جن برائیوں سے ہمیں پناہ چاہنی چاہئے تھی اور ہم ان سے پناہ نہیں چاہ سکے ان تمام سے ہمیں پناہ نصیب فرما، اے اللہ! ہماری تمام دعاؤں کو اپنے حبیب پاک ﷺ کے صدقے اور طفیل میں قبول فرما۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ، وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین.

جامعہ کے دو اہم خطاب

جامعہ ڈابھیل کے سابق مہتمم حضرت مولانا محمد سعید بزرگ سملکیؒ کے انتقال پُر ملال کے بعد دوسرے روز مؤرخہ ۷/محرم الحرام ۱۴۱۱ھ مطابق ۳۰/ جولائی ۱۹۹۰ء پیر کی صبح کو جامعہ کی مسجد میں تعزیتی اجلاس میں یہ بیان کیا گیا۔

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم: امابعد:

فأعوذ باللّٰه من الشیطان الرجیم، بسم اللّٰه الرحمن الرحیم.

﴿یا ایها الذین اٰمنوا استعینوا بالصبر و الصلوة ان اللّٰه مع الصٰبرین، الذین اذا اصابتهم مصیبة قالوا انا للّٰه و انا الیه راجعون﴾

حضرات اساتذۂ کرام اور عزیز طلباء!

اس وقت ہم تعزیت کی غرض سے جمع ہوئے ہیں، پہلا سوال تو یہ ہے کہ تعزیت کریں تو ہم کس کی کریں؟ اس لئے کہ ہم خود ہی گرفتار مصیبت ہیں، یہ مصیبت کسی غیر کی نہیں کہ ہم اس کی تعزیت کریں؛ بلکہ خود ہمارے سروں پر آئی ہے، ہم کسی کی تعزیت کیا کریں گے؟ بلکہ ہم خود محتاج تعزیت ہیں؛ البتہ اس جگہ ایک جماعت ایسی موجود ہے جس کا ہر فرد مستحق تعزیت ہے، گویا ہم آپس ہی میں ایک دوسرے کی تعزیت کر رہے ہیں۔

تعزیت کا مطلب ہے ”تسلی دینا“ ”**عزی، یعزی، تعزیة**“ کا مطلب ہے تسلی دینا، ویسے قرآن اور حدیث کے بعض کلمات، بزرگوں کے بعض اقوال ایسی چیزیں ہیں کہ ہم خود ہی ان کو اپنی زبان سے دہرائیں تو ہمارے لئے باعث تسلی ہوا کرتے ہیں، ایک آدمی غم زدہ ہے جب وہ کسی ایسی کتاب کو جس میں غم اور مصیبت

کا تذکرہ اوراس پر صبر کرنے پر کچھ وعدے ہوں، اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف سے انعامات کا تذکرہ ہو، خود ہی پڑھتا ہے تو اس کو تسلی ہو جایا کرتی ہے، ہم انہیں کلمات کو اور ایسی ہی چیزوں کو دہرائیں گے خود اپنی زبان سے کہیں گے اور اپنے رفقاء کی زبانوں سے سنیں گے تو ان شاء اللہ یہ چیز ہمارے لئے تسلی کا باعث ہوگی۔

حضرت اقدس حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ آدمی میں خود کسی چیز کی کمی ہو، مثلاً: کوئی شخص ایسا ہے کہ خود جماعت کا اہتمام نہیں کرپاتا، تو اس کو چاہئے کہ جماعت کے اہتمام کے سلسلہ میں تقریر کرتا رہے، اس طرح تقریر کرتے کرتے اللہ تعالیٰ خود اس کو بھی یہ چیز نصیب فرمادیں گے، گویا وہ جب لوگوں کو نصیحت کرے گا تو اس کا دل بھی نصیحت قبول کرے گا، انسان جب ایک چیز بار بار اپنی زبان سے ادا کرتا ہے دوسروں کی زبان سے سنتا ہے تو وہ چیز اس کے دل پر اثر کرتی ہے۔

............از دل خیزد بر دل ریزد

دل سے اٹھتی ہے تو دل پر اثر کرتی ہے، ظاہر ہے اس موقع پر ہم سب ہی غم زدہ ہیں، ہم سب ہی سوگوار ہیں، ہم میں سے جس فرد کی زبان سے کوئی ایسی بات جو باعث تسلی اور باعث تعزیت نکلے گی ہم میں سے ہر ایک کے لئے ان شاء اللہ وہ بات سکون قلبی، اطمینان قلبی کا باعث ثابت ہوگی، اس لئے ہم سب یہاں جمع ہوئے ہیں۔

اور ساتھ ہی ساتھ حضرت اقدس قبلہ مہتمم صاحب نور اللہ مرقدہ کو خراج عقیدت

پیش کرنا ہے، اس موقعہ پر ہر شخص اپنے دلی جذبات کا اظہار کرے گا، یہ موقعہ ایسا نہیں کہ آدمی کوئی تقریر کرے یا کوئی شاندار بیان کرے، اس لئے کہ تقریر اور بیان کے لئے ضرورت ہے نشاط کی، اور اس وقت ایسے حال میں ہم جمع ہوئے ہیں کہ ہماری طبیعتیں پژمردہ ہیں، اور ہمارے دلوں پر بجائے فرحت اور نشاط کے غم اور رنج اور پژمردگی طاری ہے، ایسے حالات میں ہم کیا تقریر اور بیان کے سلسلہ میں داد و تحسین دے سکتے ہیں؟ بہرحال اپنے دلی جذبات کا اظہار ضرور کریں گے، میں نے جو آیتِ کریمہ تلاوت کی اس میں اللہ تعالیٰ نے تعزیت کا طریقہ بھی بتلایا ہے۔

موت العالِم موت العالَم

اس وقت حضرت مہتمم صاحبؒ کی وفات واقعۃً اس جملہ کا مصداق ہے جو بعض حدیثوں میں آیا ہے "**موت العالِم موت العالَم**" ایک عالم کی موت پورے عالم کے حق میں موت ہوا کرتی ہے، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ عالِم عالَم کے لئے باعث حیات و زندگی ہے، یہ وہ زندگی نہیں جو کھانے پینے سے حاصل ہوا کرتی ہے؛ بلکہ اس سے مراد روحانی اور حقیقی زندگی ہے جو اللہ تعالیٰ کی عنایت فرمودہ، نازل فرمودہ تعلیمات کے ذریعہ آدمی حاصل کرتا ہے، یہ وہ روح اور وہ حیات ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے صدقہ اور طفیل میں اس امت کو عنایت فرمائی ہے، ﴿**وکذٰلک اوحینا الیک روحا من امرنا**﴾ باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ہم نے آپ پر ہمارے امر سے ایک روح نازل فرمائی، یہاں روح سے مراد قرآن ہے، قرآن پاک کی تعلیمات ایسی ہیں کہ آدمی اس کو اپنی زندگی میں اتارتا ہے، اور

عمل میں لاتا ہے تو اس کے لئے حقیقی اور سرمدی زندگی کا باعث بنا کرتی ہیں، اور بندہ ان تعلیمات کے ذریعہ سے حقیقی بندگی اور عبدیت سیکھتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی معبودیت اور حقانیت کا جو حق بندوں پر ہے اس کو بندہ ان تعلیمات کے ذریعہ ادا کرتا ہے۔

آج امت مسلمہ نے ان تعلیمات کی روح کو اپنے اندر سے نکال دیا ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ ہم مارے جا رہے ہیں، کاٹے جا رہے ہیں، جلائے جا رہے ہیں، بھائی مسلمان آج یہ شکایت کر رہا ہے کہ ہمارے گھروں کو اور ہمارے جان و مال کو برباد کیا جا رہا ہے، اور ہمارے ساتھ مظالم ہوتے ہیں تو حقیقت یہ ہے کہ یہ شکایت کرنے کا مسلمان کو حق نہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو روح امت مسلمہ کو عطا فرمائی تھی اور اس کے نتیجہ میں یہ امت ایک جاندار اور شاندار امت تھی، اور ایک زمانے میں اس نے اپنی جانداری اور شانداری کے ذریعہ پورے عالم پر اپنا سکہ جمایا تھا، ہم نے اندر سے وہ روح مٹا دی ہے، اور ہم ایک بے جان لاشے کی طرح ہو گئے ہیں، ظاہر ہے جب کسی کے جسم میں سے روح نکل جایا کرتی ہے تو کوئی بھی انسان ہو مسلمان ہو یا کافر ہو، اس لاشے کو حفاظت کے ساتھ اپنے گھر میں نہیں رکھتا، ہر شخص یہ سوچتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح اور جلد از جلد اس کو ٹھکانے لگایا جائے، غیر مسلم ہوتا ہے تو سوچتا ہے کہ جلد از جلد اس کو جلا کر ختم کر دے، یہ لاش اس قابل نہیں کہ اس کو گھر میں رکھا جائے؟ مسلمان ہو تو یہ سوچتا ہے کہ بھائی اس کو دفن کر دو، جلدی سے مٹی

میں چھپادو کہ اس میں روح باقی نہیں رہی۔

ہمارے اندر بھی جو حقیقی روح تھی تعلیمات اسلامی کی وہ فنا ہوچکی ہے، پوری امت گویا ایک بے جان لاشے کی طرح ہے، اس لئے کوئی ہمیں جلاتا ہے، کوئی ہمیں برباد کرتا ہے، ہمیں تو اپنے آپ سے شکایت کرنی چاہئے کہ ہماری غفلت کی وجہ سے پورے عالم پر یہ مصائب آرہے ہیں۔

بہرحال! قرآن پاک روح اور عالِم پورے عالَم میں اس روح کی تعلیمات کو پھیلاتا اور عام کرتا ہے، اور لوگوں کے قلب وقالب میں اس روح (قرآن) کے سرایت کرنے کا ذریعہ بنتا ہے، اسی لئے عالِم کے متعلق کہا گیا کہ "**موت العالِم موت العالَم**" ظاہر ہے جب ایسا عالِم جو پورے عالَم میں اسلامی تعلیمات کی اشاعت اور فروغ اور تدریس کا ذریعہ بنا ہوا تھا، وہ دنیا سے رخصت ہوا تو اس کے جانے کی وجہ سے اس روح کی اشاعت وفروغ میں کمی آگئی، اور اسی کو دنیا کے حق میں موت سے تعبیر کیا گیا۔

موت تحفہ ہے

موت باعث رنج وغم اور باعث درد والم ضرور ہے لیکن مومن کے لئے یہ چیز باعث رنج وغم نہیں؛ بلکہ باعث فرحت ومسرت ہونی چاہئے، حدیث پاک میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "**المَوتُ تحفة المؤمن**" موت مومن کے لئے تحفہ ہے نیز نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "**المَوتُ جَسَرٌ يوصلُ الحبيب إلى الحبيب**" موت ایک پل ہے جو ایک محبوب کو دوسرے محبوب سے ملاتا ہے، بندۂ مومن باری

تعالیٰ کا محبّ اور عاشق صادق ہوا کرتا ہے، قرآن پاک میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿والذين اٰمنوا أشد حبا لله﴾ جولوگ اہل ایمان ہیں وہ باری تعالیٰ کے بڑے محبّ ہیں، ان سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والا کوئی نہیں، ایمان ایک محبت اور عشق ہے، جو مومن کے دل میں سرایت کئے ہوئے ہوتا ہے اور جب ایک مرتبہ ایمان دل کی گہرائیوں میں سرایت کر جاتا ہے تو پھر نکلنے کا نام نہیں لیتا۔

نامۂ مبارک قیصر روم کے دربار میں

جو حضرات حدیث پڑھتے پڑھاتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے قیصر روم ہرقل کے نام نامۂ مبارک روانہ فرمایا، اس وقت قیصرِ روم نے نبی کریم ﷺ کے نامۂ مبارک کو کھولنے سے پہلے آپ ﷺ کی شخصیت کے متعلق معلومات حاصل کر لینا ضروری سمجھا، چنانچہ اس نے اپنے درباریوں سے پوچھا کہ یہ شخص جہاں کا رہنے والا ہے کیا اس علاقے کے کچھ لوگ یہاں موجود ہیں؟ درباریوں نے کہا کہ ہاں، ایک قافلہ بغرض تجارت حجاز سے آیا ہوا ہے، چنانچہ ان کو بلایا گیا، اتفاق سے قافلے کے امیر ابوسفیان تھے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے؛ بلکہ مسلمانوں کے سب سے بڑے حریف اور مخالف سمجھے جاتے تھے، وہ زمانہ صلح حدیبیہ کا زمانہ تھا، بڑی مفصل حدیث ہے، بہرحال! قیصرِ روم نے حضرت ابوسفیان سے اس وقت کچھ سوالات کئے، نبی کریم ﷺ کے متعلق، آپ ﷺ کی ذات اور آپ ﷺ کے اخلاق کے متعلق، ان سوالات میں سے ایک سوال یہ تھا کہ ان پر ایمان لانے کے بعد کوئی شخص ان کے مذہب کو چھوڑتا بھی ہے یا نہیں؟ یعنی کوئی شخص ایسا

بھی ہے جو اسلام لانے کے بعد اسلام سے برگشتہ ہو گیا ہو؟ تو ابوسفیان نے کہا کہ نہیں، ایسا تو کوئی بھی نہیں ہے جس نے اسلام قبول کرنے کے بعد اسلام کو چھوڑا ہو۔ تو اس پر قیصرِ روم نے جو تبصرہ کیا وہ یہ تھا: ''**کذلک الإیمان إذا خالطت بشاشة القلوب**'' ایمان کا یہی حال ہے جب دلوں کی گہرائی میں سرایت کر جاتا ہے تو نکلنے کا نام نہیں لیتا، تو مومن کو اللہ تعالیٰ سے ایسی سچی محبت اور ایسا سچا عشق ہوتا ہے، مومن اللہ تبارک وتعالیٰ کا محبّ خالص اور سچا پکا عاشق ہوا کرتا ہے، اس کے لئے موت ایک تحفہ ہوتی ہے، اور اس کے لئے موت بڑی خوشی اور مسرت کا مقام ہوا کرتا ہے۔

بلکہ قرآن پاک میں تو موت کی تمنا کرنے کو اللہ سے دوستی اور ولایت کی علامت بتلایا ہے، یہودی اپنے آپ کو اللہ کا دوست کہتے تھے کہ ہم تو اللہ کے دوست ہیں، قرآن ان کو خطاب کر کے کہتا ہے: ﴿**یا ایھا الذین ھادوا ان زعمتم انکم اولیاء اللّٰہ من دون الناس فتمنوا الموت ان کنتم صادقین**﴾ اے یہودیو! اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تمام لوگوں میں تم ہی اللہ کے دوست ہو، تو موت کی تمنا کرو اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو، گویا اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ دعوائے ولایت دعوائے محبت کسی کو ہے تو اس کا ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ آدمی موت کا متمنی ہوا کرتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے، آپ ﷺ کی دعاؤں میں سے ایک دعا ہے:
''**اللّٰھم حبب الموت إلی من یعلم أن محمدا (ﷺ) عبدک**

ورســولک“ اے اللہ تیرا جو بھی بندہ میری رسالت کا اقرار کرتا ہو، میرے نبی ہونے کا قائل ہو اس کے دل میں موت کی محبت ڈال دے، ہم اپنے اکابر کا تذکرہ سنتے ہیں، ان کے حالات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب موت آتی تھی تو وہ مارے خوشی کے اچھل پڑتے تھے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی موت کا وقت جب قریب آیا تو یہ اشعار پڑھتے تھے:

غدا نلقى الأحبة محمداً وحزبه.

کل کو ہم اپنے دوستوں سے ملاقات کریں گے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب جو ہمارے دوست ہیں ان سے ملاقات ہوگی، تو ملاقات کا وقت آ گیا تو بڑے خوش تھے، ان کی بیوی رو رہی تھی تو کہنے لگے کہ کیا یہ رونے کا مقام ہے؟ یہ تو میرے لئے خوشی کا مقام ہے، اس وقت کا انتظار ایک زمانے سے، ایک بڑی مدت سے کر رہا تھا اللہ تبارک وتعالیٰ نے آج وہ گھڑی دکھادی۔

شاہ محمد یعقوب مجددیؒ کا واقعہ

آپ یہ نہ سمجھئے کہ یہ اگلے زمانہ کی بات ہے، ابھی ماضی قریب کے اندر ایک بزرگ گذرے ہیں جن کی زیادہ تر زندگی بھوپال میں گذری حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب مجددیؒ، جن کے ملفوظات کو حضرت مولانا علی میاں صاحب دامت برکاتہم نے ”صحبتے با اہل دل“ کے نام سے جمع کیا ہے، کتاب کے اندر ایک واقعہ ہے، بہت سوں کی نظروں سے گذرا ہوگا۔

جب ان کی موت کا وقت قریب آیا تو لوگوں نے آ کر ان کو تسلی دی،

گھبرائیں نہیں صحت ہو جائے گی، آپ پریشان نہ ہوں، تو غصہ ہو گئے فرمایا: ایک مدت سے جس چیز کا انتظار تھا (موت کا) اس کا وقت قریب آرہا ہے تو تم اس کو ٹلانا چاہتے ہو، اور مجھے یہ کہہ کر تسلی دینا چاہتے ہو گھبرائیں نہیں صحت ہو جائے گی، میں تو اس وقت کا ایک مدت سے منتظر تھا، ہاں میرے لئے دعا کرو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ حسن خاتمہ نصیب فرمائے۔

موت کے نعمت ہونے کی وجوہات

بہرحال! مومن کی شان یہی ہے کہ وہ موت کی تمنا کرتا ہے، حدیث کی کتابوں میں نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد موجود ہے: "**لا يتمنين أحدكم الموت**" نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: تم میں سے کوئی آدمی موت کی تمنا نہ کرے، اس حدیث کا جواب دوسری روایت میں موجود ہے، نبی کریم ﷺ نے اس جملہ کے آگے ایک قید بھی لگائی ہے "لضر نزل به" کہ کوئی آدمی مصیبت کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے، مصیبت آجائے تو گھبرا کر موت کی تمنا کرنا مومن کی شان نہیں ہے، یہ تو اللہ تعالیٰ سے بے اعتمادی کی علامت ہے اس سے منع کیا گیا ہے، ورنہ کوئی آدمی اگر اللہ تعالیٰ کی محبت میں اور اس کے سچے عشق میں موت کی تمنا کرے تو یہ عین ایمان ہے، یہ علامت ہے ایمان کی، یہ اس کے عاشق صالح اور سچے مومن ہونے کی نشانی ہے۔

بہرحال! آپ موت کو محض مصیبت نہ سمجھیں؛ بلکہ یہ نعمت بھی ہے، موت کے نعمت ہونے کی بزرگوں نے مختلف وجوہات لکھیں ہیں: ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ موت دنیا کی آبادکاری کا ذریعہ ہے، روایتوں میں آتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ

نے فرشتوں کے سامنے حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی جتنی بھی اولاد شروع سے قیامت تک پیدا ہونے والی ہیں پیش کیا، بہت بڑی تعداد تھی تو فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: اے باری تعالیٰ! یہ اتنی ساری مخلوق اتنے سارے انسان زمین پر کیسے سمائیں گے؟ تو باری تعالیٰ نے جواب میں ارشاد فرمایا: میں ان پر موت کو مسلط کر دوں گا، مرتے جائیں گے تو دوسرے ان کی جگہ لیتے جائیں گے، اور یہ سلسلہ جاری رہے گا، اس وقت فرشتوں نے عرض کیا: باری تعالیٰ! جب کسی انسان کے سر پر موت کا فکر ہوگا اور موت کا ڈر سوار ہوگا تو پھر وہ کیسے عیش وآرام کے ساتھ اور راحت وسکون کے ساتھ سانس لے سکے گا؟ اس کے سر پر تو ہر وقت موت کا سودا سوار ہوگا، وہ چین کی زندگی بسر نہیں کر پائے گا، باری تعالیٰ نے فرمایا: کہ میں ان کے دلوں میں تمنائیں ڈال دوں گا، جس کی وجہ سے موت کا فکر ان کے دل ودماغ پر سے اتر جائے گا، بہرحال یہ دنیا کی آبادکاری کا ذریعہ بھی ہے، اگر سب ہی زندہ رہتے تو ظاہر ہے ہمارے لئے یہاں سیٹ تلاش کرنا مشکل ہو جاتا۔

موت کے نعمت ہونے کی بزرگوں نے ایک اور وجہ بھی لکھی ہے کہ موت چھوٹوں کے کمال کے ظہور کا ذریعہ ہے، ظاہر ہے جب بڑے ہمارے درمیان موجود ہوتے ہیں تو ہم بڑوں کے کمال کو دیکھا کرتے ہیں، اور چھوٹوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو صلاحیت رکھی ہے، جو کمالات ان کے اندر مضمر ہیں ان کی طرف کسی کی توجہ نہیں جاتی، ان کے کھلنے کا، ان کے نمایاں ہونے کا موقع نہیں آتا، اگر نبی کریم ﷺ دنیا میں موجود ہوتے تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے کمالات کا ظہور کیسے

ہوتا؟ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صدیقیت کا کما حقہ اظہار نہ ہوتا؛ کیونکہ جو کمالات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد دورِ رِدّت میں ظاہر ہوئے، اس فتنہ کا جس ثابت قدمی اور جواں مردی کے ساتھ مقابلہ کیا اور جو جملہ انہوں نے ارشاد فرمایا، اس سے ان کے کمالات لوگوں کے سامنے آئے، اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوتے تو یہ کمالات کیسے ظاہر ہوتے؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے جو کمالات ہیں وہ کیسے ظاہر ہوتے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوتے تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی اطاعت میں اور آپ کی فرماں برداری میں ہی لگے رہتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کے سامنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے کمالات ظاہر نہ ہو پاتے۔

ہمارے بڑے ہوتے تو پھر ہم اپنے بڑوں کی اطاعت میں، ان ہی کی فرماں برداری میں، ان ہی کی کفش برداری میں ایسے مشغول ہوتے کہ ہمارے کمالات کے ظہور کا کچھ موقع نہ آتا، یہ تو اللہ تعالیٰ نے موت کو مسلط کر کے ہم پر مزید انعام کیا ہے، جب بڑے جاتے ہیں تو بڑوں کے جانے کے بعد ذمہ داریاں چھوٹوں پر آتی ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے چھوٹوں میں جو کمالات اور جو استعداد رکھی ہے، ان کی استعداد کے ظہور کا اور ان کے کمالات لوگوں کے سامنے آنے کا موقع آتا ہے، اور لوگ ان کے کمالات سے واقف ہوتے ہیں، یہ موت اس معنی کے اعتبار سے بھی نعمت ہے۔

علماء نے اس کی اور بھی وجوہات بتلائیں ہیں اس میں سے ایک وجہ ہے تربیت اسلام میں تفنن۔

بھائی دیکھو! ہر زمانہ کی نفسیات، ہر زمانہ کے جذبات اور احساسات الگ الگ ہوا کرتے ہیں، ایک نسل کے بعد جب دوسری نسل آتی ہے تو اس کے احساسات اور اس کی نفسیات اور اس کے افکار اس کے جذبات جداگانہ ہوتے ہیں۔

ہم اس دور کی نسل ہیں، ہماری نفسیات، ہمارے جذبات، ہمارے افکار سے ہم واقف ہیں، ہم اگلوں کے قصے اور واقعات پڑھتے ہیں، ان کے جذبات، ان کی نفسیات، ان کے احساسات کچھ اور تھے، اور خود ہم اپنے چھوٹوں کو دیکھ رہے ہیں ان کے جذبات، ان کی نفسیات، ان کے افکار واحساسات کچھ اور ہیں، تو ظاہر ہے کہ بڑے اور پہلے کے لوگ ہی موجود ہوتے تو نئے آنے والوں کی نفسیات کو محسوس نہیں کر سکتے تھے۔

کسی کی نفسیات کو، کسی کے جذبات اور احساسات کو وہی آدمی کما حقہ محسوس کر سکتا ہے جو اپنے اندر اسی طرح کی نفسیات، اسی قسم کے جذبات اور احساسات رکھتا ہو، ظاہر ہے اگر بڑے اور پہلے کے لوگ ہی موجود ہوتے تو اسی ڈھنگ سے، اسی نہج پر سوچتے اور اسی طرز پر تربیت میں سعی کرتے، اور نئی نسل کا مزاج ان کے احساسات وافکار الگ ہوتے۔

اسی لئے حدیث پاک میں آیا ہے نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: ”إن اللّٰہ یبعث لهذه الأمة على رأس كل مائة سنة من يجدد لها دينها“. (أبوداؤد) اللہ تعالیٰ ہر صدی پر میری امت میں ایسے اشخاص کو اور ایسی شخصیات کو پیدا فرماتے رہیں گے جو دین کی تجدید کریں گے، دین تو وہی ہوگا لیکن نئے انداز

میں نئے معنی پہنا کر لوگوں کے سامنے پیش کریں گے۔

بہر حال! یہ موت جو ہے اس کے ذریعہ نئی نسل آتی ہے، اور نئی نسل میں وہ لوگ پیدا ہوتے ہیں جو اپنی خداداد صلاحیتوں اور جذبات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے لوگوں کے سامنے اس کے دین کو نئے انداز میں پیش کرتے ہیں، اس سے لوگوں کے لئے دین کا سمجھنا اور اس کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ موت جہاں مصیبت ہے وہاں نعمت بھی ہے، مومن کی شان یہ ہے کہ موت کو نعمت ہی کی حیثیت سے دیکھے، اب اس پر جو غم ہوا کرتا ہے وہ حقیقت میں موت آنے کی وجہ سے نہیں، موت تو اس جانے والے کی آئی ہے، ہمارے لئے تو اس سے جدائی کا وقت آ گیا ہے، ہمارا اس کے ساتھ میل میلاپ اور دوستی رشتہ داری یا کسی اور قسم کا جو تعلق تھا وہ اب ختم ہو گیا، اس سے جدائی اور فراق ہو گیا، اس کا غم ہو رہا ہے ورنہ موت کا غم نہیں ہے۔

آپ سنتے ہوں گے، دیکھتے ہوں گے کسی کو اللہ تعالیٰ نے بڑے اچھے انداز میں بڑی اچھی کیفیات کے ساتھ موت عطا فرمائی، کوئی آدمی نماز میں سجدے کی حالت میں ہے اور اس کی روح پرواز کر گئی، تو ہم میں کا جو یہ سنتا ہے، دیکھتا ہے تو یہ تمنا کرتا ہے کہ کاش مجھے بھی ایسی ہی موت نصیب ہو جائے، دعا کرتا ہے کہ یہی کیفیت موت کے وقت اللہ مجھے بھی نصیب فرمائے، اللہ ہر مسلمان کو ایسی موت نصیب فرمائے، تو معلوم ہوا کہ موت جو ہے وہ خود ڈر اور غم کی چیز نہیں ہے، ایسی موت کی تمنا تو ہر وہ شخص کرتا ہے جس کے دل میں ایمان ہے، وہ تو اصل میں جانے

والا چلا گیا، اس کے ساتھ ہمارے جو روابط اور تعلقات تھے، ان تعلقات اور روابط کی وجہ سے اس کی جدائی کا احساس ہمارے دلوں پر ہوتا ہے، اس کی وجہ سے غم ہوتا ہے، اسی لئے جوں جوں جدائی کا غم اترتا جاتا ہے توں توں وہ احساس گھٹتا جاتا ہے؛ یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ مرنے والے کو بھلا کر اپنے مشاغل میں، اپنی مصروفیات میں، اپنے اعمال میں ایسے مشغول ہوتے ہیں کہ کبھی بھولے سے بھی اس مرنے والے کا خیال نہیں آتا، تو اصل غم اس جدائی کا ہے۔

ترجیع (إنا للہ............الخ) کی تشریح

اللہ تعالیٰ نے اسی غم کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل فرمائی جو میں نے آپ کے سامنے پیش کی ہے: ﴿**الذين اذا اصابتهم مصيبة قالوا انا لله وانا اليه راجعون**﴾ کہ جب ان کو مصیبت پہنچتی ہے تو وہ یہ کہا کرتے ہیں، اپنی زبان سے یہ جملہ ادا کرتے ہیں، اور دل میں بھی اس کے معانی کا احساس رکھتے ہیں کہ "**إنا لله**" ہم اللہ ہی کی ملک ہیں، جب آدمی یہ سوچ لے کہ سب کچھ اللہ کی ملک ہے، اس کا تھا اس نے لے لیا، ہم دخل دینے والے کون ہوتے ہیں؟ حدیث پاک میں نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد مبارک موجود ہے: ﴿**لله ما أعطى وله ما أخذ وكل شيء عنده بأجل مسمى**﴾ کہ اللہ ہی کا ہے جو اس نے دیا، اور اللہ ہی کا ہے جو وہ لے رہا ہے، اور ہر چیز کا اللہ کے یہاں ایک وقت مقرر ہے، ہم بھی اللہ کے ہیں، اور وہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کے تھے جن کو اللہ نے ہمارے درمیان سے اٹھالیا ہے۔

آج تک ہم ان کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھاتے رہے، ان کے فیوض

وبرکات سے مستفیض ہوتے رہے، آج اللہ نے ان کو ہمارے درمیان سے اٹھالیا، ہم کو یہ تصور کرنا چاہئے کہ جولیا وہ اللہ کا تھا، اور جو چھوڑا وہ بھی اللہ ہی کا ہے، دیا بھی اسی نے تھا، لینے والی ذات بھی اسی کی ہے، جب یہ بات ہے تو ہم کو کیا حق ہے رونے دھونے اور غم کرنے کا؟

یہ عقلی طور پر ہے لیکن ایک بات یاد رکھئے کہ عقل بہت سی مرتبہ ضبط بھی کرتی ہے اس کے باوجود بھی طبیعت اپنے جذبات سے مجبور ہو جاتی ہے اور ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتی، ایک آدمی عقلی طور پر ایک چیز کو سمجھتا ہے مثلاً دوا ہے، بیماری میں آپ اس کو پیتے ہیں، عقلی طور پر اس بات کو سمجھتے ہیں کہ یہ دوا میرے لئے باعث شفا ہے لیکن اس کے باوجود پئیں گے تو طبیعت اس کی کڑواہٹ کو محسوس کرتی ہے، ڈاکٹر انجکشن دینے کے لئے آئے گا تو بھاگیں گے حالانکہ سمجھ رہے ہیں کہ یہ ہمارے لئے شفا کا باعث ہے، تو عقلی طور پر ایک چیز کو سمجھنے کے بعد طبیعت بہت سی مرتبہ جھجک اور حجاب محسوس کرتی ہے تو پھر طبیعت کا علاج کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے آگے اس کا علاج بھی بتلا دیا ﴿وانا الیہ راجعون﴾ کہ بھائی دیکھئے ہم یہ غم کیوں کر رہے ہیں؟ یہ شور کیوں مچا رہے ہی؟ ہمارے دلوں پر اور دماغوں پر یہ جذبات اور احساسات کیوں ہیں؟ جانے والے کی جدائی کی وجہ سے آپ پریشان کیوں ہوتے ہیں؟ ”وإنا إلیہ راجعون“ ہم بھی اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں، جہاں وہ جانے والا گیا ہے، ہم بھی وہیں جانے والے ہیں، یہ جدائی لمبی اور طویل نہیں ہے، اس جدائی کا وقفہ اور فراق کا یہ زمانہ جس کی

وجہ سے تم پریشان ہورہے ہو بہت مختصر ہے، ایک مختصر وقت تک آپ کو صبر سے کام لینا ہے، یوں سمجھ لیجئے کہ آپ کا ایک عزیز پردیس گیا ہوا ہے دو چار سال بعد واپس آجائے گا، آپ کو تسلی رہتی ہے کہ اس کی جدائی ہمیشہ کے لئے نہیں ہے، دوبارہ ہماری ملاقات ہونے والی ہے، اسی طرح ملک عدم کی طرف جانے والے سے بھی ہماری ملاقات ہوگی، اسی لئے ''وإنا إليه راجعون'' فرمایا، مومن اور کافر میں یہی تو فرق ہے کہ مومن یہ سمجھتا ہے کہ ہمارا عزیز جس ملک گیا ہے، جہاں گیا ہے ہم کو بھی ایک دن وہیں جانا ہے، ہماری اور اس کی ملاقات وہاں ہونے والی ہے۔

اور حدیث پاک سے تو یہ ساری چیزیں ثابت ہیں، اسی لئے مومن موت کے وقت خوش ہوتا ہے اور کافر زندگی کی تمنا کرتا ہے۔ ﴿ولتجدنهم احرص الناس على حيوة، ومن الذين اشركوا يود احدهم لو يعمر الف سنة وما هو بمزحزحه من العذاب ان يعمر﴾ (البقرہ) کہ بھائی دیکھئے! جو کافر اور مشرک ہوتا ہے وہ ہزار سال جینے کی تمنا کرتا ہے لیکن ہزاروں سال کے بعد بھی وہ موت کو اپنے سے ہٹا نہیں سکتا۔ ﴿ولتجدنهم احرص الناس على حيوة﴾ کہ کفار کو آپ ایسے حال میں پائیں گے کہ وہ زندگی کے بڑے حریص ہوں گے، مومن کی یہ شان نہیں ہوا کرتی۔

بہر حال! یہ اللہ تعالیٰ نے جو کلمہ تلقین فرمایا ﴿إنا للّٰه وإنا إليه راجعون﴾ ماشاء اللہ ہم سب تو پڑھے ہوئے ہیں، معانی سے واقف ہیں، اس کے معانی کا تصور کریں، اور یہ سوچیں کہ جانے والی جو نعمت تھی اللہ تعالیٰ نے اپنے

حکم اور اپنی مرضی سے اس کو اٹھالیا، اب ہمارا کام اس پر صبر کرنا ہے جیسا کہ آیت کے شروع میں بتلایا گیا کہ ﴿یایھا الذین اٰمنوا استعینوا بالصبر والصلوۃ﴾ کہ صبر اور صلوۃ کے ذریعہ اللہ سے مدد چاہو ﴿ان اللّٰہ مع الصٰبرین﴾ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

کسی کی موت پر ہمارے لئے حکم صبر کرنے کا ہے، اور ساتھ ہی ساتھ جانے والے کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانے کی کوشش کرنا، ایصالِ ثواب کے ذریعہ، دعاؤں کے ذریعہ، بعض جانے والے ایسے ہوتے ہیں جو ایک ایسا عمل اور ایک ایسا بیج ڈال کر جاتے ہیں کہ کوئی ان کے لئے دعا کرے یا نہ کرے اس کے ثمرات اور اس کا ثواب اس کو ملتا رہتا ہے، آپ نے کسی کو پڑھایا وہ جب تک پڑھتا رہے گا اور اس سے علم پھیلتا رہے گا آپ کو ثواب ملتا رہے گا، اب وہ چاہے آپ کے لئے دعا کرے یا نہ کرے، ہم جب تک اس سلسلہ سے جڑے ہوئے ہیں اس راہ پر قائم ہیں، جانے والے کو اس کا اجر و ثواب ملتا رہے گا، حضرت مہتمم صاحب اس اجر و ثواب سے ان شاء اللہ خالی نہیں ہیں، ہمارے ہر عمل میں ان کا حصہ ہے۔

لیکن یہ ہماری سعادت مندی کی بات ہے کہ ہم ان کے لئے خصوصی طور پر ایصالِ ثواب کا اہتمام کریں، حدیث پاک میں آیا ہے: **"أذكروا محاسن موتاكم"** (الحدیث) کہ تم جانے والوں کی خوبیوں کا ذکر کیا کرو۔

مرحوم کی سب سے بڑی خوبی

حضرت مہتمم صاحب کی خوبیوں کے متعلق میں آپ کے سامنے کیا بیان

کروں؟ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے؟ میں نے بھی دیکھا ہے، آپ نے بھی دیکھا ہے، ان کی خوبیوں سے آپ حضرات بھی واقف ہیں۔

ان کی ایک سب سے بڑی خوبی میرے نزدیک یہ ہے کہ ان کو اس مدرسہ کے ساتھ ایسا عشق اور ایسی محبت تھی کہ ان کا بڑے سے بڑا ناقد بھی اس کا انکار نہیں کرسکتا، یہی وہ خوبی ہے جو مدرسہ کے لئے ترقی کا باعث بن سکتی ہے۔

بہرحال! جو مشن انہوں نے جاری کیا تھا اس کو آگے بڑھانا ہے، دعا کریں، اللہ تعالیٰ اس مشن کو آگے بڑھانے کی ہم کو توفیق عطا فرمائے۔

اور جو راہ ہمارے اکابر چھوڑ گئے اسی راہ پر چلنے کی اور اسی پر اپنے آپ کو قربان کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شعبۂ تقریر وتحریر کے اجلاس میں ایک اہم خطاب

نوٹ: جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل میں طلبۂ کرام میں تقریر وتحریر کی صلاحیت پیدا کرنے کے لیے ابتدا ہی سے ایک شعبہ قائم ہے۔ اس شعبے کے نام بدلتے رہے؛ مگر مقصد سب کا ایک ہی رہا کہ: طلبہ میں اپنی ما فی الضمیر کو کلام سے یا قلم سے پیش کرنے کی اہلیت پیدا ہو۔ حضرت مولانا محمد سعید بزرگؒ (سابق مہتمم جامعہ، المتوفیٰ ۱۴۱۱ھ) کے اہتمام سنبھالنے سے پہلے دو انجمنیں تھیں: ایک انجمنِ کلام، اور دوسری انجمن لسان؛ طلبۂ کرام اِن دونوں انجمنوں میں طبع آزمائیاں کرتے تھے، اور مستقبل کے سحبان الہند، ابوالکلام، عطاء اللہ شاہ بخاری وغیرہ بننے کی سعیٔ بلیغ کرتے تھے۔ مولانا محمد سعید صاحبؒ کے مسندِ اہتمام پر فائز ہونے کے بعد اِن دونوں انجمنوں کو ختم کر کے ایک انجمن ''جمعیۃ الطلبا'' کے نام سے قائم کی گئی، اِس کے افتتاح کے لیے امیر الہند حضرت مولانا اسعد مدنی دامت برکاتہم (رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ) کو مدعو کیا گیا، اور ایک شاندار اجلاس منعقد ہوا، اِسی انجمن کو ہم آج ''شعبۂ تقریر وتحریر'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ جس میں معمول یہ ہے کہ: ہر جمعرات کو بعد المغرب مختلف درس گاہوں میں طلبہ منقسم ہو کر تقریر کی مشق کرتے ہیں، طلبہ کو اِس انجمن میں شرکت کرنا ضروری ہے۔ سال کے اخیر میں اِس کا اختتامی اجلاس ہوتا ہے، جس میں ممتاز مقررین کو انعامات سے نوازا جاتا ہے۔

جامعہ کا یہ ایک کامیاب شعبہ ہے، اِس پلیٹ فارم سے اشاعتِ دین اور دعوت وتبلیغ کا کام کماحقہٗ ادا کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، اِس انجمن سے فیض یاب ہونے والے

بیسیوں مقررین ہیں؛ ''مشتے نمونہ از خروارے'' کے طور پر جامعہ کے عظیم فرزند، خطیب الامت حضرت مولانا سید ابرار صاحب دھولیویؒ (المتوفیٰ ۱۹۹۵ء) کا نام نامی پیش کردینا کافی ہے، جنھوں نے اِن کی سحر بیان تقریریں نہیں سنیں اُن پر ''فیض ابرار'' (اُن کی تقاریر کا مجموعہ) کا مطالعہ کرلینے سے اِس کی حقیقت واضح ہوجائے گی۔

لہٰذا حسبِ سابق مذکورہ انجمن کا اختتامی اجلاس ۶/رجب المرجب ۱۴۲۵ھ بعد المغرب حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہم کی زیرِ صدارت منعقد ہوا، اور آپ ہی کے مختصر بیان پر پروگرام اختتام پذیر ہوا، چوں کہ بیان میں اصل مصادر یعنی حضرت نبیٔ کریم ﷺ اور حضرات صحابہ رضوان اللّٰہ تعالیٰ علیھم اجمعین کے خطابات کے دو تین نمونے پیش کیے گئے ہیں، بیان احباب کو بے حد پسند آیا، اُسے کیسیٹ کی مدد سے تحریری جامہ پہنا کر حسبِ ذیل شکل میں پیش کیا جارہا ہے۔ اللھم تقبل منا بحرمة نبيك الفصيح البليغ ﷺ　　احقر: عبدالقیوم راجکوٹی

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلاهادي له؛ ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريك له، ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله؛ أرسله إلىٰ كافة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى الله بإذنه وسراجا منيرا؛ صلى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ آله وأصحابه وبارك وسلم تسليما كثيرا كثيرا. قال النبي ﷺ: إن من البيان لسحرا(۱).

حضرت اساتذۂ کرام اور عزیز طلبہ! آج کی اِس مجلس کا انعقاد ’’شعبۂ تقریر وتحریر‘‘ کی سال بھر کی کارگزاری اور اس کے عمدہ نتائج کو پیش کرنے کے لیے عمل میں آیا تھا، جس مقصد کے لیے یہ مجلس منعقد کی گئی تھی الحمدللہ وہ مقصد تو بہ حسن وخوبی انجام کو پہنچ چکا ہے، ہم نے شعبے کی کارگزاری بھی سنی، اور اِس شعبے میں رہ کر طلبہ نے جو محنتیں کی ہیں اُس کے کچھ نمونے بھی ہم نے سن لیے۔

یہ شعبہ دورِ حاضر کے اعتبار سے انتہائی ضروری شعبہ ہے، خطابت اور تقریر کی ضرورت ہر زمانے میں محسوس کی گئی، خود نبیٔ کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے یہ وصف علیٰ وجہ الکمال عطا فرمایا تھا، اور آپ ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت جوامع الکلم ہے، یعنی حضور پاک ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جامع کلمات عطا فرمائے تھے، اور موقع بہ موقع اس کا ظہور ہوتا رہتا تھا۔

حضرات انصار کی غلط فہمی کے ازالے میں حضور ﷺ کا فصیح خطبہ

غزوۂ حنین کے موقع پر نبیٔ کریم ﷺ نے اُن حضرات کو جو ابھی فتح مکہ کے موقع پر تازہ تازہ اسلام لائے تھے، اور ضرورت تھی کہ اُن کی دل جوئی کی جائے، مالِ غنیمت کے خمس میں سے اُن کو آپ نے خوب نوازا: کسی کو سو، کسی کو دو سو اور کسی کو تین سو بکریاں دی گئیں؛ اور جب یہ ساری چیزیں دی گئیں تو حضرات انصارؓ- جن کو نبیٔ کریم ﷺ سے خصوصی تعلقِ محبت تھا- حضور اقدس ﷺ کے اِس سلوک سے ’’عشق است، ہزار بدگمانی‘‘ کی بنیاد پر یہ سمجھے اور اُن کے دل میں یہ خیال آیا کہ: آپ ﷺ اپنی قوم کے لوگوں کو اِن نوازشات اور انعامات سے مالا مال فرما رہے

ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب آپ کا رجحان مکہ والوں کی طرف ہوا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ حضور اکرم ﷺ اب مکہ فتح ہونے کے بعد یہیں کی رہائش اختیار فرمالیں۔ چوں کہ ان کو حضور اقدس ﷺ کے ساتھ محبت تھی، اور آپ کی اِس داد ودہش کو وہ حضور اکرم ﷺ کے تعلق کی علامت سمجھے، کہ آپ اِن کو جو نواز رہے ہیں غالباً آپ کی اِن حضرات کی طرف توجہ زیادہ ہے۔ جب کسی کو کسی کے ساتھ محبت ہوتی ہے تو وہ یہ چاہتا ہے کہ، اُس کی ساری توجہات کا مرکز مَیں ہی بنا رہوں، اور ذرا بھی اُس کو اس سلسلے میں خیال پیدا ہو جائے کہ اس کی توجہ دوسرے کی طرف ہے، تو یہ چیز وہ برداشت نہیں کرسکتا۔

بہرحال! حضرات انصارؓ نے جب یہ منظر دیکھا تو ان کے دلوں میں بھی یہی خیال آیا، اور ابھی تازہ تازہ جس غزوے کے نتیجے میں یہ ساری غنیمتیں حاصل ہوئی تھیں، اُسی غزوے کے موقع پر ایک وقت یہ بھی آیا تھا کہ لوگوں کے قدم پیچھے پڑ رہے تھے، اور مسلمانوں کے لشکر میں افراتفری پھیلی تھی، اور اس موقع پر نبیٔ کریم ﷺ نے متوجہ کرنے کے لیے خاص طور پر حضرت عباسؓ کے ذریعے سے میدان جنگ میں آگے بڑھنے کی لوگوں کو دعوت دی تھی، اور اس میں خاص طور پر یا معشر الأنصار، یا أصحاب السمرة! کی آواز بھی لگوائی گئی تھی، کہ انصار آگے بڑھو، تین طرف متوجہ ہو کر حضرت عباسؓ نے آپ ﷺ کے حکم سے آواز لگائی تھی، اور انصار ایسے آگے بڑھے جیسے کوئی اونٹنی محبت سے اپنے بچے کی طرف بڑھتی ہے، اور پھر انھوں نے بہادری کے جوہر دکھلائے اور اس کے نتیجے میں میدان جنگ سے

دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے، اور مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے کامیابی عطا فرمائی۔ یہ منظر ابھی تازہ تازہ ہی دل و دماغ میں تھا۔

اب جب حضورِ اکرم ﷺ کو حضرات انصار نے دیکھا کہ وہ اِن نئے اسلام لانے والوں کو، مکۂ مکرمہ کے اِن باشندوں کو، قریش کے ان بڑے بڑے لوگوں کو نوازشات سے مالا مال کررہے ہیں، تو کچھ بدگمانیاں پیدا ہوئیں، اور کچھ ناتجربہ کار اور نوعمر صحابہ کی زبان سے یہ کلمات بھی نکلے تھے کہ: ابھی ہماری تلواریں ان کا خون ٹپکا رہی ہیں، اور آپ ﷺ تو اپنی قوم کو ان نوازشات سے مالا مال کررہے ہیں۔ حضورِ اکرم ﷺ کے پاس یہ شکایت پہنچی کہ: حضرات انصار کو شکوہ ہے، چناں چہ حضورِ اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ انصار کو ایک جگہ پر جمع کیا جائے، انصار کے علاوہ کوئی دوسرا وہاں نہیں آنا چاہیے، چناں چہ جب تمام انصار جمع ہوگئے تو نبیٔ کریم ﷺ کو اطلاع دی گئی، آپ ﷺ تشریف لائے، اور آتے ہی آپ نے پہلا سوال تو یہ کیا کہ: اس میں اور کوئی تو نہیں ہے؟ سب انصاری ہیں؟ تو ایک صاحب جن کا انصار سے تعلق نہیں تھا، البتہ ان کی ماں خاندان کے اعتبار سے انصاری تھی، اُن کے متعلق بتلایا گیا کہ وہ ہے، تو حضورِ اکرم ﷺ نے اس موقع پر فرمایا: ابن أخت القوم منهم بھانجہ بھی اُسی قبیلے کا شمار ہوتا ہے، لہٰذا وہ رہیں، ان کو یہاں سے ہٹانے کی ضرورت نہیں، اور پھر حضورِ اکرم ﷺ نے ذمہ دار قسم کے لوگوں سے پوچھا کہ: میں نے ایسی بات سنی ہے؟ اس پر انھوں نے عرض کیا کہ: ہم میں جو نوعمر ہیں اُن کی زبان سے ایسے جملے نکلے ہیں۔ تو نبیٔ کریم ﷺ نے اس موقع پر جو کلمات ارشاد

فرمائے اور آپ نے جو باتیں اِس موقع پر ارشاد فرمائیں وہ آپ کی شانِ خطابت کا کامل مظہر ہے، اُس کا یہ اثر ہوا کہ حضرات انصار کی روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں، اُن کی ڈاڑھیاں آنسوؤں سے تر ہوگئیں، اور جب حضور اکرم ﷺ نے اُن سے یہ سوال کیا کہ: کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ لوگ تو اپنے خیموں میں اور اپنی قیام گاہ میں اونٹ اور بکریوں کو لے کر جاویں، اور تم اللہ کے رسول ﷺ کو اپنے ساتھ لے کر جاؤ؟ تو اِس پر انھوں نے کہا کہ: ہم اِس پر راضی ہیں (۲)۔ بہر حال! اُن کے دلوں میں جو ناگواری پیدا ہوگئی تھی وہ دور ہوگئی۔

آپ کا یہ خطبہ- جو آپ نے اس موقع پر ارشاد فرمایا- آپ کے دیگر خطبات میں شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے؛ اِسی لیے حضرت مولانا علی میاں صاحب نور اللہ مرقدہ نے ''مختارات'' (۳) کے اندر جہاں مختلف بلغاء وفصحاء کے کلام کے نمونے پیش کیے ہیں، وہاں نبیٔ کریم ﷺ کے کلام میں اِسی کو نمونے کے طور پر پیش کیا ہے۔

بنو تمیم کے مفاخرے کا جواب

خطیب الرسول حضرت ثابت ابن قیس رضی اللہ عنہ کی زبانی

حضور اکرم ﷺ تو تھے ہی افصح الفصحاء اور رئیس البلغاء؛ لیکن آپ کے صحابہ میں بھی بہت سارے حضرات ان نعمتوں سے مالا مال تھے، اور خود نبیٔ کریم ﷺ اُن کی اِن صلاحیتوں سے فائدہ اٹھاتے تھے، چناں چہ ایک موقع پر جب قبیلۂ بنو تمیم کا

وفد نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں آیا، حضورِ اکرم ﷺ کی طرف سے بھیجے گئے محصلین (جو وہاں صدقات وصول کرنے والے) کے ساتھ اُن کی طرف سے کچھ زیادتیاں ہوئی تھیں، اور اُنھوں نے وہ اونٹ وغیرہ لے لیے تھے، تو لشکر کا ایک دستہ حضور اکرم ﷺ نے اُس علاقے میں بھیجا، اور یہ دستہ اُن کی کچھ عورتوں اور بچوں کو قید کر کے لے آیا، اب وہ لوگ اپنے بچوں اور عورتوں کو چھڑانے کے لیے نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضری دینے پر مجبور ہو گئے، اُن کا ایک وفد عین دوپہر کے وقت -جب کہ نبیٔ کریم ﷺ آرام فرما رہے تھے- حاضرِ خدمت ہوا، چوں کہ وہ آدابِ بارگاہِ نبوت سے واقف نہیں تھے، لہٰذا باہر ہی سے اُنھوں نے چلاّنا شروع کیا: یامحمد! أخرج ،آپ باہر تشریف لائیے، آپ کو بڑا ناگوار گزرا، کیوں کہ آرام کا وقت تھا، اور اس موقع پر انھوں نے آکر ایسی حرکت کی، قرآن پاک میں بھی اُن کی اِس حرکت پر متنبہ کیا گیا ہے: ﴿إن الذين ينادونك من وراء الحجرات أكثرهم لايعقلون ولو أنهم صبروا حتىٰ تخرج إليهم لكان خيرا لهم﴾ (۴) [الحجرات: ٤] ،اور آئندہ کے لیے امت کو یہ سبق سکھا دیا کہ: نبی ہی نہیں ؛ بلکہ نبی کے جاں نشینوں کے ساتھ بھی ادب واحترام کا یہی معاملہ ہونا چاہیے۔

بہر حال! اِس موقع پر جب نبیٔ کریم ﷺ کو وہ باہر آنے کی دعوت دے رہے تھے تو یہ کہہ رہے تھے کہ: ہمارا کسی کی تعریف کر دینا اُس کے لیے باعثِ زینت ہے، اور ہمارا کسی کی برائی اور مذمت کر دینا اُس کے لیے باعثِ عیب ہے، تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: یہ شان تو اللہ تعالیٰ کی ہے، کہ اللہ تعالیٰ کسی کی تعریف کر دے

تو وہ اُس کے لیے زینت کی چیز بن جاتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کی مذمت بیان کردی جائے تو وہ اُس کے لیے عیب ہو جاتا ہے، انسانوں میں یہ بات نہیں۔ چناں چہ جب نبیٔ کریم ﷺ باہر صحن مسجد میں تشریف لائے، اور اُن لوگوں کے سامنے تشریف فرما ہوئے، تو انھوں نے کہا کہ: ہم اپنا خطیب لے کر آئے ہیں اور اپنا شاعر بھی لے کر آئے ہیں، ہمارا شاعر اشعار کے اندر اپنی باتیں پیش کرے گا، ہم مفاخرہ کرنا چاہتے ہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں مفاخرہ ہوتا تھا، قبیلہ کے اِس قسم کے باصلاحیت لوگ آ کر اپنے قبیلے کے کمالات اور خوبیوں کو بیان کرتے تھے، دوسرے قبیلے والے اُس کا جواب دیا کرتے تھے۔ چناں چہ اُن کے خطیب نے کھڑے ہو کر اپنے قبیلے کی خوبی بیان کرنے کے لیے ایک شاندار تقریر کی، تو اِس کے جواب میں نبیٔ کریم ﷺ نے حضرت ثابت ابن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ: اِن کو جواب دو (۵)۔ حضرت ثابت ابن قیس رضی اللہ عنہ کا لقب ہی تھا خطیب الرسول، نبیٔ کریم ﷺ کے خطیب، گویا کہ خطابت میں اِن کی صلاحیت مانی ہوئی تھی، تو انھوں نے جواب دیا۔ پھر اُن کا شاعر اٹھا، اور ان کے شاعر کی طرف سے جو کلام پیش کیا گیا تھا اُس کے جواب کے لیے نبیٔ کریم ﷺ نے حضرت حسان ابن ثابت رضی اللہ عنہ (۶) کو مکلّف کیا، کہ جواب دیجیے، انھوں نے جواب دیا، بالآخر ان لوگوں کو ماننا پڑا کہ: آپ کا خطیب ہمارے خطیب سے، اور آپ کا شاعر ہمارے شاعر سے بڑھ کر ہے۔

تو میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ: اِس موقع پر نبیٔ کریم ﷺ نے حضرت ثابت ابن قیس رضی اللہ عنہ کی خدمات حاصل کی، اور ان کی صلاحیتوں سے حضور ﷺ نے فائدہ اٹھایا۔

مسیلمہ کذاب کے مطالبے کا جواب

ایک دوسرا موقع جب کہ قبیلۂ بنوحنیفہ کا وفد نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، اور اس وفد میں مسیلمہ کذاب بھی تھا، اِس نے ابھی تک نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا، وہ بھی آیا ہوا تھا؛ لیکن مدینۂ منورہ آنے کے بعد وفد کے اَور ارکان تو نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور یہ اپنی کبر ونخوت کی وجہ سے مجلسِ نبوی میں حاضر نہیں ہوا، اپنی قیام گاہ پر ہی رہا۔ نبیٔ کریم ﷺ وہاں تشریف لے گئے، اور اُس کی طرف سے یہ مطالبہ تھا کہ: آپ اپنے اس فریضۂ نبوت کی ادائیگی اور آپ کے پاس موجود تمام چیزوں میں مجھے بھی شریک کر لیجیے، نبیٔ کریم ﷺ کے پاس کھجور کے درخت کی ایک چھڑی سی تھی، اُس کی طرف اشارہ کر کے حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: میرے کام میں شریک کرنا دور کی بات رہی، اگر تو یہ چھڑی بھی مجھ سے مانگے گا تو بھی مَیں نہیں دوں گا۔ پھر حضرت ثابت ابن قیس رضی اللہ عنہ - جو نبیٔ کریم ﷺ کے ساتھ تھے- سے فرمایا کہ: جواب دو، اور آپ ﷺ تشریف لے گئے۔ امام بخاریؒ نے مستقل باب قائم کیا ہے (۷) جس کا عنوان ہے کہ: بڑے لوگوں کا ایک موقع پر اِن جیسے کم ظرفوں سے منھ لگائے بغیر اپنے ماتحتوں کو یہ حکم دینا کہ: ان کو جواب دو۔ مسیلمہ کو حضور ﷺ نے اُس وقت اِس قابل نہیں سمجھا کہ آپ براہِ راست اُس سے گفتگو کریں، اور اُس کی باتوں کا جواب دے؛ بلکہ یہ کام حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو سونپا۔

زوجۂ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی طلاق کا واقعہ

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ فصیح اور بلیغ ہونے کے باوجود چہرے مہرے کے اعتبار سے

بڑے بدصورت تھے، یہ بھی عجیب چیز ہے، کہ اللہ تعالیٰ ایسی صلاحیتیں عطا فرماتے ہیں۔ چناں چہ لکھا ہے کہ: عبداللہ بن ابی کی بیٹی: جمیلہ بنت عبداللہ ابن ابی اِن کے نکاح میں تھی، وہ اِن کی بدصورتی کی وجہ سے اِن کو پسند نہیں کرتی تھی، ایک مرتبہ جمیلہ بنت عبداللہ ابن ابی نے آ کر نبیِ کریم ﷺ سے یوں کہا کہ: مَیں اسلام میں مسلمان ہوتے ہوئے نفاق کو پسند نہیں کرتی، میرا جی اِن سے نہیں لگتا، حضور ﷺ نے فرمایا کہ: کیوں؟ تو کہا کہ: ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ میں خیمے میں تھی، خیمے کا پردہ ہٹ گیا، میں نے سامنے سے چند لوگوں کو آتے ہوئے دیکھا، تو اُن آنے والوں میں سب سے زیادہ بدصورت یہی (حضرت ثابت بن قیسؓ) تھے، بس میرے دل میں ان کی طرف سے ایک نفرت سی ہے، اور مجھے یہی گمان ہے کہ مَیں اِن کے نکاح میں رہتے ہوئے اِن کا حق نہیں ادا کر پاؤں گی، میرا دل اِن سے جوڑ نہیں کھائے گا؛ حضورِ اکرم ﷺ نے ان سے پوچھا کہ: اِنھوں نے مہر کے طور پر آپ کو کیا دیا تھا؟ تو کہا کہ: ایک باغ دیا تھا، تو کہا: وہ واپس کر دوگی؟ کہا: وہ باغ تو کیا! اِس کے اوپر مانگے تو وہ بھی دینے کے لیے تیار ہوں؛ لہٰذا حضورِ اکرم ﷺ نے حضرت ثابتؓ سے کہا: آپ اپنا باغ واپس لے لو، اور اِن کو طلاق دے دو۔ ابوداود شریف میں یہ واقعہ موجود ہے (۸)۔

بہر حال! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ، نبیِ کریم ﷺ کے زمانے میں بھی اِن چیزوں کا خاص اہتمام تھا، اور عرب کے اندر بھی اِس کا عام رواج تھا۔

صدیق اکبرؓ کی شاندار تقریر

حضورِ اکرم ﷺ کی وفات کے بعد جب ثقیفۂ بنوساعدہ میں انصار مشورے

کے لیے جمع ہو گئے، اور اس وقت مہاجرین کو اطلاع دی گئی کہ تمھارے بھائی انصار وہاں مشورے کر رہے ہیں، اُن کی خبر لو! کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی فیصلہ کر دیں۔ تو اطلاع پاتے ہی حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو اپنے ساتھ لے کر وہاں تشریف لے گئے، ایک انصاری ملے، وہ بھی بدریین میں سے تھے، انھوں نے پوچھا: کہاں جاتے ہو؟ حضرت ابوبکرؓ نے کہا: فلاں جگہ جاتے ہیں، انصاری نے کہا: وہ تو ایک چیز کا فیصلہ کر چکے ہیں، حضرت ابوبکرؓ نے کہا: نہیں ہم جائیں گے اور اُن سے بات کریں گے۔

خیر! وہاں پہنچے، اور وہاں پہنچنے کے بعد بیٹھے، اُن کا آدمی بات کر رہا تھا، اُن کے آپس کے مشورے چل رہے تھے، اُن کے آدمی کی جب بات پوری ہوئی تو حضرت عمرؓ کہتے ہیں: حضرت عمرؓ کا اپنا کلام یہ ہے کہ: وہ جس وقت بات کر رہا تھا اُس موقع پر مَیں نے اپنے دل کے اندر باقاعدہ ایک شاندار تقریر اُس کا جواب دینے کے لیے تیار کر رکھی تھی، إني زورت في نفسي مقالةً، "شرح عقائد" (۹) میں کلامِ نفسی کی مثال کے طور پر پیش کیا ہے، چناں چہ کہتے ہیں کہ: جب وہ بیٹھے اور مَیں اٹھ کر بولنا چاہتا تھا؛ لیکن حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ! حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ: مَیں اُن کو ناراض کرنا نہیں چاہتا تھا، مگر مجھے یہ اندیشہ تھا کہ -چوں کہ حضرت ابوبکرؓ تیز آدمی ہیں، ویسے تو طبیعت کے بڑے نرم تھے؛ مگر مزاج کے تیز تھے، غصہ آتا تھا- یہ غصہ ہو گئے تو کہیں بات بگڑ نہ جائے؛ اِس لیے میں چاہتا تھا کہ میں بات پیش کروں؛ لیکن جب مَیں نے اُٹھنا چاہا تو انھوں نے مجھے

بٹھا دیا، پھر خود اٹھے اور اٹھ کر ایک شاندار تقریر کی، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ: اللہ کی قسم! مَیں نے اپنے دل میں جو چیز سوچی تھی، اُنھیں ساری باتوں کو مجھ سے بھی بہتر انداز میں پیش کیا، اور حضرت ابوبکرؓ کی اس تقریر کو سننے کے بعد انصار میں سے بہت سوں کے خیالات میں تبدیلی آئی، اگر چہ اُن کی تقریر کے بعد ایک صاحب اَور کھڑے ہوئے، اور انھوں نے کچھ دوسری بات کی، منا أمیر ومنکم أمیر بھی کسی نے کہا تھا۔

بہرحال! یہ حضرت ابوبکرؓ کی شان خطابت تھی، جنھوں نے ثقیفۂ بنوساعدہ کے اس موقع کو بہت خوبی کے ساتھ سنبھال لیا۔

انسانی صلاحیتوں کا جلا

میں تو یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ: یہ ایک صلاحیت ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کے اندر رکھی ہے، بہت سے حضرات کے اندر یہ صلاحیت ودیعت ہوتی ہے؛ لیکن جیسا انسان کی دوسری صلاحیتوں کا حال ہے کہ، جتنی بھی صلاحیتیں اللہ تعالیٰ نے انسان میں رکھی ہیں وہ ساری صلاحیتیں اِس بات کی محتاج ہیں کہ، اُس کے اوپر محنت کی جائے۔ چناں چہ بخاری شریف میں روایت آئی ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے امانت کا جذبہ ہر انسان میں رکھا ہے، اب جو آدمی قرآن پاک کو پڑھے گا، حدیث پر عمل کرے گا تو قرآن وحدیث کی برکت سے امانت کی اس صفت – جو انسان کے قلب میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے رکھی ہوئی ہے– کو جلا حاصل ہوگا، اور اس میں ترقی ہوگی۔ جتنی بھی صفات اِنسان کے اندر ہیں وہ اللہ تبارک

وتعالیٰ کی طرف سے رکھی ہوئی ہیں، اُن تمام صفات کے ظہور کے لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ، اُس کے لیے ایک خاص انداز سے اُس کے مطابق محنت کی جائے، جب محنت کی جاتی ہے تو اندر کا کمال عیاں ہوتا ہے اور ظاہر ہوتا ہے، جن لوگوں کے اندر اللہ تعالیٰ نے خطابت کا مادہ رکھا ہے، تقریر کی صلاحیتیں رکھی ہے، اگر یہ لوگ چپکے بیٹھے رہیں گے تو یہ صلاحیتیں ظاہر نہیں ہوں گی، اُن کے ظاہر کرنے کے لیے ،اِن صلاحیتوں کو جلا دینے کے لیے اور اِن کو نمایاں کرنے کے لیے محنت کی اور مخصوص ماحول کی ضرورت ہے۔

چوں کہ ہم جو کچھ بھی پڑھتے پڑھاتے ہیں، تو اس سلسلے میں ہمیں حضور ﷺ کی ہدایت ہے: بلغوا عني ولو اٰية (۱۰)، کہ لوگوں تک پہنچانا ہے، اور پہنچانے کے لیے جتنا عمدہ، اچھا، دل نشیں اور مؤثر طریقہ اختیار کیا جائے گا اتنا ہی زیادہ فائدہ لوگوں کو پہنچے گا؛ اِس لیے اِس صلاحیت کو بھی اجاگر کرنے کی ضرورت ہے، اور اُس کو اجاگر کرنے کے لیے ہمارے مدارس کے اندر یہ سلسلہ بھی جاری ہے۔

''الدین'' کی نشأۃِ ثانیہ میں مفتی صاحب کا حصہ

الحمدللہ جامعہ کے اندر شعبۂ تقریر بھی ہے، اور ساتھ میں جیسا کہ ہمارے رپورٹ سنانے والے نے اور ساتھ ہی ساتھ بعد میں ایک اَور ہمارے طالب علم نے تحریر کی طرف توجہ دلائی، یہاں ہمارے مہتمم صاحب موجود ہیں، وہ تو ان کا موضوع تھا، مگر یہ سن کر میں بھی چوکنا ہوگیا، کہنے کا حاصل یہ ہے کہ: اِن چیزوں کی طرف توجہ دی جائے، تقریر کے ساتھ ایک سلسلہ تحریر کا ہے۔ میں آپ سے عرض

کروں: شروع میں جب مَیں یہاں جامعہ میں آیا، تو مَیں نے ہی ہمارے مہتمم صاحب: حضرت مولانا محمد سعید صاحب نور اللہ مرقدہ (۱۱) (موجودہ مہتمم صاحب کے والدِ محترم) سے درخواست کی تھی کہ: ہمارے جامعہ کے بانی حضرت مولانا احمد حسن صاحب بھامؒ (۱۲) ایک رسالہ گجراتی میں ''الدین'' کے نام سے نکالا کرتے تھے، اب وہ ختم ہو گیا، اُس کا ایک نمونہ موجود تھا، تو مَیں نے کہا: اب ہمارے یہاں اِس شعبے کے ماتحت طلبہ کی تحریری صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لیے ضرورت ہے کہ: ایک دیواری پرچہ شروع کیا جائے، اور چوں کہ ہمارے بزرگوں کا ایک نمونہ موجود تھا لہٰذا اِس دیواری پرچے کا نام بھی کوئی اَور دینے کے بہ جائے ''الدین'' ہی دے دیا جائے۔ چناں چہ پہلا پرچہ جو نکالا گیا تھا اُس کو نکالنے میں ہم نے زیادہ بڑھ چڑھ کر کے حصہ لیا تھا۔ اگر یہ سلسلہ آگے بڑھتا ہے تو میرے لیے بھی بڑی خوشی کا مقام ہے، کہ ایک سلسلہ یہاں شروع کروایا گیا تھا، ہمارے ہی توجہ دلانے کا اثر تھا، اب-جیسا کہ ہمارے بھائی نے کہا- اُس کی طرف جیسی توجہ ہونی چاہیے نہیں ہو رہی ہے، اللہ تعالیٰ اِس کے بھی مواقع میسر فرمائیں، حضرت مہتمم صاحب اِس کی طرف توجہ فرمائیں، اور مولانا واجد صاحب دامت برکاتہم بھی اِس کی طرف توجہ فرما کر طلبہ کو ترغیب دیں، تو اِن شاء اللہ یہ کام آگے بڑھے گا۔

خیر! یہ تمام سلسلے ہیں، اور اِن صلاحیتوں کے ذریعے سے اس زمانے کے اندر آدمی بہت کچھ خدمات انجام دے سکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ حضرات کو مواقع دیے ہیں؛ لہٰذا اس کی قدر کیجیے۔

جنھوں نے شکایت کی ہے اُن سے بھی کہوں گا: آپ اپنی محنتیں آگے بڑھائیے، آپ کی طرف سے جب طلب ہوگی اور محنتوں کے اندر بھی آپ آگے قدم رکھیں گے، تو دوسرے لوگ آپ کی طرف توجہ کرنے کے لیے مجبور ہوں گے۔

بہر حال! یہ آج کا جلسہ ہمارے لیے مہمیز کا کام دیتا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اِس سلسلے کو آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے، ہمارے جن بچوں نے سال بھر شعبے کی مجلسوں میں حصہ لے کر اِس سے فائدہ اٹھایا، وہ قابل مبارک باد ہیں۔ واقعۃً یہاں جو تھوڑی بہت محنت کی جاتی ہے، آگے جا کر اس کے نتائج ظاہر ہوتے ہیں، اور یہاں پر کی ہوئی یہ محنت بے کار نہیں جاتی، اِس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ آگے بھی کام لیں گے۔ اللہ تعالیٰ توفیق بخشے۔ وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین.

---

(۱) مشکوۃ ص:۴۰۹۔

(۲) أترضون أن يذهب الناس بالشاة والبعير وتذهبون بالنبي إلىٰ رحالكم [بخاري، كتاب المغازي، باب غزوة الطائف، ۲/ ۱۲۰]

(۳) مختارات میں ”الخطابة المعجزة “ کے عنوان سے ص:۲۹ پر ہے۔

(۴) ترجمہ: جو لوگ پکارتے ہیں تجھ کو دیوار کے پیچھے سے وہ اکثر عقل نہیں رکھتے اور اگر وہ صبر کرتے جب تک تو نکلتا ان کی طرف تو ان کے حق میں بہتر ہوتا۔

(۵) سیرۃ المصطفیٰ ۳/ ۶۰

(۶) سیرۃ المصطفیٰ ۳/ ۷۷

(۷) بخاری، کتاب المغازی، باب قصۃ الاسود العنسی۔ سیرۃ المصطفیٰ ۳/ ۱۹۹

(۸) مراسیل ابی داود ص:۱۲

(۹) شرح العقائد النسفیۃ ص:۵۴

(۱۰) بخاری، باب ما ذکر عن بني اسرائیل ۱/۴۹۱

(۱۱) جامعہ ڈابھیل کے ساتویں مہتمم۔ المتوفیٰ ۲/محرم الحرام ۱۴۱۱ھ

(۱۲) جنوبی افریقہ کے شہر جوہانسبرگ میں ۱۰/محرم الحرام ۱۳۳۷ھ میں انتقال فرما گئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

فضلاء سے اہم خطاب

پیش لفظ

نحمده و نصلي على رسوله الكريم.

مرشدالعلماء حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم کے گراں مایہ سرمایہ علوم و ہدایت میں بیانات کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے، حضرت والا عوام و خواص کے دلوں میں دین صحیح کو اتارنے کے لیے عام فہم بیان میں اپنی مثال آپ ہیں، جن لوگوں نے ''حدیث کے اصلاحی مضامین'' کی سات جلدوں کا مطالعہ کیا ہوگا وہ یقیناً اس بات کی گواہی دیں گے کہ احادیث مبارکہ کی عام فہم تشریح کی فیض رسانی ملت کے کسی مخصوص طبقے تک محدود نہیں؛ بلکہ وہ عوام اور اہل علم کے لیے یکساں طور پر مفید ہے، بڑے بڑے اہل علم نے اس کی گواہی دی اور کئی مساجد میں اس کو سنایا جاتا ہے۔

مگر ہنوز بیانات کا مجموعہ منصۂ شہود پر نہیں آیا، بعض احباب نے ابھی ابھی اس کام کی طرف توجہ مبذول فرمائی ہے، اللہ کرے وہ جلد از جلد وجود میں آجائے۔

''**فضلاء سے اہم خطاب**'' اسی سلسلہ کی ایک زریں کڑی ہے، یہ بیان ۷/ جمادی الاولی ۱۴۳۳ھ مطابق ۳۱/ مارچ ۲۰۱۲ء کو دارالعلوم سعادتِ دارین ستپون، بھروچ میں اہل علم کے درمیان کیا گیا تھا۔

دارالعلوم سعادت دارین ستپون سے گزشتہ گیارہ سالوں میں جو طلبہ فارغ التحصیل ہو کر گئے تھے، اہلِ مدرسہ نے اپنے ان قدیم فضلاء کو دعوت دے کر دو روزہ پروگرام بنایا تھا، جس میں فراغت کے بعد علمی خدمت کی انجام دہی میں کیا

دشواریاں پیش آرہی ہیں؟ نیز دیگر حالات معلوم کرنے کے ساتھ ان کونصیحت کرنے کے لیے حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم کو بھی دعوت دی تھی، اس پروگرام میں عربی ہفتم وششم کے طلبا کو بھی شریک کیا گیا تھا، اس موقعہ پر ان قدیم فضلاء سے جو گفتگو ہوئی وہ پیش خدمت ہے، واقعہ یہ ہے کہ اس خطاب کے مضامین اتنے اہم ہیں کہ تمام اہلِ علم اس کے مخاطب ہیں، اہلِ علم اس خطاب کے مطابق اپنی زندگی ڈھال لیں تو ان کے علمی کاموں میں جان پیدا ہو جائے گی۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

حضرت والا کے شاگرد، دار الافتا جامعہ ڈابھیل کے فاضل محترم مفتی سید جعفر علی (حال مقیم پنامہ) کے ہم شکر گزار ہیں کہ موصوف نے جب انٹرنیٹ پر یہ خطاب سنا تو ان کو بہت پسند آیا، راقم الحروف سے کہا کہ میں ضبط کر کے آپ کو روانہ کر دیتا ہوں، چنانچہ موصوف نے مختصر وقت میں من وعن نقل کر کے بہت جلد روانہ کر دیا، راقم الحروف نے اسے عناوین کا جامہ پہنا کر حضرت مرشد العلما کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی، حضرت والا نے از اول تا آخر بغور مطالعہ فرما کر اشاعت کی اجازت مرحمت فرمادی۔ فجزاهم الله تعالى خيراً.

راقم الحروف اہل علم سے مودبانہ درخواست کرتا ہے کہ کم از کم ایک مرتبہ اِس خطاب کو ضرور پڑھیں، ان شاءاللہ بہت فائدہ ہوگا۔ والله هو الموفق.

احقر: عبدالقیوم راجکوٹی (محمود نگر، ڈابھیل)

۴/ شوال المکرّم ۱۴۳۳ھ بوقت چاشت

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ نحمدہ و نستعینه و نستغفرہ، و نؤمن به و نتوکل علیه، و نعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا، و نعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا،و نعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا، من یهدہ اللّٰہ فلا مضل له، و من یضلله فلا هادی له، و نشهد ان لااله الااللّٰہ وحدہ لاشریک له، و نشهد ان سیدنا و مولانا محمدا عبدہ و رسوله، صلی اللّٰہ تعالی علیه و علی اٰله و اصحابه و بارک و سلم تسلیما کثیرا. أمابعد:

اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم –بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم ﴿رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِیۡهِمۡ رَسُوۡلاً مِنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِکَ وَیُعَلِّمُهُمُ الۡکِتَابَ وَالۡحِکۡمَةَ وَیُزَکِّیۡهِمۡ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ﴾ (البقرة: ١٢٩)

وقال تعالٰی: ﴿مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ رِجَالٌ صَدَقُوۡا مَاعَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیۡهِ فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ قَضٰی نَحۡبَهٗ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ یَّنۡتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوۡا تَبۡدِیۡلاً﴾ (الأحزاب:٢٣)

وقال تعالٰی:﴿وَجَعَلۡنَا مِنۡهُمۡ اَئِمَّةً یَّهۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا لَمَّا صَبَرُوۡا وَکَانُوۡا باٰیٰتِنَا یُوۡقِنُوۡنَ﴾ (السجدة:٢٤)

وقال تعالٰی:﴿قُلۡ هَلۡ یَسۡتَوِی الَّذِیۡنَ یَعۡلَمُوۡنَ وَالَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ﴾ (الزمر:٩)

وقال النبی ﷺ:﴿وَ إِنَّ الۡعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الۡأَنۡبِیَاءِ، وَإِنَّ الۡأَنۡبِیَاءَ لَمۡ

يُوَرِّثُوا دِيْنَاراً وَلا دِرْهَماً، وَرَّثُوا العلم (أبوداؤد)

حضرات اساتذہ اور میرے معزز فضلاء کرام اور عزیز طلبا!

میں جب یہاں آیا تو یہ سوچ رہا تھا کہ آپ حضرات سے کیا عرض کروں؟ رات اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ: اے اللہ! جو چیزیں مفید ہوں ان کو پیش کرنے کی توفیق اور سعادت عطا فرما، فجر کے بعد اتنی ساری باتیں ذہن میں آئیں کہ اب سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ کیا بات پیش کروں اور کیا چھوڑوں؟ کسی ترتیب کا لحاظ کئے بغیر متفرق باتیں میں آپ حضرات کی خدمت میں پیش کرتا ہوں:

اہلِ علم کا مقام

پہلی بات تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو مقام ہمیں عطا فرمایا ہے اس کو سمجھنے اور محسوس کرنیکی ضرورت ہے، میں نے نبی کریم ﷺ کا جو ارشاد پیش کیا، اس سے آپ بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ منصب حضراتِ انبیا کرام کی وراثت اور جانشینی کا ہے، اسی لئے جو مقاصد حضراتِ انبیا کی بعثت کے ہیں، یعنی وہ حضرات جن کاموں کو انجام دینے کے لئے دنیا میں تشریف لائے تھے؛ انہیں کاموں کو ہمیں بھی انجام دینا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں نبیٔ کریم ﷺ کی بعثت کے مقاصد کو بہت ساری جگہوں پر واضح الفاظ میں بیان فرمادیا ہے: سب سے پہلا موقعہ سیدنا حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی دعا کا ہے جو انہوں نے تعمیرِ کعبہ کے موقعہ پر کی تھی، جس میں حضورِ اکرم ﷺ کی بعثت کے مقاصدِ ثلاثہ - تلاوتِ آیات، تعلیمِ کتاب وحکمت، اور تزکیہ - بیان فرمائے ہیں، دوسری جگہوں پر بھی اللہ تعالیٰ نے

ان کو بتلایا ہے۔

آپ امت کی امانت ہیں

ایک اور بات بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ اپنے آپ کو یہ نہ سمجھیں کہ ہم اپنی ذات کے مالک ومختار ہیں؛ بلکہ آپ کا وجود امت کی امانت ہے، اور بحیثیت عالم کے آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو علمی وجود اور تشخص عطا فرمایا ہے، آپ کے اس علمی وجود کو دنیا میں لانے میں ذریعہ یہ مدرسہ بنا ہے، اور امت کے افراد اس مدرسہ کا تعاون کر رہے ہیں، ہمارے جتنے بھی مدارس چل رہے ہیں ان کے مصارف امت کے افراد کیوں برداشت کرتے ہیں؟ اس لئے کہ ان کے سامنے یہ بات پیش کی جاتی ہے کہ امت کی بقا جن چیزوں پر موقوف ہے، ان میں ایک یہ بھی ہے، اس لئے کسی نے چاہے فیس بھر کر ہی اپنے مدرسہ کا زمانہ پورا کیا ہو، لیکن ہم اور آپ جانتے ہیں کہ جو فیس ادا کی جاتی ہے وہ تو صرف کھانے کا معاوضہ بھی نہیں ہوتا، پھر یہ تعمیرات اور تعلیمی سلسلہ اور تربیت کا نظام جو مدارس میں جاری ہے، آج دنیا میں اگر کوئی آدمی ان چیزوں کو حاصل کرنا چاہے تو ہزاروں روپئے خرچ کرنے پڑتے ہیں، چھوٹے چھوٹے بچوں کو انگلش میڈیم اسکولوں میں بھیجا جاتا ہے، ان کے لئے کتنی بڑی فیس ادا کی جاتی ہے! فیس تو اپنی جگہ پر رہی؛ نفس داخلہ کے لئے ڈونیشن (Donation) کے نام سے رشوت کی بڑی بڑی رقمیں جو پیش کی جاتی ہیں، اور پھر ان کے ٹرانسپورٹنگ (Transporting) اور یونیفارم (uniform) اور کتابوں وغیرہ کا خرچہ جو ہزاروں اور لاکھوں روپئے ہوتا ہے؛ لیکن وہ لوگ

وصول کرتے ہیں، تب جا کر کوئی ڈاکٹر بنتا ہے، کوئی انجینئر بنتا ہے، آج کل ڈاکٹروں کی فیس جو بڑھتی جارہی ہیں وہ سب اسی لئے ہے کہ ان کے پیشِ نظر تو دنیا ہے؛ لیکن ہمیں اللہ تعالی نے محض اپنے فضل سے اپنے دین کی خدمت کے لئے منتخب اور سلیکٹ (Select) کر کے یہاں بھیجا اور پھر ہمیں علمی وجود ملا، وہ اِن ہی تمام مسلمانوں کی محنتوں سے ہے، اس لئے آپ یوں نہ سمجھیں کہ میں اپنا مالک ومختار ہوں ؛ بلکہ آپ تو پوری امت کی امانت ہیں، آپ کو عالم بنانے میں ایک ایک مسلمان نے حصہ لیا ہے، اس لئے عالم بننے کے بعد آپ اپنے آپ کو اس لائن سے الگ کرلیں اور کسی ایسے مشغلے میں لگا دیں جس میں مسلمانوں کو علمی اعتبار سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ رہا ہے تو یوں سمجھئے کہ آپ نے اپنے فرضِ منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی کی اور آپ امانت میں خیانت کا ارتکاب کر رہے ہیں، سیدھی بات ہے! یہ نہ سمجھئے کہ میں جو چاہوں کروں! بلکہ اب آپ کو ہر جگہ علمی فائدہ ہی پہنچانا ہے، ایک بات تو یہ ہوئی۔

ہمارا سلسلہ مجاہدہ وصبر والا ہے

دوسری بات یہ کہ ہمارا یہ سلسلہ بقول حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی نور اللہ مرقدہ: پہلے ہی دن سے مجاہدہ اور صبر والا ہے، آپ نے جس دن کسی مدرسہ میں داخلہ کے لئے داخلہ فارم کی خانہ پری کی تھی، اسی دن گویا اللہ تعالی سے ایک عہد و پیمان کیا تھا کہ اے اللہ! میں تیرے دین کا علم حاصل کرنے جارہا ہوں، اور علم حاصل کرنے کے بعد پھر اس کے جو تقاضے ہیں ان پر خود بھی عمل کروں گا اور

تیرے دوسرے بندوں تک اس کو پہنچاؤں گا، اس لئے اب ہمیں اس معاہدہ کو زندگی کی آخری سانس تک نبھانا ہے ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ﴾۔

ہمارے اس سلسلہ کے اکابر کی زندگیاں وسوانح اور ان کے حالات ہمارے سامنے ہیں، ان حضرات نے اپنے آپ کو اِس لائن میں ڈال کر اللہ تعالی کے ساتھ جو عہد و پیمان کیا تھا، اسے علمی و عملی طور پر پورا پورا نبھایا، اب ہماری باری ہے اور اللہ تعالی دیکھ رہے ہیں کہ ہم اپنے اس عہد و پیمان کو نبھا رہے ہیں یا نہیں؟ وہ حضرات ﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ﴾ والے تھے، اور ہم ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ﴾ میں ہیں، اگر ہم نے اپنی ذمہ داری کو ادا نہیں کیا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ کل کو میدانِ حشر میں اپنے بڑوں کے سامنے منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں، یہ بہت اہم چیز ہے جس کو پیشِ نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔

میں نے ایک اور آیت تلاوت کی: ﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ﴾ ہماری یہ لائن تو پوری کی پوری صبر ہی کی لائن ہے، آپ نے بخاری شریف میں ’’**کتاب المغازی**‘‘ میں پڑھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کچھ سونا ایک چمڑے کے اندر رکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چار آدمیوں کے درمیان تقسیم کر دیا، تو اس پر ایک آدمی بولا کہ اس کے زیادہ حقدار تو ہم تھے، اور ایک آدمی نے تو کھڑے ہو کر برسرِ مجلس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ﴿اِتَّقِ اللّٰهَ﴾ اللہ سے ڈرو، ذرا غور کیجئے کہ ’’**اتق اللّٰه**‘‘ کا جملہ

کس کو کہا جا رہا ہے؟ نبی کریم ﷺ کو کہا جا رہا ہے، اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ حضورا کرم ﷺ کو بھی ایسے جملے کہنے والے تھے، لیکن حضورا کرم ﷺ جواب میں فرماتے ہیں کہ: اگر میں اللہ تعالی سے نہیں ڈروں گا تو کون ڈرے گا؟ اللہ تعالی سے سب سے زیادہ ڈرنے کا حقدار تو میں ہوں، اور تو مجھے کہتا ہے کہ اللہ سے ڈرو! اللہ تعالی نے اپنے پیغامات بندوں کو پہنچانے کے معاملہ میں مجھ پر اعتماد کیا، اور تم کو اِس مال کی تقسیم میں میرے اوپر اعتماد نہیں؟

حضورا کرم ﷺ کو ایسی ایسی تکلیفیں پہنچائی گئیں کہ ہم اور آپ تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے، خود باری تعالی اس کی گواہی دیتے ہوئے آپ ﷺ کو تسلی دیتے ہیں: ﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّکَ یَضِیْقُ صَدْرُکَ بِمَایَقُوْلُوْنَ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَکُنْ مِنَّ السّٰجِدِیْنَ﴾ لوگوں کی باتیں سن کر ہمارے دلوں پر جو آرے چلتے ہیں نا، یہ تو ہمارا انعام ہے، اور یہ انعام تو ہم پہلے دن سے ہی لیتے چلے آرہے ہیں، اس لئے ایسی چیزیں اگر ہمیں پیش آئیں تو اس کی وجہ سے ہمت ہارنے کی، یا اپنے کام سے ہٹنے کی ذرا بھی ضرورت نہیں ہے، آج کل ہم لوگوں کی تربیت میں کمی کی وجہ سے ہوتا یہ ہے کہ ذرا سا ایسا کوئی معاملہ پیش آیا تو ہم اس لائن کو چھوڑ کر دوسرا کوئی کاروبار شروع کر دیتے ہیں، ارے بھائی! اگر دوسرا کاروبار ہی کرنا تھا تو اتنے دن مدرسے میں کاہے کو لگائے؟

ہمارے والد صاحب کے ایک بڑے پکے دوست تھے، انہوں نے اپنے بچے کو انگریزی کی اعلی تعلیم دلوائی، اس لڑکے نے سٹیفکیٹ حاصل کرنے کے بعد

بھی مزید پانچ سات سال لگائے، پھر فراغت کے بعد اس کو ایک جگہ پر سرکاری ملازمت ملی اور اس میں بھی بہت اچھی تنخواہ تھی؛ لیکن اس نے جو فن پڑھا تھا اور جو سٹیفکیٹ اور سندیں حاصل کی تھیں اس کے اعتبار سے یہ ملازمت بہت نچلے درجہ کی تھی، جب وہ لڑکا ملازمت پر لگا تو اس کے والد کہنے لگے کہ: اگر تجھے یہی کام کرنا تھا تو پانچ سال مزید کیوں لگائے؟ گویا تخصص کے جو سال تو نے لگائے اس میں تو نے میرے پیسے بھی برباد کئے، اور اپنا وقت بھی برباد کیا، اگر اسی دن سے اس ملازمت پر لگ جاتا تو تیری قدامت اور سینئر یٹی (Seniority) بھی ہو جاتی اور اِس لائن میں تو مزید ترقی کر جاتا، اس طرح گویا تو نے اپنی ترقی بھی گھٹائی۔

خیر! میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ کو دنیا کا ہی کوئی دھندا کرنا تھا تو پہلے ہی دن سے وہاں لگ جاتے تو آج تک تو کہاں سے کہاں پہنچ جاتے اور بہت زیادہ پیسے کما لیتے، اور آپ جو کام کر رہے ہیں اس میں آپ کو مزید قدامت اور ترقی حاصل ہو جاتی، اور جس مقصد کے لئے وہ کام کر رہے ہیں وہ مقصد بھی علی وجہ الاتم حاصل ہو گیا ہوتا، یہاں مدرسہ میں کیوں آئے تھے؟ یہاں اتنے سال گنوانے اور پھر دو چار سال اِدھر اُدھر کرنے کے بعد اس میں لگنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس لئے بھائی! یہ راستہ تو صبر کا ہے۔

اور اللہ تعالی کے وعدوں پر یقین بھی ہونا چاہئے، ﴿وَكَانُوا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ﴾ اللہ تعالی کے وعدوں پر یقین بھی لازم اور ضروری ہے، ایک عالم تھے، انہوں نے اپنے بچوں کو دینی علوم پڑھانے کے بجائے عصری علوم میں لگایا، کسی کو

انجینئر بنایا، کسی کو ڈاکٹر بنایا، وہ ہمارے ایک استاذ کے ساتھی تھے، تو ہمارے استاذ کہتے تھے کہ: اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کو اپنے علم پر یقین نہیں ہے، بھائی! ایک آدمی ڈاکٹر ہے اور ڈاکٹری کا پیشہ کرتا ہے، اگر وہ اپنے بچہ کو ڈاکٹر نہ بنائے؛ بلکہ انجینئر بنائے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ اس کو اپنے ڈاکٹری کے اس پیشہ پر اطمینان نہیں ہے، وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں نے تو بھول کی تھی؛ مگر اپنے بچوں کو میں اس غلطی میں ڈالنا نہیں چاہتا، تو آپ نے دینی علم پڑھا؛ لیکن اپنے بچوں کو دینی علوم کے بہ جائے دنیوی علوم میں لگائیں گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ یوں سمجھ رہے ہیں کہ یہ علم پڑھ کر ہم نے غلطی کی ہے، اور اپنی زندگی کو برباد کیا ہے، اب بھلے ہی میری زندگی تو برباد ہوئی اور میرے ماں باپ نے یہ بھول کی؛ لیکن میں اپنی اولاد کو برباد کرنا نہیں چاہتا، یہی تو مطلب ہوا اور کیا ہوا؟ تو آپ کا یہ طرز ﴿وَ كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یُوْقِنُوْنَ﴾ کے تقاضہ کے سراسر خلاف ہے، اس لئے اللہ تعالی کے وعدوں پر یقین کی بڑی اہمیت ہے۔

تو میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ ہماری یہ لائن صبر و تحمل کی ہے، نبی کریم ﷺ کو اپنوں نے بھی اور غیروں نے بھی بہت تکلیفیں پہنچائیں؛ لیکن آپ ﷺ اپنے مقصد سے ذرہ برابر بھی نہیں ہٹے، اور صرف تکلیفیں ہی نہیں؛ بلکہ لالچیں بھی دی گئیں، اب ہمارے یہاں بھی حکومتی پیمانے پر کچھ شکلیں ایسی آرہی ہیں جس میں لالچ بھی دیا جارہا ہے، حضور اکرم ﷺ کو کتنا بڑا لالچ دیا تھا! ابوطالب کی خدمت میں قریش کے چودھریوں کا جو وفد آیا تھا، انہوں نے تین شکلیں پیش کی تھیں کہ آپ کے بھتیجے

نے ایک نیا سلسلہ شروع کر رکھا ہے کہ ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہیں جس کی وجہ سے لڑائی جھگڑے ہو رہے ہیں اور گھر گھر میں فتنہ پیدا ہو چکا ہے، اس سے ان کا مقصد کیا ہے؟ اگر ان کو مال چاہئے تو بولو! جتنا مال وہ چاہیں ہم دینے کے لئے تیار ہیں، اگر ان کو کوئی حسین عورت چاہئے تو عرب کی کوئی حسینہ بتائیں ہم اس کے ساتھ ان کا نکاح کرادیں گے، اگر ان کو سرداری چاہئے تو ہم ان کو سردار ماننے کے لئے بھی تیار ہیں، دیکھو! وہ لوگ آپ ﷺ کو سردار اور بڑا ماننے کے لئے تیار تھے؛ لیکن ان کا مقصد یہ تھا کہ ہم جو کرتے ہیں وہ ہمیں کرنے دو، ہمارے مسائل میں دخل نہ دو، مگر اللہ تعالی کا حکم یہی تھا کہ اس معاشرہ میں ایک انقلاب پیدا کرنا ہے، وہ یہ چاہتے تھے کہ ہمیں اپنی خواہشات اور مرضی پر چلنے دو، ہم آپ کی بڑائی تسلیم کرتے ہیں؛ لیکن نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالی کا حکم یہ تھا کہ ہمیں آپ کی بڑائی منظور نہیں، ہم تو اس معاشرہ کو اپنے احکامات کے مطابق ڈھالنا چاہتے ہیں، اسی پر محنت کرنے سے اللہ تعالی آپ کو بھی عزت دے گا۔

تو میری بات سمجھ میں آئی یا نہیں کہ اِس راہ میں جہاں تکلیفیں پہنچائی جاتی ہیں، دھمکیاں دی جاتی ہیں، وہیں لالچیں بھی دی جاتی ہیں؛ لیکن ہمارا حال تو یہ ہونا چاہئے کہ نہ اِس کی پرواہ کریں اور نہ اس سے للچائیں۔

آج کل کے فضلاء کی کمزوری

ہمارے اندر تو ایک دھن ہونی چاہئے اور اسی دھن کو لے کر آگے بڑھیں، آج کل ہمارے فضلاء کی سب سے بڑی کمزوری یہی ہے کہ ہم نے اپنے مقصد

زندگی کو بھلا دیا ہے، ہم ان مدرسوں میں آنے کے بعد بھی یوں سمجھتے ہیں کہ ہم یہ پڑھتے اس لئے ہیں؛ تاکہ ہمیں کوئی ملازمت مل جائے اور اِس لائن سے ہم دوروٹی کمانے لگیں، اللہ تعالی ہماری حفاظت فرمائے۔ (آمین)

اگر اسی لئے علم حاصل کیا ہے تو ''نورالایضاح'' اٹھا کر دیکھ لو، اس کے مقدمہ میں حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ نے لکھا ہے کہ: وہ پہلوان جو اکھاڑے کے اندر اپنی پہلوانی کے فن سے دنیا کماتا ہے، وہ بہتر ہے اس عالم سے جو اِس علم کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنائے، آپ نے اگر یہی مطلب سمجھا ہے تو اِس سے بڑی حماقت اور کیا ہوگی؟ پھر آپ مدرسہ میں آئے ہی کیوں تھے؟ آپ دنیوی علوم حاصل کرتے، حکومتی پیمانے پر چوتھے گریڈ کے ملازم اور کرمچاری (કર્મચારી) کو اتنی تنخواہ ملتی ہے کہ ہمارے شیخ الحدیث صاحب کی تنخواہ سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے، شیخ الحدیث صاحب کی تنخواہ پانچ ہزار یا سات ہزار ہوتی ہے، اور سرکاری چوتھے گریڈ کے ملازم اور کرمچاری (કર્મચારી) کی تنخواہ ٢٠/ ہزار ہوتی ہے، اسکولوں کے اندر پرائمری اسکول کے ٹیچروں کی تنخواہیں ٢٥/ ہزار سے ٥٠/ ہزار تک ہوتی ہے، اگر کمانا ہی تھا تو یہاں کیوں آئے؟ کہیں ماسٹر بن جاتے! میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ آج ہماری ذہنی سوچ بدل گئی ہے۔

یہ خدمت ہے؛ نوکری نہیں

اور دیکھو! کسی بات کی تعبیر آدمی کے دلی جذبات کی ترجمان ہوتی ہے، آج اگر کسی سے پوچھو کہ: آپ کیا کرتے ہیں؟ تو اس کا جواب ہوتا ہے کہ فلاں

جگہ نوکری کرتا ہوں، یہ نہیں کہتے کہ فلاں جگہ پڑھاتا ہوں، بھائی! آپ نوکری نہیں کرتے؛ بلکہ آپ کو تو یوں کہنا چاہئے کہ میں فلاں جگہ دِین کی خدمت انجام دے رہا ہوں، یہ نوکری نہیں ہے؛ بلکہ خدمت ہے، اگر نوکری کرنی تھی تو آپ اِس کو چھوڑ کر دوسری جگہوں سے بہت کچھ حاصل کر سکتے تھے، اور جو کچھ آپ کو دیا جارہا ہے وہ آپ کی خدمت کا معاوضہ نہیں ہے۔

ہمارے فقہ حنفی میں تو تعلیمِ دین پر اجرت جائز ہی نہیں ہے، مشائخِ متقدمین، ائمہ ثلاثہ احناف کا مسلک یہی ہے، لیکن متاخرینِ مشائخِ احناف نے زمانہ کے حالات میں تبدیلی آنے کی وجہ سے تعلیمِ قرآن پر اجرت کی گنجائش دی ہے، ہمارے اکابر کو اللہ پاک جزائے خیر دے، (آمین) کہ انہوں نے ائمہ احناف کا جو اصل مسلک تھا اور مشائخِ متاخرین نے زمانہ کے تقاضہ کی وجہ سے جو پہلو اختیار کیا ہے، ان دونوں کو جمع کرنے کی کتنی بہترین صورت بتلائی:

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ:

اگر آپ کے پاس اپنے گزر بسر کے لئے کچھ نہیں ہے تو کوئی بات نہیں، آپ تنخواہ لے کر پڑھائیں؛ لیکن آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں پڑھانے کا معاوضہ لے رہا ہوں؛ بلکہ یہ سمجھئے کہ میں تو لوجہ اللہ یہ خدمت انجام دے رہا ہوں؛ البتہ میں ان کی دینی ضرورت پوری کرر ہا ہوں، تو وہ لوگ کچھ دے کر میری دنیوی ضرورت پوری کررہے ہیں، اور دینے والے بھی یہ نہ سمجھیں کہ ہم ان کو پڑھانے کا معاوضہ دے رہے ہیں، اس لئے کہ جو دے رہے ہیں، دنیوی اعتبار سے اگر اس کا اندازہ لگایا

جائے تو وہ اتنا نہیں ہے جوان کو ملنا چاہئے ، گویا دونوں کو کتنی بہترین تعلیم دی ہے، اسی لئے ہمارے اکابرین کا مشورہ ہمیشہ یہی رہا کہ کبھی بھی مال پیشِ نظر نہ رہے۔

بیرون ملک کی پیش کش پر کیا کریں؟

ایک اور بات یہ ہے کہ آپ جہاں کام کررہے ہیں، اورآپ کے ذریعہ سے اللہ تعالی کچھ کام لے رہے ہیں، تواس جگہ کو نہ چھوڑیئے، اس لئے کہ ہوتا کیا ہے؟ کسی جگہ کوئی عالم اگراچھا کام کررہا ہوتا ہے تو اس کو انگلینڈ اورافریقہ سے آفر (Offer) ملتی ہے، اس لئے کہ وہ لوگ تو اچھے آدمیوں کو ڈھونڈھتے ہیں، اور جان کاروں سے پوچھتے رہتے ہیں کہ آپ کے یہاں کام کا کوئی اچھا آدمی ہے؟ اگر کسی نے بتلا دیا کہ ہاں بھائی! فلاں گاؤں میں فلاں مولانا صاحب بہت کام کررہے ہیں، اور ہم نے سنا ہے کہ بڑی محنت ہورہی ہے اور وہاں ان سے بڑا افائدہ ہورہا ہے تو بس! ایک جگہ کچھ اچھا کام ہورہا تھا اس پر بھی ڈاکہ ڈالا جاتا ہے، اب ان مولوی صاحب پر وہاں سے خط آئے گا کہ آپ ہمارے یہاں آجایئے، ایسے موقعہ پر ان مولوی صاحب کو چاہئے کہ ان کو جب پیشکش کی گئی تو اس سلسلہ میں کوئی جواب دینے سے پہلے اپنے بڑے جن کے ہاتھ میں اپنی لگام دے رکھی ہے، ان سے مشورہ کرلیتے ، یہ بہت ضروری چیز ہے، ہمارے تمام اکابرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فراغت کے بعد کسی دینی خدمت میں لگنے سے پہلے اپنے آپ کو کسی کے حوالے کرو، اوراپنی اصلاح کے بعد پھر اِس کام میں لگو، اور بعد میں ہر ہر معاملہ میں ان سے مشورہ کرتے رہو، اس لئے ان کو چاہئے کہ اپنے بڑوں کے سامنے یہ

بات پیش کریں کہ ایسی صورت حال ہے، اور میں تو کہتا ہوں کہ خود بھی ان کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اگر وہ لوگ زیادہ اصرار کرتے ہیں تو ان سے ہی کہو کہ آپ مجھے بلانا چاہتے ہیں تو آپ ہی وہاں جاؤ، اور ان سے کہو، میں تو نہیں آتا، اگر وہ مجھے حکم دیں گے تو میں تیار ہوں، یہ دو چیزیں الگ الگ ہیں: ایک تو وہ ہمیں حکم دیں کہ فلاں جگہ جاؤ، اور ایک ہم بہ اصرار پوچھیں، کبھی وہ ہماری کمزوری کو دیکھ کر اجازت دے دیتے ہیں کہ اگر اِس کو نا کہوں گا تو یہاں سے بھی چھوڑ دے گا، اور کسی ہوٹل پر جا کر بیٹھ جائے گا، یا دوسرا کوئی دھندا اختیار کر لے گا، اس لئے وہ ہماری کمزوری کے پیشِ نظر گنجائش پر عمل کرتے ہوئے اجازت دے دیتے ہیں کہ چلو! یہاں نہیں تو وہاں دین کے کام پر تو لگا رہے گا!

جتنے بھی اچھا کام کرنے والے دنیا کی نسبت پر بیرون ممالک میں گئے ہیں، ان میں بڑے بڑے باصلاحیت لوگ تھے، عمدہ استعدادیں تھیں، حدیث پڑھانے والے تھے، اور اپنے اپنے فن کے بڑے اچھے ماہرین تھے، انگلینڈ یا ساؤتھ یا جہاں جہاں بھی محض اس وجہ سے گئے کہ یہاں تنخواہ کم ہے اور وہاں زیادہ تنخواہ ملے گی، آپ جا کر دیکھ لو، میں آپ کو چیلنج سے کہتا ہوں کہ وہاں جا کر کسی ایک سے بھی کوئی بڑا کام نہیں ہوسکا، حالانکہ یہاں ان سے بہت اچھا کام ہو رہا تھا، جب اس کو چھوڑ کر چلے گئے تو وہاں کسی ایک سے بھی کوئی بڑی خدمت نہیں ہوسکی، ہاں! جو حضرات اپنے بڑوں کے حکم سے گئے ہیں، اور جن کو ان کے بڑوں نے بھیجا ہے، حالانکہ وہ کہتے رہے کہ: نہیں حضرت! میں تو یہاں ہی رہنا چاہتا ہوں، مجھ

سے یہاں فائدہ ہورہا ہے لیکن بڑوں نے کہا: نہیں! میں حکم دیتا ہوں کہ تم وہاں جاؤ تو ان سے پھر اللہ تعالی نے وہاں بھی بڑا کام لیا۔

مشورہ کا ادب

اور میں ہمارے احباب سے کہتا رہتا ہوں کہ مشورہ لینے کا انداز بھی صحیح ہونا چاہئے، ہم مولوی لوگ ہیں نا! اس لئے ظاہر ہے کہ سوالِ مقدر کے جوابات بھی پہلے سے تیار کرلیا کرتے ہیں، اب خود کو جانا ہے تو بات اس انداز سے پیش کرتے ہیں کہ حضرت بھی سن کر یوں کہہ دیں کہ: ''ہاں! ایسا ہے تو پھر ٹھیک ہے، وہاں جانا چاہئے'' وہ جانتا ہے کہ میں یوں یوں کہوں گا تو حضرت یہی مشورہ دیں گے، تو کان کھول کر سن لو! یہ مشورہ نہیں ہے؛ بلکہ یہ تو دھوکہ دینا ہے، اور خیانت ہے، ہمارا قلب ہمارے ساتھ خیانت کرتا ہے، اور اس کے نتیجہ میں ہم اپنے شیخ کے ساتھ خیانت کرتے ہیں، اس خیانت کے نتیجہ میں جو مشورہ ملا ہوگا اس میں کوئی برکت نہیں ہوگی، یاد رکھنا کہ یہ شیخ کا مشورہ نہیں ہے۔

اور یہ مشورہ بھی ہم اس لئے لیتے ہیں؛ تاکہ دنیا کو بتا سکیں کہ میں نے تو شیخ کے ساتھ مشورہ کیا تھا، یہ مشورہ تو دنیا کے سامنے اپنا بھرم قائم رکھنے کے لئے ہے؛ تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ یہاں اتنا اچھا کام ہورہا تھا، اس کو چھوڑ کر انگلینڈ اور افریقہ چلا گیا، اگر کوئی ایسا کہے تو اس کو بڑی زور سے یہ کہہ سکے کہ: ارے! میں نے تو حضرت سے مشورہ کیا تھا، حضرت نے مجھے اجازت دی، درحقیقت یہ مشورہ لوگوں کا منھ بند کرنے کے لئے ہے، اور کچھ نہیں۔

تو میں یہ عرض کرر ہا تھا کہ مال مقصود نہ ہو؛ بلکہ کام مقصود ہو، اور ہمارا اور آپ سب کا ایمان ویقین ہے کہ روزی تو اتنی ہی ملے گی جتنی اللہ تعالی کے یہاں مقرر ہے، ہمارے لئے اللہ تعالی کے یہاں جو مقرر ہے اس سے ایک دانہ بڑھ نہیں سکتا اور ایک دانہ گھٹ نہیں سکتا، ساری دنیا مل کر ایک دانہ کا اضافہ نہیں کرسکتی، اور ساری دنیا مل کر ایک دانہ کی کمی نہیں کرسکتی، جب ہمارا ایمان ہے تو پھر یہ کیا بات ہے کہ ہم اس سوچ میں پڑے ہوئے ہیں۔

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ تو فرماتے تھے کہ: کسی کے سامنے اپنی مادی ضرورت کا اظہار بھی نہ کرو! اگر آپ اظہار کرر ہے ہیں تو گویا اپنے آپ کو اس کے سامنے ذلیل کرر ہے ہیں، اور صرف اپنے آپ کو ہی نہیں؛ بلکہ علما کے پورے گروہ کو اس کی نگاہوں سے گرا رہے ہیں، اور اگر آپ کے کہنے سے اس نے دو پیسے دے بھی دیئے تب بھی اس کے دل میں آپ کی وقعت کم ہو جائے گی:

اے طائر لاہوتی! اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہے پرواز میں کوتاہی

ہم جہاں کام کرتے ہیں، وہاں اگر کوئی بڑے سے بڑا مالدار ہو تو اس کے ساتھ بھی آپ کو اسی طرح محبت سے پیش آنا ہے جیسے ایک غریب کے ساتھ پیش آنا ہے، دینی خیر خواہی کی نسبت پر دونوں سے یکساں معاملہ ہونا چاہئے، اگر اس کے پاس دو پیسے ہیں تو مال کی نسبت پر اس کے ساتھ کوئی ترجیحی سلوک کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ہاں! اگر واقعۃً وہ اپنے پیسوں کو دین کی خدمت میں استعمال کرتا ہے،

اور دین کے کاموں میں آگے آگے رہتا ہے تو اس کے دین کے کاموں میں حصہ لینے کی وجہ سے اگر آپ اس کے ساتھ کوئی خاص سلوک کریں، تو بات دوسری ہے، لیکن صرف پیسوں کی وجہ سے ایسا نہیں کرنا چاہئے، اب ہمارا معاملہ کس کے ساتھ کس نسبت پر ہے یہ تو اللہ تعالی جانتا ہے، دل کا معاملہ اللہ تعالی کے ساتھ ہے۔

تنخواہ میں اضافے کی درخواست

اور ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ تو مدرسہ میں یہ درخواست دینے کی بھی اجازت نہیں دیتے تھے کہ ہماری تنخواہ بڑھاؤ، ویسے جو منتظمین ہیں ان کو خود ہی چاہئے کہ مدرسین کی ضرورتوں کا لحاظ کرتے ہوئے اور زمانہ کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے اضافہ کریں، جو منتظمین اس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ مدرسین درخواست دیں اور ہم اضافہ کریں، وہ بھی درحقیقت اپنے فرضِ منصبی کو ادا نہیں کرتے، یہ ان کی کوتاہی ہے، فتاوی رحیمیہ میں حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ نے بہت تفصیل سے یہ مسئلہ لکھا ہے؛ لیکن اگر منتظمین اضافہ نہیں کرتے تو ہمیں کوئی درخواست دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

اور لوگوں کا حال تو یہ ہے کہ درخواست دینے کے بعد کمیٹی والے اگر آپ کی تنخواہ میں اضافہ کریں گے نا! تب بھی گویا وہ احسان جتلاتے ہیں جیسے کہ اپنی جیب میں سے دیرہے ہوں، ارے بھائی! اس نے اپنی جیب میں سے نہیں دیا ہے، وہ تو دوسرے بندوں کی دی ہوئی رقم ہے؛ لیکن پھر بھی وہ آپ پر احسان جتلائیں گے، اور اس کا بڑا نقصان یہ ہوگا کہ آپ کی قدر و قیمت ان کے دل سے

گھٹ جائے گی، اب غور کیجئے کہ اگر سو، دوسو، پانچ سو، یاہزارروپئے بڑھا بھی دیئے؛تو کیافائدہ ہوا؟

جب میں پڑھانے کے لئے ۱۹۶۹ء میں ڈابھیل آیا، اور میرا تقرر ہوا تو میں آپ کو بتاوں کہ میری تنخواہ ۱۲۸/ روپئے طے ہوئی تھی؛ لیکن ابھی وہ ۱۲۸/ روپئے تنخواہ وصول کروں اس سے پہلے ہی تنخواہ بڑھ کر ۲۱۰/ یا ۲۱۵/ روپئے ہوگئی تھی، اِس لئے میں تو کہتا ہوں کہ اللہ تعالی کے سامنے اپنی حاجتیں پیش کرو، اوراپنے اِس مزاج کوختم کرو، الحمدللہ! آج تک کبھی کوئی درخواست نہیں دی، اور نہ ایسی کسی درخواست پرکبھی دستخط کئے۔

اورپھر دوسرے مدرسین کی درخواست پردستخط نہ کرنے کی وجہ سے آپ جانتے ہیں کہ مولویوں کا حال کیا ہوتا ہے؟ جواس کا ساتھ نہ دے اس کا حلیہ خراب کر دیتے ہیں، چنانچہ ہمارے بھی پیچھے پڑ جاتے تھے؛ یہاں تک کہہ دیتے تھے کہ اچھا! جب آپ نے دستخط نہیں کئے، تو پھر جب تنخواہ بڑھے تواضافہ لینامت، اس پرہم نے ان سے کہا کہ ہم نے کہاں درخواست دی ہے؟ اگر وہ بڑھا کر دیں گے، تولیں گے، تو کہتے کہ ہم نے درخواست دی ہے، اس لئے بڑھے گی، تو ہم کہہ دیتے تھے کہ آپ ان سے کہہ دو کہ ہماری تنخواہ نہ بڑھاویں۔

خیر! میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ آپ کی درخواست پر اگر منتظمین تنخواہ بڑھارہے ہیں تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے آپ پراحسان کیا، پھراس کا جو بڑا نقصان ہوا، وہ تو یہ ہوا کہ آج تک آپ کی جوقدر وقیمت ان کے دل میں تھی وہ

گھٹ گئی، حالانکہ وہ اپنی جیب میں سے نہیں دیتے، لیکن انسان کا حال ایسا ہی ہے۔

اور آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ شریعت نے سوال کو تو حرام قرار دیا ہے، اور اشراف یعنی دل سے یہ سوچنا کہ فلاں مجھے کچھ دے گا، تو شریعت اس کی بھی اجازت نہیں دیتی، اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ اشراف کے بعد اگر کچھ ملے تو لینا نہیں چاہئے کہ اس میں کوئی برکت نہیں ہوتی۔

ہمارے اکابر اور فاقہ

ہمارے اکابر کے یہاں اس کا بھی بڑا اہتمام تھا، یہاں تک کہ فاقے پر فاقے ہوتے، پھر بھی وہ کچھ لینے کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے، حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی نے مسلمانوں کا نظامِ تعلیم وتربیت میں کسی عالم کا واقعہ لکھا ہے کہ ان کے یہاں تین چار وقت کا فاقہ تھا، جب سبق پڑھا رہے تھے تو فاقوں کی وجہ سے ان کی آواز متاثر تھی، ان کے شاگردوں میں ایک نیک نواب زادہ تھا، اس نے آواز سے محسوس کرلیا کہ فاقہ ہو رہا ہے، چنانچہ وہ اجازت لے کر گیا اور خوانچہ تیار کر کے لے کر آیا، اور استاذ صاحب کی خدمت میں پیش کیا، لیکن انہوں نے لینے سے انکار کر دیا، اور فرمایا کہ: جب تم نے مجھ سے اجازت لی تھی، اس وقت میرے دل میں یہ خیال آیا تھا کہ تم اسی لئے جا رہے ہو؛ تا کہ میرے لئے گھر سے کچھ کھانا لے کر آؤ گے، اور یہ میرا اشراف تھا، اس لئے میرے لئے یہ کھانا لینا جائز نہیں ہے، حالانکہ تین چار وقت کا فاقہ تھا، اس وقت کے لوگ بھی ایسے تھے کہ نام کرنا نہیں چاہتے تھے، صرف خدمت ہی مقصود ہوتی تھی، جب استاذ صاحب نے لینے

سے منع کر دیا تو فوراً وہ خوانچہ اٹھا کر واپس ہوگیا اور نگاہوں سے غائب ہونے کے بعد پھر دوبارہ لے کر آیا اور کہا کہ حضرت! اب لے لیجئے، اس لئے کہ جب میں خوانچہ اٹھا کر چلا گیا، تو آپ کو یہ امید وتوقع نہیں رہی تھی نا! کہ میں دوبارہ لے کر آوں گا؟ لہذا اب تو لے لیجئے! چنانچہ اب وہ منع نہیں کر سکتے تھے، تو میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے سلسلہ کے ان بزرگوں کا شیوہ یہی رہا ہے۔

''ارواحِ ثلاثہ'' میں حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ ان کے گھر میں کام کرنے والی ایک خدمت گار عورت تھی، ایک مرتبہ وہ حضرت کے گھر کے ایک بچہ کو لے کر گھر سے باہر بہلانے اور کھلانے کے لئے آئی، وہ بچہ بہت رو رہا تھا، کسی جاننے والے نے- جو کہ صاحبِ حیثیت تھے- پوچھا، تو اس نے بتا دیا کہ گھر میں فاقہ چل رہا ہے، اس کا اثر ہے کہ بچہ کو کھانے کو کچھ نہیں ملا؛ اس لئے رو رہا ہے، جب شاہ صاحب کو پتہ چلا تو اس خادمہ کو بلا کر ڈانٹا کہ: اللہ کی بندی! ہمارا معاملہ اللہ کے ساتھ تھا، تو نے ہمارا راز کیوں فاش کر دیا؟ چنانچہ پھر اس کو خدمت سے ہٹا دیا، یہ ان میں علمی غیرت تھی۔

آج اسی علمی غیرت کی ضرورت ہے، اگر ایسی غیرت ہم اپنے اندر پیدا کر لیں گے تو اللہ تعالی اسی نوع کا کام بھی ہم سے لیں گے، دینی اور علمی خدمات کو انجام دینے کے لئے صرف کتابوں کا پڑھ لینا اور استعداد بنا لینا اور امتحان میں اول نمبر سے کامیابی حاصل کر لینا کافی نہیں ہے؛ بلکہ اِس علم کے ساتھ ساتھ وہ خوبیاں اور صفات جو ہمارے اکابر میں تھیں، ان صفات کو بھی اپنے اندر پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ اِن مادی ضروریات کے ذریعہ سے ہرگز اپنے مقام کو نہ گراویں؛ بلکہ اپنے کام پر لگے رہیں، اور اللہ تعالی سے مانگتے رہیں، دینے والی ذات اللہ تعالی ہی کی ہے، وہی ساری ضرورتیں پوری کرنے والا ہے، آپ کہیں بھی چلے جاؤ، اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟

وہاں کے خدا کو ہمارا سلام

غالب کے حالات میں لکھا ہے کہ دلی جب اجڑی، اس زمانہ میں رامپور کے نواب صاحب کلبِ علی خان تھے، وہ اہلِ فن کے بڑے قدردان تھے، دلی کے کوئی شاعر وہاں پہنچے تھے، انہوں نے دلی میں اپنے ایک دوست سے کہا کہ نواب صاحب بڑے قدردان ہیں، آپ بھی یہاں آجایئے، آپ کا وظیفہ مقرر ہوجائے گا، اِنہوں نے بھی ارادہ کرلیا اور اپنے ایک ساتھی سے ملاقات کے لئے گئے کہ میں تو یہاں سے نقلِ مکانی کر کے رامپور جارہا ہوں، انہوں نے پوچھا کہ کیوں جا رہے ہو؟ جواب دیا کہ: یہاں ذرا تنگی ہے اس لئے جارہا ہوں، تو انہوں نے کہا کہ: اچھا! وہاں کے خدا کو ہمارا سلام کہہ دینا، اس پر انہوں نے پوچھا کہ: کیا وہاں کا خدا کوئی دوسرا ہے؟ کہا کہ: نہیں! وہی خدا یہاں بھی ہے، اور جو خدا وہاں روزی دے گا، وہی یہاں بھی دے گا، یہاں جو خدمت کا سلسلہ جاری ہے اس کو چھوڑ کر کیوں جارہے ہو؟۔

قرآن کی تعلیم لفظاً و معنیً عام کی جائے

خیر! مجھے جو چیزیں کہنی تھیں، ان میں پہلی بات شروع کی تھی کہ حضراتِ

انبیاء علیہم السلام کا جو کام تھا اس میں تین چیزیں ہیں: ایک تو تلاوتِ آیات ہے، اس لئے آپ جہاں کہیں بھی ہوں، اس کی طرف خاص توجہ فرمائیں، اس لئے کہ قرآنِ کریم کے الفاظ کی تعلیم کا سلسلہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

حضرت شیخ الہند کے حالات میں لکھا ہے کہ جب مالٹا سے رہا ہو کر واپس آئے تو دارالعلوم دیوبند میں مجلس ہوئی، ہمارے سارے ہی اکابر حضرت کے شاگرد تھے، وہ سب وہاں موجود تھے، اللہ تعالی نے حضرت شیخ الہند کو ایسے لوگ عطا فرمائے تھے کہ ہر ایک اپنی اپنی لائن کے ماہرین تھے، حکیم الامت حضرت تھانویؒ، مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ صاحب، علامہ شبیر احمد عثمانی، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحم اللہ علیہم وغیرہ وغیرہ؛ یہ سب حضرات ایسے تھے کہ ہر ایک نے اپنی لائن میں وہ کارنامہ انجام دیا کہ ان سے پہلے بھی اور بعد میں بھی سالہا سال تک کسی نے ایسا کارنامہ انجام نہیں دیا، وہ تمام ہی وہاں موجود تھے، حضرت شیخ الہند نے فرمایا کہ: بھائی! جیل کی تنہائیوں میں بہت سوچنے اور غور کرنے کے بعد امت کی پستی کے دو اسباب ذہن میں آئے، اور یہی دو سبق ہم نے سیکھے ہیں، ایک تو یہ ہے کہ قرآنِ پاک کی تعلیم کو لفظاً اور معنیً عام کیا جائے، اور دوسرا یہ کہ آپس کے اختلافات ونزاعات کو ختم کیا جائے۔

لفظاً عام کرنے کے لئے مکاتب کا سلسلہ قائم ہو، جس میں حفظ کا اور تجوید کا سلسلہ جاری ہو، اور معنیً کی ایک شکل تو وہ ہے جو مدرسوں میں ہے کہ تفسیر کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔

اورآپ فضلاء کرام سے خاص طور پر کہتا ہوں کہ معنیً کی دوسری شکل یہ ہے کہ آپ حضرات جہاں جہاں بھی کام کررہے ہیں وہاں ہفتہ میں ایک دن درسِ قرآن کا سلسلہ شروع کریں، سات دن مطالعہ کریں اورایک دن کچھ کہیں، اوراس میں اپنی استعداداورعلمیت بگھارنے کی ضرورت نہیں ہے؛ بلکہ لوگوں کے لئے جو چیزیں مفید ہیں وہ پیش کریں، قرآنِ پاک کی جو تعلیمات ہیں اورقرآنِ کریم کا تذکیر والا جو پہلو ہے اس کو اجاگر کریں، اس میں اتنی برکت ہے کہ جب آپ یہ سلسلہ شروع کریں گے تو اللہ تعالی اس کی برکت سے لوگوں کو آپ کے ساتھ جوڑیں گے۔

مادی فائدہ ہرگز حاصل نہ کریں

لیکن ایک اہم بات یہ بھی خاص طور پر ذہن نشین رہے کہ جب اللہ تعالی لوگوں کو آپ سے جوڑیں تو کبھی ان سے اپنا مادی فائدہ حاصل نہ کریں، یہ بہت اہم چیز ہے، اس کو یاد رکھنا، آپ کی علمی خدمات کی وجہ سے بہت سے لوگ آپ کے پاس آئیں گے؛ لیکن کبھی بھولے سے بھی اشارہ وکنایہ میں بھی ان سے ایسا کوئی معاملہ جس سے مادی فائدہ حاصل ہوتا ہو، ہرگز نہ ہونا چاہئے، قرآن پاک میں کئی جگہ ہے: ﴿قُلْ لَااَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْراً اِنْ اَجْرِیَ اِلَّاعَلَی اللّٰہِ﴾ ہر نبی کا یہی نعرہ رہا ہے، جب ہمیں نبوت کی جانشینی ملی ہے تو اس کا ایک تقاضہ یہ بھی ہے۔

نصیحت کا انداز

دوسرا تقاضہ یہ ہے ﴿اِنِّیْ لَکُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ﴾ اورلوگوں کے ساتھ نصح وخیرخواہی ہونی چاہئے، آپ نے حدیثِ پاک میں پڑھا ہے کہ ایمان کا تقاضہ ہے:

﴿اَلنَّصِیْحَةُ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ﴾ ہر ایک کے ساتھ خیر خواہی ہونی چاہیئے۔

اور ﴿اَمِیْــــنٌ﴾ اور اپنی ذمہ داریوں کو پوری تندہی اور امانت داری کے ساتھ ادا کرنے کی ضرورت ہے، آپ اپنے آپ کو صرف دو ڈھائی گھنٹے کا ملازم نہ سمجھیں؛ بلکہ آپ تو چوبیس گھنٹے کے لئے ذمہ دار ہیں، اور آپ صرف ان بچوں کی تعلیم کے نگران نہیں ہیں؛ بلکہ اس پوری بستی کی دینی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری آپ پر ہے، آپ کو یہ دیکھنا ہے کہ اس بستی میں نکاح ہو رہے ہیں تو کیسے ہو رہے ہیں؟ اگر وہاں ہونے والے نکاحوں میں ایک بات بھی شریعت کے خلاف اور سنت سے ہٹ کر ہو رہی ہو تو اس کو برداشت کر لینا آپ کی امانت داری کے تقاضہ کے خلاف ہے، اس لئے آپ کو چاہیئے کہ ان کو بتائیں اور بتانے کے لئے عمدہ طریقہ اختیار کریں، کوئی پتھر اور ڈنڈا مارنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ہماری ایک کمزوری یہ بھی ہے کہ یا تو ہمارے علما بولتے ہی نہیں ہیں، اور اگر بولتے ہیں تو پھر ایسا بے تکا انداز اختیار کرتے ہیں کہ لوگ متنفر ہو جاتے ہیں، حضور اکرم ﷺ نے جب حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو گورنر بنا کر یمن بھیجا تھا تو فرمایا تھا: ﴿بَشِّـرَا وَلَا تُنَفِّرَا﴾ ایسا انداز ہرگز اختیار نہ کرنا جس سے لوگ وحشت کریں اور دور بھاگیں۔

اپنے اوقات کی حفاظت کیجئے

ایک اور بات یہ ہے کہ ہمیں اپنے آپ کو مجلس بازیوں سے بچانا ہے، دیہاتوں میں کام کرنے والے ہمارے علمائے کرام کو اللہ تعالی صحیح سمجھ اور ہدایت

دے، وہ اپنے اوقات کو بڑی بے دردی سے ضائع اور برباد کرتے ہیں، مدرسہ کے اوقات کے بعد کوئی کسی کی دکان پر بیٹھا ہوا ہے، کوئی کسی کے گھر میں جا کر بیٹھا ہوا ہے، ان کا تین یا پانچ گھنٹوں کے علاوہ باقی سب وقت فارغ ہوتا ہے، پھر بھی ان سے پوچھو کہ قرآنِ پاک کتنا پڑھتے ہو؟ تو آدھا پارہ بھی نہیں ہوتا، بہت سے احباب مجھ سے بیعت ہیں اور میرے پاس حالات بیان کرتے ہیں کہ تسبیح کا ناغہ ہو جاتا ہے، میں پوچھتا ہوں کہ کتنا ناغہ ہوتا ہے؟ ہفتہ کے سات دن ہیں، کتنے دن پڑھتے ہو اور کتنے دن چھوڑتے ہو؟ تو اس میں بھی اندر کا چور بولنے نہیں دیتا کہ کتنا ناغہ ہوتا ہے، چپ ہو جاتے ہیں، پھر بڑی مشکل سے بتاتے ہیں کہ ایک آدھ دن پڑھتا ہوں، چھ دن چھوڑ دیتا ہوں، میں نے کہا کہ اس کو آپ ناغہ سے تعبیر کرتے ہیں!

بھائی! ایسا نہیں ہونا چاہئے، آپ کو کسی کی دکان پر یا کسی کے گھر پر جا کر بیٹھنے کی ضرورت نہیں ہے؛ بلکہ آپ کے چوبیس گھنٹوں کا ایسا نظام ہونا چاہئے کہ اس میں اپنا مطالعہ اور اپنے معمولات وغیرہ میں مشغول رہیں، اپنے اوقات کا ایک پورا نظام بناؤ، آپ کو تو اللہ تعالیٰ نے اتنا وقت دیا ہے کہ روزانہ ایک قرآن شریف پورا کر سکتے ہو، اور یہاں ایک پارہ بھی پورا کرنے کی توفیق نہیں ہوتی؟ اس لئے اپنے اوقات کی قدر و قیمت سمجھو اور اس طرح ضائع مت کرو، اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو موقعہ دیا ہے اس کو غنیمت سمجھو۔

ہمیں اپنا عملی پہلو بھی مضبوط کرنے کی ضرورت ہے، جیسے سنتوں کی اتباع کا اہتمام ہو، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع و انابت ہو، اور آپ کو تو مسجد میں اذان

ہوتے ہی پہنچنے کی ضرورت ہے، ایسا نہ ہو کہ امام صاحب ہیں اور عین نماز کے وقت پر پہنچ رہے ہیں، ظہر کی نماز میں اکثر دیکھا جاتا ہے کہ جماعت کی تیاری ہوتی ہے، تو عین وقت پر آ کر سیدھے مصلے پر چڑھ جاتے ہیں، ایک دو مرتبہ تو نمازی لوگ درگزر کرتے ہیں، پھر جب وہ لوگ درخواست کرتے ہیں کہ حضرت! آپ کی تو سنتِ موکدہ چھوٹ جاتی ہے، تو پھر ان کی بات ہمیں اچھی نہیں لگتی، اس لئے آپ کو تو اذان سے پہلے مسجد میں آنا چاہئے تھا، آپ کی ذات تو لوگوں کے لئے نمونہ ہے، آپ تو حضور اکرم ﷺ کی سنتوں کا نمونہ ان کے سامنے پیش کریں، آپ کا وجود تو ایسا ہونا چاہئے کہ لوگ آپ کو دیکھ کر یوں کہیں کہ دیکھو! سنت یہ ہے۔

حضرت گنگوہیؒ کے عمل سے ''اقرب الی السنۃ'' کا فیصلہ

ایک مرتبہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے کسی نے پوچھا کہ حضرت! فلاں کام میں دونوں پہلو ثابت ہیں؛ لیکن ان دونوں میں ''اقرب الی السنۃ'' کونسا پہلو ہے؟ تو حضرت نے جواب دیا کہ: حضرت گنگوہی کا عمل دیکھو، وہ جو عمل کرتے ہیں، وہی ''اقرب الی السنۃ'' ہے۔

گویا ان لوگوں کو دیکھ کر یہ فیصلے ہوتے تھے کہ کون سا عمل سنت ہے اور اقرب الی السنہ کیا ہے؟ کیا آج ہمارے افعال سے کوئی ایسا فیصلہ کیا جا سکتا ہے؟ اس لئے ہمیں اپنا پورا ایک مرتب نظام بنانے کی ضرورت ہے۔

اپنا علاج کرنے اور مزاج بدلنے کی ضرورت

بچوں کی تربیت کے معاملہ میں بھی اپنے اوقات کی ترتیب بنائیں، بہت

سے اساتذہ جب پڑھانے کے لئے مدرسہ ومکتب جاتے ہیں تو کلاس (درسگاہ) کے اندر بعد میں جائیں گے، پہلے کچھ وقت باہر کھڑے رہیں گے، دراصل پڑھنے کے زمانہ میں ہمیں جو عادتیں پڑی ہوتی ہیں، وہی باقی رہتی ہیں، پڑھنے کے زمانہ میں مدرسہ میں کیا ہوتا ہے کہ مغرب کے بعد کلاس (درسگاہ) میں جانے سے پہلے دس منٹ مسجد کے دروازہ پر کھڑے رہتے ہیں، پھر دس منٹ باہر سیڑھیوں پر، پھر درسگاہ کے دروازہ پر دس منٹ گزار کر اندر جاتے ہیں، اس کے بعد کتاب کھولنے سے پہلے پانچ، سات منٹ تذکرے ہوتے ہیں اور پھر کہیں تکرار چالو (شروع) ہوتی ہے، اور تکرار کرانے والے نے ابھی تو پاؤ صفحہ بھی پورا نہیں کیا ہوتا کہ کوئی ساتھی اس میں کوئی شوشہ چھوڑ دیتا ہے، اور اسی میں عشا کا وقت ہوجاتا ہے، میں یہ سب غلط تو نہیں کہتا ہوں؟ یہی سب ہمارے یہاں ہورہا ہے، اس لئے آپ جس دور سے گزرے ہیں وہی مزاج لے کر یہاں سے گئے ہیں، لہٰذا ایسا نہیں ہونا چاہیئے؛ بلکہ اب ہمیں اپنے مزاج کو درست کرنے کے لئے اپنے آپ پر سختی کرنے کی ضرورت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سیرت پڑھیئے، ایک مرتبہ وہ اپنے کندھے کے اوپر پانی سے بھرا ہوا چمڑے کا بڑا مشکیزہ لے کر آرہے تھے، اس وقت وہ امیر المومنین تھے، کسی نے پوچھا: حضرت! یہ کیا کررہے ہیں؟ فرمایا کہ: ایک وفد ملنے کے لئے آیا تھا تو میرے دل میں تھوڑا سا خیال آگیا کہ اوہو! تمہارے پاس تو فورین(Foreign) کے وفد ملنے کے لئے آتے ہیں، اس لئے میں اپنا علاج کررہا ہوں۔

ہمیں بھی ان چیزوں کو سوچ سوچ کر اپنا علاج کرنے کی ضرورت ہے، تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ہمیں ان ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لئے ان صفات کو اپنے اندر پیدا کرنے کی ضرورت ہے، اتباع سنت ہو، رجوع الی اللہ ہو۔

نبی کریم ﷺ نے ہمیں سادگی کی تعلیم دی ہے

اور ایک بات یہ ہے کہ ہماری ہر چیز میں سادگی ہو؛ کیوں کہ ہماری تنخواہ اور ہمارا مشاہرہ عیش وعشرت کا متحمل نہیں ہوتا ہے، ارے بھائی! ہماری بنیادی ضرورتیں ہی پوری ہو جائیں تو غنیمت ہے، اور نبیٔ کریم ﷺ نے ہمیں سادگی بتلائی ہے، ہم مطالعہ کریں اور سوچیں کہ نبیٔ کریم ﷺ کا لباس کیسا تھا؟ آپ ﷺ کی سواری کیسی تھی؟ آپ ﷺ کا کھانا کیسا تھا؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ کبھی آپ ﷺ نے دو دن مسلسل جَو کی روٹی نہیں کھائی، تین تین چاند ایسے گزر جاتے تھے کہ آپ کے گھروں میں چولہا نہیں سلگتا تھا، آج اگر ہمارے یہاں ایک وقت کا کھانا نہ پکے تو رونا دھونا شروع ہو جاتا ہے کہ فاقہ ہو گیا، اور وہاں فاقوں پر فاقے چلتے تھے؛ مگر کبھی کسی سے شکایت نہیں ہوتی تھی۔

آپ حضرات نے شمائل میں پڑھا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا: آپ ﷺ کا بستر کیا تھا؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ: معمولی سا بستر تھا، کبھی تو آپ ﷺ اپنا عبا ہی بچھا لیا کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک انصاری عورت آئی، اور حضور ﷺ کا بستر دیکھ کر اس کے دل میں خیال آیا تو اس نے ایک عمدہ سا گدا بنا کر بھیجا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے وہ

بچھایا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ فلاں انصاری عورت نے آپ ﷺ کے لئے بھیجا ہے، آپ انے فرمایا کہ: اس کو اٹھاؤ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میرا جی واپس کرنے کو نہیں چاہتا تھا؛ لیکن حضور اکرم ﷺ نے زبردستی فرمایا کہ: اس کو واپس بھیج دو۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے آپ ﷺ کے بستر کے متعلق پوچھا، تو انہوں نے کہا کہ: ایک ٹاٹ تھا جس کو میں دوہرا کر کے حضور ﷺ کے لئے بچھا دیا کرتی تھی، ایک مرتبہ میرے دل میں خیال آیا کہ اس کو چوہرا (یعنی ڈبل کا ڈبل) کردوں تو ذرا نرمی ہو جائے گی، اور آرام ملے گا، میں نے اِس طرح بچھایا تو صبح اٹھ کر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: آج رات تم نے کیا بچھایا تھا؟ میں نے بتلایا کہ وہی بستر تھا جو روزانہ ہوتا ہے، صرف اتنا کیا کہ روزانہ ڈبل ہوتا ہے، آج ڈبل کا ڈبل کر دیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اس کی نرمی نے مجھے رات کی نماز سے روک دیا، جب حضور اکرم ﷺ یہ فرماویں کہ اس کی نرمی نے مجھے رات کی نماز سے روک دیا، تو پھر ہما شما کا کیا حال ہوگا؟

اس لئے حضور اکرم ﷺ کی اس طرزِ زندگی کو اپنے سامنے رکھنے کی ضرورت ہے، کھانے، پینے میں، لباس میں اور ہر چیز میں اسی سادگی کا اہتمام ہونا چاہئے۔

آمدنی بڑھانا اختیار میں نہیں

اپنی ضرورتوں کو اپنی آمدنی کے مطابق رکھیں، آج کل ہوتا کیا ہے کہ پڑھنے کے زمانہ میں اپنی ضرورتیں بڑھالی جاتی ہیں، اور جب تنخواہ کافی نہیں ہوتی

تو لوگوں سے قرض لیتے ہیں، اور اس طرح اپنی مادی ضرورتیں پوری کرتے ہیں، ہمارے اکابر میں حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ تھے جو حضرت حکیم الامتؒ کے اجلِ خلفا میں سے گزرے ہیں، مظاہر العلوم کے ناظم تھے، ان کا مقولہ ہمارے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نقل فرمایا کرتے تھے کہ: بھائی دیکھو! آمدنی بڑھانا تو ہمارے اختیار میں ہے نہیں؛ لیکن ضرورتیں گھٹانا ہمارے اختیار میں ہے، جب ہم اپنی آمدنی بڑھا نہیں سکتے ہیں تو اپنی ضرورتوں کو کم کر دیں؛ تاکہ کسی سے مانگنے کی نوبت ہی نہ آئے۔

حضرت الاستاذ کی چائے بند

ہمارے استاذ محترم حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم کے متعلق مجھے یاد ہے کہ جب وہ راندیر میں پڑھاتے تھے، تو کبھی ایسا ہوتا کہ مہینہ پورا ہونے کو آیا اور تنخواہ پوری ہوگئی تو حضرت کسی سے قرض نہیں لیتے تھے؛ بلکہ اپنی چائے بند کر دیتے تھے، فرماتے تھے کہ کوئی بات نہیں، مہینہ کے آخری پانچ دن چائے نہیں پئیں گے؛ مگر قرض کی بات نہیں کہ قرض لے کر چائے پئیں، ہمیں بھی ایسا مزاج بنانا چاہئے، اس لئے ہمیں اپنی ضرورتیں محدود کرنے کی ضرورت ہے؛ تاکہ اس کی نوبت ہی نہ آئے، تب ہی آپ پوری غیرت اور عزت کے ساتھ دینی خدمات انجام دے سکتے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کی تواضع

اور ایک چیز ہے تواضع، حضور اکرم ﷺ کے تواضع کا حال کیا تھا؟ جنازوں

میں شریک ہوتے تھے، بیماروں کی عیادت کے لئے جاتے تھے، آپ ﷺ کی سواری بھی نہایت سادہ ہوتی تھی، آپ کی ہر ہر چیز میں تواضع کا پہلو نمایاں ملے گا، حضور اکرم ﷺ اپنے آپ کو دوسروں سے ممتاز بنانا پسند ہی نہیں فرماتے تھے، حضرت شیخ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ایک سفر میں یہ بات ہورہی تھی کہ کھانا تیار کرنا ہے، تو ایک صحابی نے کہا کہ میں جانور ذبح کروں گا، دوسرے نے کہا کہ میں چمڑا اتاروں گا، تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں لکڑیاں جمع کروں گا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! ہم جمع کرلیں گے تو حضور اکرم ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ: مجھے بھی معلوم ہے کہ تم شوق سے جمع کرلو گے؛ لیکن میں اپنے آپ کو تمہارے درمیان ممتاز بنا کر رکھنا نہیں چاہتا۔

اور ہمارا حال کیا ہے کہ کوئی ممتاز نہ بھی بناوے تب بھی زبردستی لوگوں کے سروں پر بیٹھنے کی کوشش کرتے ہیں، ارے بھائی! ہم نے یہ سب کاہے کے لئے پڑھا تھا؟ اس لئے ضرورت ہے اس بات کی کہ ان ساری چیزوں کا خیال کیا جائے۔

کام میں جان پیدا کرنے کا طریقہ

اور ایک بات یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی عبادات دیکھو کہ نمازوں کا اور خاص طور پر رات کی نمازیں اور تہجد کا کیسا اہتمام تھا؟ آپ حضراتِ فضلاء کرام سے میں ضرور یہ کہوں گا کہ ہر ایک اپنے لئے تہجد کو فرض سمجھ لیں، جب تک راتوں کو اٹھ کر اللہ کی عبادت اور اللہ کے سامنے گریہ وزاری نہیں کریں گے، وہاں تک آپ کے کاموں میں جان پیدا ہونے والی نہیں ہے، اس لئے اللہ کا ذکر، تلاوت،

دعا، تسبیحات وغیرہ کا اہتمام ہونا چاہئے، آپ کے تین، چار، پانچ گھنٹے اِن کاموں میں گزرنے چاہئیں، تب جاکر آپ کے دوسرے کاموں میں جان پڑے گی۔

اپنے احباب کے احوال سے باخبر رہیں

اور ایک بات یہ ہے کہ شمائل میں حضور اکرم ﷺ کا حال بیان کیا ہے کہ آپ لوگوں کے حالات کی خبر رکھتے تھے، آج ہم لوگوں کے حالات سے باخبر تو ہیں؛ لیکن کن چیزوں کی خبر رکھنی چاہئے، وہ نہیں جانتے، حضور اکرم ﷺ کے بارے میں آتا ہے ﴿يَتَفَقَّدُ أَصْحَابَهُ، وَيَسْئَلُ النَّاسَ عَمَّا فِي النَّاس﴾ اپنے صحابہ کے حالات سے باخبر رہتے تھے، اس لئے آپ بھی اپنے شاگردوں کے حالات سے باخبر رہئے، اور ان کی اصلاح کی طرف متوجہ رہئے، اور پھر لوگوں میں جو حالات چل رہے ہوں اس سے بھی مطلع رہئے۔ ﴿وَيُحَسِّنُ الْحَسَنَ وَيُقَوِّيه، وَيُقَبِّحُ الْقَبِيحَ و يُوَهِّيه﴾ کوئی اچھی بات لوگوں میں ہے تو اس کی حوصلہ افزائی ہو کہ بھائی! ہم نے سنا کہ آپ لوگوں نے فلاں نیک کام شروع کیا ہے، بیماروں کی دوائی وغیرہ کے لئے ایک کمیٹی بنائی ہے، بہت اچھی بات ہے، یہ کام ضرور کرو، اس میں اور ترقی کرو، اور اگر کوئی برائی ہو رہی ہو، تو فوراً اس کا تذکرہ کرکے اس کو روکنے اور دور کرنے کی کوشش کرو۔

جمعہ میں بیان مختصر ہو

آج کل تو جمعہ میں جو بیانات ہوتے ہیں اس میں بھی لن ترانیاں چل رہی ہے، اور ایران توران کے قصے سنائے جاتے ہیں، اور ایک گھنٹہ، سوا گھنٹہ کی تقریریں

ہوتی ہیں، اور جمعہ کا جو وقت مقرر ہوتا ہے اس سے بھی گھنٹہ بھر اوپر ہو جاتا ہے۔

بھروچ کی کسی سوسائٹی کا قصہ ہے جو کئی سال پہلے ایک صاحب نے سنایا تھا کہ ایک مولوی صاحب جمعہ سے پہلے اتنی لمبی تقریر کرتے تھے کہ جمعہ اور خطبہ کا وقت تو ڈیڑھ بجے کا تھا؛ لیکن ان کی تقریر اتنی لمبی چلتی تھی کہ دو، سوا دو بج جاتے تھے، پھر خطبہ شروع ہوتا تھا، اس کی وجہ سے بہت سے لوگ بھی دیر سے آتے تھے، ایک دن ایسا ہوا کہ وہ مولوی صاحب نہیں تھے تو کسی دوسرے مولوی صاحب نماز پڑھانے کے لئے آئے اور انہوں نے اپنے وقت ڈیڑھ بجے پر ہی خطبہ پڑھا دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ دیر سے آنے والے تھے، انہوں نے دو بجے آکر جب دیکھا تو نماز ختم ہو چکی تھی۔

اس لئے جب کسی مسجد میں ڈیڑھ بجے کا وقت ہے تو اس میں ایک منٹ کا بھی اِدھر اُدھر ہونا نہیں چاہئے، آپ کا بیان محدود ہو، جمعہ سے پہلے لمبا بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے، پندرہ منٹ، بیس منٹ، پچیس منٹ کافی ہیں، اس سے زیادہ تو ہونا ہی نہیں چاہئے؛ بلکہ ہمارے بعض اکابر تو منع کرتے ہیں، احسن الفتاوی اٹھا کر دیکھ لیجئے، مفتی رشید احمد صاحب نے تو لکھا ہے کہ اس کی وجہ سے جمعہ کے دن کے معمولات میں کوتاہی آتی ہے، لیکن اب کوئی ان معمولات کو تو ادا کرتا نہیں، اور دین کی بات پہنچانے کا ایک موقعہ ہوتا ہے، تو ٹھیک ہے؛ لیکن ضروری اور اہم بات یہ ہے کہ جو بنیادی باتیں ہوں، اسی کو بیان کریں، اور اس کے لئے بھی قرآن وحدیث اور بزرگوں کی باتیں لیں، اِدھر اُدھر کی ایران، توران کی باتیں اور لمبے

چوڑے قصے بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

مدرسوں کی انجمنوں میں اپنی ذمہ داری پوری کرنے کے لئے آپ نے اس طرح کا مزاج بنایا تھا کہ پانچ منٹ کی تقریر کو ضروری قرار دیا تھا، تو پتہ نہیں کہاں کہاں سے اِدھر اُدھر کی باتیں لے کر آتے تھے، اگر وہی مزاج بنایا ہے اور عوام میں ایسی ہی تقریر کرنی ہے تو مت کرو، کسی اچھے آدمی کو لاؤ، جو اچھی باتیں بتائے۔

آج کل تو لوگ پڑھے لکھے اور دنیوی علوم سے آراستہ ہیں، جب آپ ایران، توران کی باتیں کریں گے تو وہ کہیں گے کہ مولوی صاحب کو اور کچھ آتا ہے یا نہیں؟ ساؤتھ افریقہ کا قصہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک مولوی صاحب کی تقریر ہو رہی تھی اور ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی، تو ایک پرانے آدمی تھے اور علما سے بھی محبت رکھتے تھے، وہ کہنے لگے کہ: ان مولوی صاحب کو جو کچھ آتا ہے وہ سارا آج ہی کہہ ڈالیں گے، تو اس طرح نہیں کرنا چاہئے۔

ہمارے یہاں کسی تحصیل سے ایک استفتا آیا تھا کہ ایک امام صاحب جمعہ کے بعد لمبی دعا کرتے ہیں، ان کو منع کیا گیا کہ بھائی! یہ تحصیل کا مرکز ہے، یہاں آفس کے لوگ آتے ہیں، اور آفس میں کام کرنے والے مسلمان بھی جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے چھٹی لے کر آتے ہیں؛ لیکن پھر بھی وہ ماننے کا نام نہیں لیتے، اب کیا کیا جائے؟ اس لئے آپ کو دیکھنا ہے کہ ہمارے یہاں نماز کے لئے آنے والے لوگ کون ہیں؟ ان کا بھی لحاظ کرنا ہے، اس طرح کا انداز لوگوں میں نفرت ڈالنے والا ہوتا ہے، پھر اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ جب آپ کو متنبہ کیا گیا اور آپ نے

اپنی اصلاح نہیں کی تو لوگ یہ مسجد چھوڑ دیں گے اور دوسری جگہ تلاش کریں گے، اور بہت سے لوگ تو بریلویوں کی مسجد میں چلے جاتے ہیں، ان کو آپ نے ہی وہاں بھیجا ہے، اس لئے یہ طریقہ غلط ہے، کام تو اصول کے مطابق ہونا چاہئے۔

بیان میں زیادہ وقت لینا خیانت ہے

حضرت مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئیؒ فرماتے تھے کہ: اگر آپ نے اعلان کیا کہ پانچ منٹ بیان ہوگا، تو چھٹا منٹ لینا خیانت ہے، اس لئے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آپ کا اعلان سن کر کسی آدمی کے پاس پانچ منٹ ہی تھے، اس کو دس منٹ کے بعد کام تھا، وہ سمجھا کہ چلو پانچ منٹ میں بات پوری ہوجائے گی، اس لئے وہ بیٹھ گیا اور آپ نے اس کا زیادہ وقت لے لیا، تو اس طرح آپ نے اس کے وقت میں خیانت کی، میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ سارے طریقے درست نہیں ہیں، آپ کو تو لوگوں کے حالات سے واقف ہوکر بات کرنی چاہئے، اور حضور اکرم ﷺ کے بارے میں یہ بھی آتا ہے ﴿**مُعْتَدِلُ الأَمْرِ غَيْرُ مُخْتَلِفٍ، لا يَغْفُلُ مَخَافَةَ أَنْ يَغْفُلُوْا أَوْ يَمِيْلُوْا**﴾ آپ ﷺ کے سارے معاملات اعتدال والے تھے، اور آپ ﷺ کے اوقات بھی مقرر تھے، اور لوگوں کی طرف سے غفلت نہیں برتتے تھے۔

اور یہ سوچنا بھی غلط ہے کہ لوگوں کی طرف سے اگر مجھے پوچھا جائے گا تب ہی میں بتاوں گا، نہیں بھائی! آپ کو تو لوگوں کے حال سے باخبر رہنا ہے اور اگر کوئی کچھ غلط کر رہا ہے تو اس کو اچھے انداز میں محبت سے بتاؤ، اور حضور اکرم ﷺ کا طریقہ عام نصیحت کے اندر نرمی سے سمجھانے کا تھا، اور آپ ﷺ کے جو ارشادات

سخت قسم کے ہیں ان کو بھی نقل کریں، اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے؛ لیکن انفرادی نصیحت میں تو بہت زیادہ نرمی ہونی چاہیئے۔

بچوں کی پٹائی سے احتیاط کریں

اور بچوں کو پڑھانے کے معاملہ میں سختی اور مار پٹائی کے سلسلہ کو تو بھول جاؤ، قرآنِ پاک میں ہے: ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾ جب ایسے مجمع میں میں یہ آیت پڑھتا ہوں تو مولویوں کو بہت برا معلوم ہوتا ہے، اللہ کی رحمت ہی کی وجہ سے اے نبی! آپ اِن کے لئے نرم ہیں، اگر آپ سخت دل اور اکھڑ مزاج ہوتے تو یہ سب لوگ آپ کو چھوڑ کر چلے جاتے، حالانکہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والا اور کون ہوگا؟ لیکن پھر بھی قرآن کہتا ہے کہ وہ آپ کو چھوڑ کر چلے جاتے، آدمی کے مزاج کی گڑبڑ کی وجہ سے محبت کرنے والے بھی ساتھ چھوڑ دیتے ہیں، اس لئے ہمیں بچوں کے ساتھ نرمی برتنی ہے، حضرت عائشہؓ کی روایت میں ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے کبھی کسی کو نہیں مارا، نہ کسی خادم کو، نہ کسی عورت کو اور نہ کسی جانور کو۔

میں پوچھتا ہوں کہ مارنے ہی سے علم آئے گا، یہ بات آپ کہاں سے لائے؟ آپ کہیں گے کہ ہم نے پڑھا ہے: "الضرب لِلصبیانِ کالماءِ فِی البُستان" لیکن میں کہتا ہوں کہ وہ سب بھول جاؤ، اب تو لوگ شکایت کرتے ہیں کہ دیکھو! انگریزی اسکولوں میں غیر مسلم ٹیچرس کتنی محبت سے پڑھاتے ہیں؟ ارے بھائی! ان کا تو پیشہ ہے اور وہ تو ہزاروں روپئے لے کر پڑھاتے ہیں، خیر!

اِتنا جملہ بھی میں آپ کی حمایت میں کہہ رہا ہوں، ورنہ اصل وہی ہے کہ بچوں کو نرمی سے پڑھاؤ۔

مدرسین کوٹریننگ کی ضرورت ہے

اورآج کل پڑھانے کے انداز بھی جگہ جگہ مختلف ہیں،اور یہ زمانہ تو تحقیقات کا زمانہ ہے،نئ نئ تحقیقات ہورہی ہیں، کہیں کا پودرا والا طریقہ جاری ہے، کہیں نورانی قاعدہ والاطریقہ چل رہاہے،اس لئے میں تو آپ سے کہتا ہوں کہ آپ ان تمام طریقوں سے واقف ہوجایئے،اس لئے کہ آپ تو معلِم ہیں،آپ کوتو سارے ہی طریقے معلوم ہونے چاہئیں،اوراپنے شاگردوں میں کونسا طریقہ زیادہ مناسب ہےاس کے مطابق تعلیم دیں۔

آج تو اِن طریقوں کوسکھانے کے لئے اہلِ علم کودعوت دی جاتی ہے،تو ان کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ان کی غیرت کوچیلنج کیا جارہاہے، کہتے ہیں کہ: نو سال ہم نے یوں ہی حرام کے بگاڑے ہیں؟"إنا لله وإنا إليه راجعون" یہ کوئی بات ہوئی؟

آج کل بڑے بڑے ڈاکٹر اوراپنے فن کے ماہرین بھی اس ضرورت کو سمجھتے ہیں،کوئی آنکھ کا اسپشیلسٹ ہے، اورکوئی ہارٹ اسپشیلسٹ ہے،لیکن آپ اخباروں میں پڑھیں گے کہ اشتہار دیتے ہیں کہ اتنے دنوں کے لئے فلاں کا کلینک بندرہے گا، پوچھتے ہیں کہ کیوں بندرہے گا؟ تو بتایا جاتا ہے کہ وہ مزید علم اورمزید تجربات حاصل کرنے کے لئے امریکہ جارہا ہے، وہ لوگ تو اخباروں میں دے

رہے ہیں، اور کوئی بھی اس کو اپنی بے عزتی نہیں سمجھتا، اور آپ کا نام تو کسی اخبار میں نہیں آرہا ہے، پھر بھی آپ اس کو بے عزتی سمجھتے ہیں! حالانکہ ایک مومن کو تو ہر وقت علم کا پیاسا ہونا چاہئے۔

آپ نے سنا ہوگا کہ ہمارے اطراف کے دیہات میں کسی زمانہ میں یہ سلسلہ جاری ہوا، اور مدرسین کو ٹریننگ دینے کے لئے باتیں رکھی گئیں تو اس کو انہوں نے اپنی توہین سمجھی، اور سارے مدرسین مستعفی ہوگئے، حالانکہ یہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے، ہمیں تو ہر وقت تیار رہنا چاہئے **"کلمةُ الحکمةِ ضالة المومن، فهو أحق بها حيث وجدها"** حکمت اور دانائی کی بات تو ایک مومن کی گمشدہ متاع ہے، جہاں ملے وہ اس کا زیادہ حقدار ہے، جیسے ہمارا گمشدہ قلم ہو اور وہ ہمیں راستہ میں کہیں دکھائی دے، تو کیا ہم لوگوں سے پوچھیں گے کہ اِس کو لوں یا نہ لوں؟ بلکہ فوراً ہاتھ بڑھا کر لے لیں گے؛ کیوں کہ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ قلم میرا ہے، اگر کوئی روکے گا تو اس سے لڑیں گے کہ یہ تو میرا ہے، اسی طریقہ سے کوئی مفید بات اور مفید کام بھی ہماری گم شدہ متاع ہے، جہاں بھی ہمیں مل جائے، اس کو ہمیں لینا ہے، اور اِس سلسلہ میں بہت زیادہ متوجہ ہونے کی ضرورت ہے۔

کرکٹ سے بچنے کی شدید ضرورت ہے

اور حضور اکرم ﷺ کے حالات میں ایک خاص چیز یہ بھی لکھی ہے: ﴿**قد ترک نفسه مِن ثلاث: المِراءِ، والإکثار، وممّا لا یعنیه**﴾ حضور اکرم ﷺ نے تین باتوں سے اپنے آپ کو ہمیشہ دور رکھا: ایک تو جھگڑے سے، دوسرے

فضول بحثیں اور بے کار گفتگو سے، اور تیسرے فضول کاموں سے۔

آج کل دیہاتوں میں جب کرکٹ کے جو مختلف دورے چلتے ہیں، تو اس میں حصہ لینے والے ہمارے فارغین بھی ہوتے ہیں، اور اس کے سب سے ماہر مولوی صاحب ہی ہوتے ہیں، اور وہی سارے فیصلوں کے انچارج ہوتے ہیں، اِن کرکٹروں کی محبت سے ہمارے دل بھرے ہوئے ہیں، اور میں تو یوں سمجھتا ہوں کہ اِن کرکٹروں کی محبت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت سے زیادہ ہے، اور میں اس کی دلیل بتاوں کہ آج کوئی آدمی دین کے بارے میں کوئی غلط بات بولے تو ان کی غیرت کو جوش نہیں آتا؛ لیکن اگر کسی کرکٹر کے متعلق ایک لفظ کسی نے کہہ دیا تو فوراً آستین چڑھا کر اس کے ساتھ لڑنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں، کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ ان کے دل میں کرکٹر کی محبت زیادہ ہے؟ اور اس کی محبت سے ان کا دل سرشار ہے؟ اور پھر اپنی گفتار، رفتار اور ہر چیز میں اسی کی نقل اتاری جاتی ہے۔

اور یہ کرکٹر کون ہیں؟ ان کی اکثریت تو غیر مسلم ہیں، اور ان میں جو مسلمان ہیں وہ بھی فاسق اور فاجر ہیں، قرآن تو کہتا ہے: ﴿وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ﴾ جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کر رکھا ہے (یعنی کفار اور فساق و فجار) آپ ان کی طرف نہ جھکیں، ورنہ جہنم کی آگ تم کو بھی چھو لے گی، ایسے لوگوں کے متعلق سوءِ خاتمہ کا خطرہ ہے، اس لئے اپنے آپ کو اس سے بچانے کی ضرورت ہے۔

تمام طلبہ اور اہلِ علم سے کہوں گا کہ آج ہمارے معاشرے کا سب سے

بڑا ناسور کرکٹ میچ ہے، اس سے آپ تو پہلے نمبر پر بچیں اور امت کے نو جوان طبقہ کو بھی اس سے بچائیں؛ بلکہ اب تو نو جوانوں کی بھی خصوصیت نہ رہی، بوڑھے بھی اس شوق میں نو جوانوں سے دو قدم آگے ہیں، اس لئے امت کو اِس مصیبت سے بچانے کے لئے آگے بڑھو! یہ تو ایسی بیماری ہے جس میں ہم خود ہی مبتلا ہو گئے ہیں، جب ہم خود ہی راستہ بھولے ہوئے ہیں؛ تو کسی اور کی ہدایت کیا کریں گے؟

إذا كان الغراب دليل قوم		فيهديهم الى طريقِ الهالِكين

آج ہمارا حال تو یہ ہو گیا ہے کہ کرکٹ کے معاملہ میں ہم عوام سے دو قدم آگے ہیں، تو امت کی رہنمائی کیا کریں گے؟ اس لئے اس سے بچنے کی ضرورت ہے، لوگوں کو بتائیں کہ اس کا نقصان کیا ہے؟ اس سے دینی، دنیوی نقصان، مالی وجانی نقصان کیا کیا نہیں ہوتا؟ یہ سب ان کو بتائیں، خود بھی ایسی برائیوں سے بچو، اور دوسروں کو بچانے کا بھی اہتمام کرو۔

طلبہ اور پوری بستی کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری

اور جہاں آپ کام کر رہے ہیں وہاں پوری بستی کے ساتھ آپ کا جوڑ ہو، آپ اپنے ایک ایک منٹ کو صحیح استعمال کرنے کی کوشش کریں، مکتب میں جو بچے آتے ہیں، ان کو صرف قرآن پڑھا دینے پر بس نہیں ہونا چاہیے؛ بلکہ ان کی پوری تعلیم وتربیت کا اہتمام کریں، ان کو اچھے اخلاق اور کھانے پینے، سونے، جاگنے وغیرہ کے آداب ودعائیں سکھانا بھی ضروری ہے، پھر ان کے خیالات وعقائد کو ٹھیک کرنا، اور یہ دیکھنا کہ ان کے ناخن اور بال کٹے ہوئے ہیں یا نہیں، اگر کٹے

ہوئے نہ ہوں تو ان کو بتاؤ، ان کے لباس صحیح ہیں یا نہیں، اگر لباس غلط ہو تو اس کی طرف رہنمائی کرو، ان ساری چیزوں سے واقف کرو۔

اس کے علاوہ مسجد میں بڑوں کو نماز کی درستگی کی طرف بھی دھیان دیجئے، قرآنِ پاک کی صحت اور مسائل سے ان کو واقف کرنے کا اہتمام کریں، ﴿وَيُزَكِّيهِمْ﴾ اس آیت میں تزکیہ کا مطلب ہے کہ ہر طرح کی گندگی سے پاک کرنا: اخلاقی گندگی، اعمال کی گندگی، عقائد کی گندگیاں؛ یہ سب دور کرنے کا خیال کریں۔

آج کل اخباروں میں ایسی بحثیں چھیڑی جاتی ہیں جن کی وجہ سے مومن کا ایمان خطرہ میں پڑ جاتا ہے، ہمارے مسلمان نوجوان اس سے واقف ہی نہیں، اس لئے ہمیں چاہئے کہ کوئی ایسا مسئلہ چھیڑا گیا ہو، تو فوراً اس پر اسلامی تعلیمات کیا ہیں؟ وہ لوگوں کو بتائیں؟ آپ دیکھئے کہ سورج گرہن ہوتا ہے تو اس دن ہمارے یہاں کے گجراتی اخبارات کی پورتی (ضمیمہ) میں لکھا ہوتا ہے کہ سورج گرہن کے دن اسنان (غسل) کرنا چاہئے، اور یہ کرنا چاہئے اور فلاں کرنا چاہئے، اور اس کے لئے اخبار کے دو دو صفحے بھرے ہوئے ہوتے ہیں حالانکہ یہ تو باطل مذہب ہے جس کی کوئی حیثیت نہیں ہے، لیکن وہ لوگ اپنے ماننے والوں کو یہ سب بتلا رہے ہیں، اور ہمیں نبی کریم ﷺ نے سورج گرہن کے موقعہ پر کیا تعلیم دی ہے؟ اور ہمیں کیا کرنا ہے؟ وہ ہم اپنے لوگوں کو بتانے کے لئے آگے نہیں بڑھتے، حالانکہ دو روز پہلے سے اخبار میں آرہا ہے کہ فلاں روز سورج گرہن ہونے والا ہے، یہ ہماری غفلت نہیں تو اور کیا ہے؟ اس لئے ہمیں ضرورت ہے کہ لوگوں کو واقف کریں کہ بھائی!

اس موقعہ پر ہماری اسلامی تعلیمات یہ ہیں؛ بلکہ آپ کو تو باقاعدہ اس کا نظام بنانا چاہیئے کہ سورج گرہن کی نماز ہوگی، ہم پڑھائیں گے، آپ حضرات آیئے، دعا ہوگی، اس طرح لوگوں کو متوجہ کیا جائے، ہر چیز میں نبوی تعلیمات کو زندہ کرنے کے لئے آپ کو بہت زیادہ چوکنا رہنے کی ضرورت ہے، ہر وقت آپ ان کے حالات سے باخبر رہیں، برائیوں سے روکنے والے اور بھلائیوں کی طرف بلانے والے بنیں۔

طلبا کو غفلت سے آگاہ کرو

اور میں طلبہ سے یہ بھی کہا کرتا ہوں کہ دیکھو! طالبِ علمی کا زمانہ غفلت کا زمانہ ہوتا ہے، آپ مدرسوں میں جو آٹھ، دس سال رہے، اس دوران آپ سے کیا کیا غفلتیں ہوئیں، جب آپ مدرسوں سے فارغ ہوکر جاوگے تو پتہ چلے گا؟ اور یہاں کا ماحول کیسا عمدہ تھا؟ اس کا احساس بھی فارغ ہونے کے بعد ہوتا ہے، جو مدرسوں سے فارغ ہوکر گئے ہیں ان سے میں کہا کرتا ہوں کہ یہاں رہتے ہوئے ایک طالب علم کو کیا کرنا چاہیئے؟ یہ ذرا اپنے ان ساتھیوں کو بھی بتادینا جو ابھی مدرسوں میں پڑھ رہے ہیں، ابھی سے ان کی آنکھیں کھول دینا کہ بھائی دیکھو! تم کو ابھی پتہ نہیں ہے کہ جب یہاں سے باہر جاوگے تو کیسے لوگوں سے واسطہ پڑنے والا ہے، وہ لوگ آپ کی ایک بھول بھی معاف کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے، یہاں تو ہمارے اساتذہ ہیں، اگر وہ کسی بات پر تنبیہ کردیں تو آپ برامان جاتے ہیں اور ناک منہ چڑھا لیتے ہیں، اور سزا کو تو برداشت کرنے کے لئے تیار ہی نہیں ہوتے؛ لیکن وہاں جس طبقے سے واسطہ پڑتا ہے وہ ایسا بے رحم ہے کہ کسی حال میں

بھی آپ کی کسی ایک غلطی کو معاف کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا، یہ سب باتیں ذرا اِن کو بھی بتا دینا کہ آپ لوگوں کے لئے ابھی موقعہ ہے، ہم نے تو بھلے نہیں کیا؛ لیکن تم کو آگاہ کرر ہے ہیں، تم لوگ ابھی ہی سنبھل جاؤ۔

باطل فرقے "الكفر مِلة واحِدة" کی شکل میں

ایک اور اہم بات یہ ہے کہ باطل فرقوں سے آگاہی ہونا بھی بہت ضروری ہے، ہمارے گجرات کی بہت سی آبادیوں میں جہاں مکتب کا نظام نہیں ہے وہاں قادیانیت پہنچ چکی ہے، اس قادیانیت کے متعلق بھی آپ کو بہت زیادہ چوکنا رہنے کی ضرورت ہے، اور بریلویت اپنے پر پرزے نکال رہی ہے، اور پتہ نہیں کیا کیا ہورہا ہے؟ اس بارے میں آپ مجھ سے زیادہ واقف ہیں، اسی طریقہ سے غیر مقلدیت اور سلفیت کے نام سے نوجوانوں کو بہکایا جارہا ہے، اور اب تو شیعیت اور پرویزیت بھی ہے، تو اِن سارے باطل فرقوں سے پورے طور پر آگاہ ہو کر لوگوں کو بھی آگاہ کرنے کی ضرورت ہے، لوگوں کو باقاعدہ واقف کیا جائے کہ خود بھی بچو اور دوسروں کو بھی بچاؤ، اس لائن سے بھی آپ کو خوب کام کرنے کی ضرورت ہے۔

آپ حضرات جب یہاں آئے تو آپ کو فارم دیا گیا، اس کو پُر کیجئے اور اپنے اساتذہ کو کھل کر بتائیے کہ ہمیں کام کرنے میں کیا کیا رکاوٹیں اور مشکلات پیش آتی ہیں؟ اور ہمیں ایسے ایسے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے جو ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں، ہمیں سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کو کیا جواب دیں؟ آپ ذرا ہم کو بتلائیے کہ ہم کیسے کام کریں؟ اور اس سلسلہ میں ہمیں کس قسم کی تیاریاں کرنی چاہئیں؟

ایک بات یاد رکھیں کہ اِس وقت ہمارے اکابرین کی برکت سے اوران کے ذریعہ سے تعلیم وتربیت کے جو سلسلے جاری کئے گئے ہیں، وہی دین کے صحیح کام کوانجام دے رہے ہیں، ان کے مقابلہ میں سارے باطل والے ''**الکفر ملة واحدة**'' کے طور پر متحد ہو کر سامنے آتے ہیں، آپ کہیں دیکھیں گے تو قادیانیوں کے ساتھ بریلوی بھی ہو جاتے ہیں، اور کبھی غیر مقلد بھی ہو جاتے ہیں؛ کیوں کہ وہ سب یہی چاہتے ہیں کہ دیوبندی کو یہاں سے نکالو، وہ بھی یہی سمجھتا ہے کہ یہ جائے گا تو میرا کام بنے گا، اور یہ بھی یہی سمجھتا ہے، حالانکہ بریلوی سمجھتا ہے کہ قادیانی کافر ہے، پھر بھی ہمارے مقابلہ میں اس کا ساتھ دے گا، ہمارے مقابلہ میں وہ دونوں مل جاتے ہیں، لہذا آپ کو بھی اپنی حیثیت سمجھ کر اس کے مطابق تیاریاں کرنے کی ضرورت ہے، باطل بہت زیادہ قوت کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے، نشر واشاعت کے سارے وسائل نے اس کو بہت قوت پہنچائی ہے، ہمیں بھی چاہئے کہ ہم بھی اس کے مطابق تیاریاں کریں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اِس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔ (آمین)۔

واخر دعوانا ان الحمدللّٰه رب العالمين.

دعا

سبحانك اللّٰهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالىٰ جدك ولا إلٰه غيرك. اللّٰهم صل على سيدنا ومولانا محمد وعلى آل سيدنا ومولانا محمد كما تحب وترضىٰ بعدد ما تحب

وترضى. ربنا ظلمنا انفسنا وإن لم تغفر لنا وترحمنا لنكونن من الخٰسرين. اللّٰهم اجعلنا هادين مهتدين غير ضالين ولا مضلين، سلما لأوليائك وحربا لأعدائك، نحب بحبك من أحبك، ونعادی بعداوتك من خالفك من خلقك.

اے اللہ! ان فضلاء کو جو یہاں سے پڑھ کر گئے ہیں آج جمع کیا گیا ہے، جن اغراض ومقاصد اور جن فوائد وثمرات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ مجلسیں ترتیب دی گئی ہیں، اے اللہ! ان کو علی وجہ الکمال حاصل ہونے کی صورتیں پیدا فرما، اے اللہ! آنے والوں کو اس کی اہمیت محسوس کرنے کی اور یہاں والوں کو ان کے دل ودماغ میں ان چیزوں کو قوت کے ساتھ بٹھانے کی توفیق عطا فرما، اے اللہ! آنے والے اپنے ساتھ نیا جوش، نیا ولولہ، نیا شوق، نئی رغبت اور نیا حوصلہ لے کر جائیں ایسی ان کو توفیق عطا فرما، ان کی راہ کی رکاوٹوں کو دور فرما، مشکلات کو آسان فرما، ان کی رہنمائی ، دستگیری، مشکل کشائی فرما، فتنوں سے ان کی حفاظت فرما، ان کی ضروریات کی کفالت فرما، اے اللہ! غیروں کا نشانہ بننے سے ان کی پوری پوری حفاظت فرما۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ، وصلى اللّٰه تعالىٰ على خير خلقه سيدنا ومولانا محمد وآله واصحابه اجمعين برحمتك يا ارحم الراحمين.

حجیت حدیث

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ نحمدہ و نستعینه و نستغفرہ، و نؤمن به و نتوکل علیه، و نعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا، و نعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا،و نعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا، من یهدہ اللّٰہ فلا مضل له، و من یضلله فلا هادی له، و نشهد ان لااله الااللّٰہ وحدہ لاشریک له، و نشهد ان سیدنا و مولانا محمدا عبدہ و رسوله، صلی اللّٰہ تعالی علیه و علی اٰله و اصحابه و بارک و سلم تسلیما کثیرا کثیرا. أمابعد:

اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم هُوَ الذی بعث فی الامیین رسولا من انفسهم یتلوا علیهم اٰیاته و یزکیهم و یعلمهم الکتاب و الحکمة. و قال اللّٰہ تعالی:و ما ینطق عن الهوی ان هو الا وحی یوحیٰ. و قال تعالی: و انزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیهم. و قال تعالی: و ما اٰتاکم الرسول فخذوہ وما نهاکم عنه فانتهوا.

معیارتحتانی وفوقانی

حضرات اساطینِ علم وفضل، علمائے کرام، طلبۂ عزیز، مسلمان بھائیو! اس وقت مجھ پر ایک ندامت، شرمندگی اور حجاب کا احساس ہے کہ ایسے بڑے بڑے حضرات علماء جو میرے طبقۂ اساتذۂ کرام سے تعلق رکھتے ہیں، ان کی موجودگی

میں مَیں سمع خراشی کرر ہا ہوں، مجھے خاقانی کا ایک شعر یاد آ گیا......

زیر پائیں نشستہ خاقانی	نے ترا ننگ و نے مرا ادب است
زیر "تبت یدا ابی لهب"	"قل هو اللّٰه" کہ وصفِ خالقِ ما است

خاقانی کہتے ہیں کہ آپ نیچے بیٹھے ہیں، تو آپ کا نیچے بیٹھنا یہ کوئی آپ کے لئے ننگ و عار اور میرا اوپر بیٹھنا میرے لئے کوئی عز و وقار نہیں، اس لئے کہ "قل هو اللّٰه" شریف جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا وصف اور اس کی صفات بیان کی گئی ہیں، "تبت یدا" کے بعد ہے۔

تو بہر حال میں اگر ان اکابر کی موجودگی میں آپ کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا ہوں تو میں تو اپنے نفس سے یہی خطاب کرتا ہوں "ایاز قدر خود بشناس" اللہ تعالیٰ نفس اور شیطان کی شرارت سے میری حفاظت فرمائے۔ (آمین)

نری کتاب ہدایت کے لئے کافی نہیں

اللہ تبارک وتعالی نے جب سے دنیا کو پیدا کیا اور انسانوں کو بسایا ہے، تب ہی سے دنیا کے اندر ہدایت کا ایک سلسلہ بھی جاری فرمایا ہے، انبیاء کرام علیہم السلام کا ایک سلسلہ۔ جو حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام سے لے کر نبی کریم ﷺ تک چلا، اس کو۔ جاری فرمایا، اور جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام کو بھیجا، وہیں اللہ تعالی نے ان میں سے بہت سے انبیاء علیہم السلام پر صحیفے اور کتابیں نازل فرمائیں: تورات حضرت موسی علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام پر نازل کی گئی، اور زبور حضرت داؤد علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام پر نازل کی گئی، انجیل حضرت عیسیٰ علی

نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام پر نازل ہوئی، اور دوسرے بہت سے صحیفے ہیں جو حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام اور حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام، حضرت شیث علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام پر نازل ہوئے، آخری کتاب اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی کریم ﷺ پر قرآن شریف کی شکل میں نازل فرمائی، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی اتنی بڑی نعمت ہے کہ دنیا کی کوئی بھی دوسری نعمت اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے صرف کتابوں کے نازل کرنے پر اکتفا نہیں کیا؛ بلکہ کتابوں کے ساتھ معلمِ کتاب کے طور پر حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی بھیجا۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ یہ دو سلسلے ہیں: کتاب اللہ اور رجال اللہ، اللہ کی کتاب اور اللہ کے آدمی، جب سے نزولِ کتاب کا سلسلہ جاری ہے تب سے یہ دونوں سلسلے برابر چل رہے ہیں، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے صرف کتاب نازل فرمائی ہو اور اس کتاب کو سمجھانے کے لئے، سکھلانے کے لئے، اس کی تفہیم وتشریح کے لئے، اس کا عملی نمونہ پیش کرنے کے لئے کوئی نبی نہ بھیجا ہو، حالانکہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اس بات پر قادر تھے کہ صبح کو جب آدمیوں کی آنکھ کھلے تو ان کے سرہانے پر تکیہ کے پاس بہت مزین اور عمدہ کتاب رکھی ہو، اور آسمان سے منادی کرادی جائے کہ ہر ایک کے تکیہ کے پاس جو کتاب رکھی ہوئی ہے وہ اللہ کی طرف سے بھیجی ہوئی ہے، اس کو آپ پڑھ لیجیے، مطالعہ کر لیجیے اور اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہارے لیے زندگی

گذارنے کا جو دستور وطریقہ بتایا ہے اس کو عملی جامہ پہنایئے، اللہ تبارک وتعالی چاہتے تو ایسا آسانی سے ہوسکتا تھا، لیکن ایسا نہیں ہوا؛ بلکہ جب بھی کوئی کتاب اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے آسمان سے نازل کی گئی تو وہ کسی نہ کسی نبی پر نازل کی گئی، ایسا تو ہوا ہے کہ نبی آئے اور ان کے ساتھ کتاب نہیں آئی، لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کتاب آئی اور نبی نہ آئے ہوں، کتاب کو کبھی تنہا نہیں بھیجا گیا، تنہا نہیں اتارا گیا؛ بلکہ ہمیشہ کسی نہ کسی نبی پر کتاب کو نازل کیا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ تنہا کتاب پڑھ کر سمجھ لینا یہ اس کا حق ادا کرنے کے لئے کافی نہیں۔

دنیوی فنون کی کتابوں کا مطالعہ حصولِ فن کے لئے ناکافی ہے

دنیا میں ہم دیکھتے ہیں انسانوں کی لکھی ہوئی کتابیں مثلاً ڈاکٹری اور طب کے فن پر بے شمار کتابیں مختلف زبانوں میں: انگریزی میں، اردو میں، فارسی میں، عربی میں اور دنیا کی مختلف زبانوں میں لکھی گئی ہیں، پڑھنے والے جانتے ہیں کہ ان کتابوں میں ہر ہر چیز کی تشریح کی گئی ہے، لیکن آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ فن طب اور فن ڈاکٹری کی اتنی کتابیں تنہا پڑھنے اور مطالعہ کرنے سے آدمی طبیب اور ڈاکٹر بن گیا ہو، اور آج تک اس موجودہ ترقی یافتہ زمانے میں بھی کوئی حکومت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ کوئی آدمی تنہا اپنے طور پر ڈاکٹری اور طب کی کتابیں پڑھ کر خود ہی علاج کرنے لگے چاہے کتنا ہی عالم وفاضل، کتنا ہی فہیم وذکی کیوں نہ ہو؛ بلکہ ہمیشہ اس فن کی کتابوں کو اس فن کے جاننے والوں کی خدمت میں زانوئے ادب طے کرکے پڑھا جاتا ہے، اور پڑھنے کے بعد بھی باقاعدہ ڈاکٹری کے لئے

پریکٹس کا سرٹیفکیٹ اس وقت تک نہیں ملتا جب تک کہ پڑھ کر امتحان میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد ایک مخصوص زمانے تک ڈاکٹروں کی زیرِ نگرانی باقاعدہ اس کی مشق نہ کی ہو۔

جو اس فن کو جانتے ہیں اور حکومت کے قواعد واصول سے واقف ہیں وہ بخوبی ان چیزوں کو جانتے ہیں کہ ان سارے مراحل سے آدمی گذر نہ جائے وہاں تک اس کو حکومت کی طرف سے علاج ومعالجہ اور ڈاکٹری کی اجازت اور سرٹیفکیٹ نہیں دیا جاتا۔

دنیا کا کوئی بھی فن ہو، چاہے وہ معمولی کیوں نہ ہو، اس فن کے ماہر کی صحبت وتربیت کے بغیر نہیں آتا، ایک آدمی اگر باورچی بنتا ہے تو فن طباخی یعنی کھانا پکانے کے سلسلہ کی بے شمار کتابیں مختلف ناموں سے ملتی ہیں؛ لیکن صرف ان کتابوں کو پڑھ کر وہ آدمی باورچی نہیں بن جاتا، باورچی بننے کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی باورچی کی خدمت میں رہے اور اس فن کو اس سے حاصل کرے، ایسا تو ہوسکتا ہے کہ بغیر کتاب پڑھے اس کی صحبت میں رہ کر یہ فن حاصل کرلے؛ لیکن ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ اس کی صحبت میں رہے بغیر اس فن کو محض کتابوں کے ذریعہ حاصل کرے، اس کے بغیر تو نمک کتنا ڈالنا چاہیے وہ بھی اس کو معلوم نہیں ہوگا۔

آپ کو فن خیاطی پر (درزی بننے کے اوپر) مستقل کتابیں پوری تفصیلات کے ساتھ ملیں گی؛ لیکن کوئی آدمی جب تک کہ کسی درزی اور ٹیلر کے پاس رہ کر باقاعدہ اس کی تربیت حاصل نہیں کرے گا، خالی ان کتابوں کے مطالعہ سے، ان

کے پڑھ لینے سے، ان کی تفصیلات کو ذہن نشین کر لینے سے درزی نہیں بنے گا؛ بلکہ سوئی میں دھاگہ پرونا بھی نہیں آئے گا، کاج بنانا بھی نہیں آئے گا، جب تک کہ درزی کے پاس نہیں بیٹھے گا۔

تو حقیقت یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے یہ نظام قائم فرمایا کہ جب بھی آسمان سے انسان کی ہدایت کے لئے کوئی کتاب نازل کی گئی تو اس کتاب کو سمجھانے کے لئے، اس کتاب کو پڑھانے کے لئے، ہدایت کے لئے، اس کے مضامین کی تشریح کے لئے، اس کی وضاحت کے لئے، اس کا عملی نمونہ لوگوں کے سامنے پیش کرنے کے لئے اللہ تعالی نے اپنے برگزیدہ اور منتخب بندوں میں سے -جن کو انبیاء اور رسول کہا جاتا ہے- کسی نہ کسی کو اس کے ساتھ بھیجا ہے، اور جن پر کتاب اتاری گئی وہ اس کتاب کے مضامین کو اپنے ماننے والوں کے سامنے وضاحت کے ساتھ، تشریح کے ساتھ پیش کرتے ہیں، اس کا عملی نمونہ ان کو دکھاتے ہیں۔

نماز کی عملی صورت

آپ اور ہم جانتے ہیں کہ اسلامی احکام میں، عبادات میں، بنیادی حیثیت نماز کو حاصل ہے، نماز سب سے بڑی اور بنیادی عبادت ہے؛ بلکہ اسلام کے ارکان میں سب سے اہم رکن نماز ہے، ہر آدمی جانتا ہے، معمولی سے معمولی مسلمان کو بھی معلوم ہے کہ نماز ایک بڑا رکن ہے، جو لوگ مسلمان نہیں ہیں وہ بھی جانتے ہیں، اور قرآن پاک میں تقریباً تہتر ﴿۷۳﴾ جگہ نماز کا حکم اور نماز کا تذکرہ کیا گیا ہے؛ لیکن کوئی آدمی خالی قرآن کو دیکھ کر اس کا مطالعہ کر کے نماز کا طریقہ

معلوم کرنا چاہے کہ کتنے وقت کی نماز فرض ہے وہ بھی معلوم نہیں کر سکتا (علماء نے احادیث کی روشنی میں جو اس کی تشریحات کی ہیں ان سے یہ معلوم ہوگا) تو نماز کے اتنے سارے فضائل واحکام تاکید کے ساتھ ہونے کے باوجود اور اسلام کا ایک بنیادی رکن ہونے کے باوجود قرآن سے نماز کا طریقہ اگر کوئی معلوم کرنا چاہے تو اس کے لئے یہ معلوم کرنے کی گنجائش نہیں ہے کہ کتنے وقت کی نماز ہے؟ اور کون سا وقت کب شروع ہوتا ہے؟ کب ختم ہوتا ہے؟ نماز میں کتنی چیزیں شرط کی حیثیت رکھتی ہیں، کتنی چیزیں رکن کی حیثیت رکھتی ہیں، کتنے واجبات ہیں، کتنی سنتیں ہیں؟ یہ ساری تفاصیل نبی کریم ﷺ کی تشریحات کے نتیجہ میں معلوم ہوئیں، اگر آپ ﷺ اس کی تشریح نہ کرتے، نہ بتاتے تو امت کو پتہ نہ چلتا کہ نماز کس طرح پڑھی جاتی ہے؟ جب نماز جیسی اہم عبادت کا یہ حال ہے تو دوسرے احکام اور عبادات کے متعلق آپ اندازہ لگا سکتے ہیں۔

ہمارے اسلام میں مختلف فرقے- جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں- پیدا ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہتے ہیں، ایک فرقہ کسی زمانے میں اہل قرآن کا بھی بنا تھا، عبداللہ چکڑالوی اس کا بانی مبانی تھا، اس نے ایک کتاب تصنیف کی تھی، اور وہ کہا کرتا تھا کہ ''قرآن ہی دلیل و حجت ہے، حدیث دلیل و حجت نہیں ہے، نبی کریم ﷺ کو اللہ تبارک وتعالی نے لوگوں تک قرآن پہنچانے کے لئے بھیجا'' نعوذ باللہ اس کے کہنے کے مطابق نبی کریم ﷺ کی حیثیت فقط ڈاکیہ کی ہے اور کچھ نہیں، اس نے اپنی کتاب میں نماز کا طریقہ یہ لکھا ہے کہ آدمی کھڑا ہو کر اللہ اکبر کہہ کر کے

بیٹھ جائے اور اس کے بعد وہ اپنا دایاں ہاتھ بغل کے نیچے اور بایاں ہاتھ کندھے پر رکھے پھر کھڑا ہو جائے، معلوم نہیں! کیا کیا بکواس اس نے کر رکھی ہے، جو آدمی نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس سے ہٹ کر کے قرآن سے براہ راست نماز کا طریقہ معلوم کرنا چاہے، اس کا نتیجہ یہی ہونا چاہیے۔

حضور ﷺ قرآن پاک کے شارح ومبیّن ہیں

بہر حال! اللہ تبارک وتعالی نے قرآن پاک کو نبی کریم ﷺ پر نازل فرمایا، اور آپ کو قرآن کے شارح اور مبین کی حیثیت عطا فرمائی، آپ لوگوں کے سامنے ان کے لئے اللہ کی طرف سے جو نازل کیا گیا ہے اس کی وضاحت کریں، اس کی تشریح کریں، اسے لوگوں کو سمجھائیں، یہ آپ ﷺ کی حیثیت ہے، اور اسی پر اللہ تعالی اپنا احسان جتلاتے ہیں: ﴿**لقد من اللّٰه علی المؤمنین اذ بعث فیهم**﴾ کہ اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا کہ ان میں ایک رسول بھیجا جو لوگوں کے سامنے اللہ تعالی کی آیات کی تلاوت کرتا ہے، اور ان کو پاک کرتا ہے، اور ان کو کتاب وحکمت سکھلاتا ہے۔﴿**یتلوا علیهم آیاته و یزکهم و یعلمهم الکتاب و الحکمة**﴾ حکمت سے مراد نبی کریم ﷺ کے ارشادات وسنت ہیں؛ کیوں کہ جب تک سنت نہ ہو کتاب اللہ کا سمجھنا ممکن نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ”**لو لا السنة لما فهم احد منا القرآن**“ اگر سنت نہ ہوتو ہم میں سے کوئی قرآن کو سمجھ نہیں سکتا۔ ہم اور آپ تو عجمی ہیں، عربی پڑھے ہوئے نہیں ہیں، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو عربی تھے، اور اس زمانے میں

عربی زبان میں فصاحت و بلاغت کا غلغلہ تھا، اور وہ وہ دور تھا کہ بڑے بڑے فصیح و بلیغ ادیب اس قوم کے اندر موجود تھے اور وہ اپنی فصاحت و بلاغت کا اظہار کرنے کے لئے قصیدے کہا کرتے تھے، اور ایسا اعلیٰ قسم کا قصیدہ ہوا کرتا تھا کہ اس کو باقاعدہ کعبہ شریف کے دروازے پر لٹکایا جاتا تھا، ایسے سات قصیدے باقاعدہ ہمارے نصاب تعلیم میں ''سبع معلقات'' کے نام سے عربی ادب کے طور پر پڑھائے بھی جاتے ہیں۔

بہر حال! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ وہ لوگ جو اپنے آپ کو عرب اور دوسرے لوگوں کو عجمی یعنی گونگے کہتے تھے، ان کے سامنے بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے وضاحت کے لئے نبی کریم ﷺ کو بھیجا، قرآن پاک تنہا وہ بھی نہیں سمجھ سکتے تھے، تو اگر آج ہمارے اس علاقہ میں، عجمیوں کے علاقہ میں کوئی آدمی اس بات کا دعویدار ہو کہ بغیر سنت کے میں قرآن سمجھ سکتا ہوں، تو اس کے سوا کہ اس کو جنون و پاگل پن سے تعبیر کیا جائے اور کیا کہا جا سکتا ہے؟ بہر حال! نبی کریم ﷺ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسی لئے بھیجا اور آپ نے اپنی پوری حیاتِ طیبہ میں قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے جو احکام انسانیت کی ہدایت کے لئے نازل فرمائے تھے، ان سارے احکام کو تفصیل کے ساتھ، وضاحت کے ساتھ، حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے پیش کیا، اور ان احکام کا تعلق عبادت سے بھی ہے، عقائد سے بھی ہے، معاملات سے بھی ہے، معاشرت سے بھی ہے، اخلاق سے بھی ہے، خالی عبادات سے نہیں ہے، دین کے کئی شعبے ہیں، اور قرآن میں ان تمام شعبوں سے متعلق ہدایات موجود ہیں،

اور نبی کریم ﷺ نے قرآن پاک کی اجمالی ہدایتوں کو وضاحت کے ساتھ، اور عملی نمونوں کے ساتھ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے پیش کیا۔

مقام صحابہ رضی اللہ عنہم

حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت وہ مبارک جماعت تھی جس کو اللہ تبارک وتعالی نے اپنے پیارے ومحبوب نبیٔ کریم ﷺ کی صحبت کے واسطے منتخب کیا تھا، جس جماعت کو اللہ نے اپنے نبیٔ کریم ﷺ کی صحبت کے لئے منتخب کیا ہو، اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان کا مقام کتنا بلند ہے، کوئی معمولی حیثیت نہیں تھی، اتنا اونچا مقام کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد اہل السنّت والجماعت کے عقیدے کے مطابق ان سے افضل اور کوئی جماعت نہیں، دنیا کا بڑے سے بڑا ولی کسی ادنی صحابی کے مقام تک پہنچ نہیں سکتا، یہ اہل السنّت والجماعت کا متفق علیہ عقیدہ ہے۔

ایک مرتبہ کسی نے امام مالکؒ سے سوال کیا تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا عمر بن عبد العزیز؟ عمر بن عبد العزیز کا مقام بھی بڑا ہے، تابعین میں سے ہیں، اور ان کے دورِ خلافت کو خلافتِ راشدہ کے قریب اور اس کے مشابہ بتلایا جاتا ہے، آپ نے جواب دیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نبیٔ کریم ﷺ کے ساتھ جن غزوات میں شرکت کی، ان غزوات میں ان کے گھوڑے کی ناک کے اندر جو غبار پہنچا عمر بن عبد العزیزؒ کی ساری زندگی کے اعمال بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

یہ مقام تھا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اور یہ وہ مقدس جماعت تھی بقول حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے جنہوں نے اسلام کو دنیا تک پہنچانے کے واسطے اور

اسلام کا عملی نمونہ پیش کرنے کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیا کوئی چیز باقی نہیں رکھی، اپنی جانیں قربان کر دیں، اپنی اولاد کو قربان کیا، اپنا مال پیش کیا، اپنا سب کچھ پیش کر دیا۔ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگ یوں کہتے ہیں کہ ''کاش ہم صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانے میں ہوتے'' تو ایسا کہنے کی ضرورت نہیں ہے، اللہ تبارک وتعالی نے جس کو جس زمانہ میں پیدا کیا اس کے مناسب ہے، کہیں ایسا نہ ہو جاتا کہ اس زمانے میں ہوتے اور پھر وہ حق جو صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ادا کرنا چاہئے وہ ادا نہ کر پاتے تو بجائے صحابہ کے منافقین میں نام لکھا جاتا، اللہ نے جس کو جیسا رکھا اسی پر اس کا شکر واحسان ادا کرنا چاہیے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کی حفاظت کے طریقے

پہلا طریقہ: قوتِ حافظہ

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت وہ ہے جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ اور مبارک زندگی کے ہر ہر جزو کو محفوظ رکھا، اور اس کی حفاظت کے لئے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے تین طریقے استعمال کئے: ایک طریقہ تھا حافظہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو یاد رکھنے کا، آج ہم اور آپ جس زمانے میں موجود ہیں اور ہمارے حافظے جس تنزلی اور پستی کے شکار ہیں، اس کے پیش نظر ہمارے دل و دماغ میں یہ بات آہی نہیں سکتی کہ ان حضرات کے حافظے اتنے قوی تھے کہ آج کا کمپیوٹر کیا حیثیت رکھتا ہے؟ ان حضرات کی قوتِ حافظہ کے قصے ہم سنتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے، اللہ تعالی نے ان حضرات کو ایسے حافظے عطا فرمائے تھے کہ ان کو

اپنے نسب نامے ہی نہیں؛ بلکہ گھوڑوں کے نسب نامے تک محفوظ ہوتے تھے، ہزاروں اشعار ایک ایک آدمی کی نوک زبان ہوا کرتے تھے، ایک مرتبہ کوئی چیز سن لی تو وہ پتھر کی لکیر کی طرح ان کے دل ودماغ میں محفوظ ہوجایا کرتی تھی۔

پاؤں دیکھ کر پہچان لیا

کوئی چیز دیکھ لی، سن لی، محفوظ ہوگئی، بخاری شریف میں غزوۂ احد کے بیان میں ایک واقعہ لکھا ہے: جعفر بن عمرو بن امیہ ضمری کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں عبداللہ بن عدی بن خیار کے ساتھ (یہ دونوں تابعی ہیں) جہاد کے ایک سفر میں گیا تھا، وہاں سے واپسی میں ہم لوگوں کا گذر مقام حمص پر سے ہوا۔ حمص ملک شام میں ایک شہر ہے۔ وہاں حضرت وحشی رضی اللہ عنہ ۔ جن کے ہاتھوں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا تھا اور فتحِ مکہ کے بعد مسلمان ہوگئے تھے۔ قیام پذیر تھے، یہ عبداللہ بن عدی بن خیار بنونوفل کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، حضرت وحشی رضی اللہ عنہ اسی خاندان کے غلام تھے، حضرت جعفر بن امیہ یوں کہتے ہیں کہ عبیداللہ بن عدی نے مجھ سے یوں کہا کہ: کیا تمہارے دل میں یہ خواہش ہے کہ ہم وحشی کی ملاقات کریں اور ان سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پوچھیں؟ اس لئے کہ وہ خود صاحبِ واقعہ ہیں، ان کے ہاتھوں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی ہے، میں نے کہا ضرور، چنانچہ ہم نے حمص پہونچ کر حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے متعلق معلوم کیا، لوگوں نے ہم کو اشارہ سے بتلایا کہ وہ اپنے مکان کے سایہ میں بیٹھے ہوئے ہیں، جعفر کہتے ہیں کہ ہم نے ان کے قریب پہونچ کر سلام کیا، انہوں نے سلام کا

جواب دیا، (ان کے پاس پہونچنے سے پہلے) عبید اللہ بن عدی نے اپنا عمامہ اپنے سر اور چہرہ پر اس طرح لپیٹ لیا تھا کہ وحشی رضی اللہ عنہ صرف ان کی آنکھیں اور پاؤں کے پنجے دیکھ سکتے تھے، عبید اللہ نے وحشی رضی اللہ عنہ سے پوچھا، مجھے پہچانتے ہو؟ جعفر کہتے ہیں کہ وحشی نے ایک نظر ان کو دیکھ کر کہا کہ اللہ کی قسم! مجھے اتنا معلوم ہے کہ عدی بن خیار نے ایک عورت سے نکاح کیا، جس کا نام ام قتال بنت ابی العیص تھا، اور اس عورت کو عدی بن خیار سے ایک بچہ پیدا ہوا (اس زمانہ میں عرب والے اپنے بچوں کو دودھ دیہات کی عورتوں سے پلوایا کرتے تھے، مائیں خود اپنا دودھ نہیں پلاتی تھیں؛ تاکہ دیہات کے ماحول میں تربیت ہو، فری (free) ماحول میں تربیت ہونے کی وجہ سے ان کی صلاحیتیں بھی اجاگر ہوا کرتی تھیں، اور زبان کی فصاحت و بلاغت کا فائدہ بھی حاصل ہوتا تھا) میں اس بچہ کے واسطے دایا کو تلاش کرنے کے لئے گیا تھا اس طرح کہ وہ بچہ اپنی ماں کے پاس تھا اور ماں کو اونٹ پر سوار کرایا تھا اور اس اونٹ کی نکیل پکڑ کر کے لے جا رہا تھا، جب دایا مل گئی تو اس بچہ کو ماں کے پاس سے لے کر میں نے دایا کے ہاتھ میں دیا، اس وقت بچہ کے جو پیر میں نے دیکھے تھے وہی پیر اس وقت دیکھ رہا ہوں۔

شارحین نے لکھا ہے: پچاس سال بیچ میں گذرے تھے، آپ اور ہم اس کا تصور کر سکتے ہیں؟ دو دن، چار دن کے پیدا شدہ بچہ کے پاؤں دیکھ لئے ہوں اور پچاس سال کے بعد کہے کہ یہ وہی بچہ ہے، اس سے ان حضرات کے حافظے کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کتنا قوی ہوگا؟۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا امتحان

عبد الملک بن مروان - جو بنی امیہ کا بڑا جاہ وجلال والا بادشاہ گذرا ہے - نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ایک دن بلایا اور امتحان کے طور پر کہا: کچھ حدیثیں بیان کیجیے، اس نے پہلے سے ایک کاتب بلا کر رکھ لیا تھا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حدیثیں بیان کرنا شروع کیا، ایک معتد بہ مقدار حدیثوں کی جب وہ بیان کر چکے تو کہا بس، اس کے بعد ان کو اجازت دے دی کہ آپ جا سکتے ہیں، ایک سال گذرنے کے بعد دوبارہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو دعوت دی اور پھر ان سے کہا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! گذشتہ سال آپ نے جو حدیثیں ہم سے بیان کی تھیں ہم چاہتے ہیں کہ وہ حدیثیں دوبارہ بیان کر دیجئے، وہ کاتب جس نے اس وقت ان حدیثوں کو لکھ لیا تھا وہ نوشتہ وتحریر لے کر بیٹھا ہوا تھا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اسی ترتیب سے ان احادیث کو بیان کرنا شروع کیا، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "**الاصابة فی معرفة الصحابة** رضی اللہ عنہم "- ان کی یہ کتاب صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات میں چار جلدوں میں چھپی ہوئی ہے - میں لکھا ہے کہ ایک حرف، ایک نقطہ اور ایک حرکت کا بھی فرق نہیں تھا، ترتیب بھی وہی تھی جو اگلے سال انہوں نے بیان کی تھی۔ اس سے ان حضرات کے حافظے کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، اللہ تبارک وتعالی نے جن لوگوں کو ایسے حافظے، ایسی یادداشت عطا فرمائی ہو اور پھر ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ساتھ جو تعلق تھا، جو محبت تھی، جو عقیدت تھی اس کا بھی کون اندازہ لگا سکتا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرکتوں کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کے حالات کو وہ حضرات جس انداز سے محفوظ رکھ سکتے تھے اس کا صرف ہم تصور کریں تو اندازہ لگانا آسان ہو جائے گا، اس کے ساتھ جب نبی کریم ﷺ نے بشارتیں بھی سنائی ہوں: ﴿**نضر الله عبدا سمع مقالتی فحفظها و وعاها و أداها**﴾ (مشکوٰۃ ۳۵) ''اللہ تبارک وتعالی تروتازہ رکھے اس آدمی کو جس نے میری بات سنی اس کو یاد کرلیا، یاد کر لینے کے بعد محفوظ رکھا اور جیسا سنا ویسا دوسروں تک پہنچادیا'' یہ دعاء حضور ﷺ نے دی ہے۔

حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب نوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ حدیث پڑھانے کے جو فوائد ہیں ان میں اس سے بڑا فائدہ اور کیا ہوسکتا ہے کہ حدیث پڑھنے پڑھانے والوں کو نبی کریم ﷺ نے یہ دعاء عطا فرمائی کہ تروتازہ رہے، تو جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے یہ دعا سن چکے ہوں اور اس کی فضیلت کے سلسلہ میں آپ ﷺ کے ارشادات سن چکے ہوں، پھر آپ ﷺ کے ساتھ ان کا تعلق اور ان کے حافظے! ان سب کے بعد نبی کریم ﷺ کے ارشادات کو یاد رکھنے، پہنچانے کے سلسلہ میں وہ جو کچھ کر سکتے ہیں صرف ہم اس کا اندازہ ہی لگا سکتے ہیں اور کچھ نہیں، ایک طریقہ تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی حفاظت کے لئے یہ اختیار کیا تھا۔

دوسرا طریقہ: تعامل

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ نبی کریم ﷺ کا جب کوئی ارشاد سنتے تھے یا نبی کریم ﷺ کو کچھ کرتے ہوئے دیکھتے تھے تو پھر اسی عمل کو وہ خود اپنا لیا

کرتے تھے، اور اس کا ہمیشہ اہتمام کرتے تھے، عبادات تو عبادات، عادات کے اندر بھی ان حضرات کا حال یہ تھا کہ حضور ﷺ کو جس طرح بیٹھے ہوئے دیکھا اسی طرح بیٹھا کرتے تھے، ایک صحابی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایسی حالت میں حاضر ہوئے کہ حضور ﷺ کا گریبان کھلا ہوا تھا، تو انہوں نے زندگی بھر کبھی بٹن نہیں لگایا کہ اسی طرح میں نے حضور ﷺ کو دیکھا ہے، بس پوری زندگی اسی طرح گذاردی، محبت، تعلق اور آپ ﷺ کے طریقہ پر عمل کا جذبہ دیکھیے، حالانکہ یہ کوئی عبادات سے تعلق رکھنے والی چیز نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ ایک مرتبہ سفر میں جارہے ہیں، ایک درخت آیا، حج کا سفر تھا، اترے، بیٹھے ایسے جیسے کوئی استنجاء کرنے کے لئے بیٹھتا ہے اور پھر اٹھ گئے، پیشاب نہیں کیا، کسی نے کہا کیا بات ہے حضرت؟ کہا: میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ سفر میں تھا، اس مقام پر آپ ﷺ کو دیکھا کہ آپ اترے اور آپ نے قضائے حاجت فرمائی، اگرچہ مجھے تقاضا نہیں تھا؛ لیکن نبی کریم ﷺ سے مشابہت حاصل کرنے کے لئے یہ کیا، تو وہ حضرات جو چیز دیکھتے تھے ویسے ہی کرتے تھے، اسی لئے روایتوں میں آپ دیکھیں گے کہ ایک صحابی ہیں، انہوں نے وضو کرنے کے بعد دو رکعت نماز ادا فرمائی اور وہ یوں کہتے ہیں کہ اسی طرح میں نے نبی کریم ﷺ کو کرتے ہوئے دیکھا۔

سفر کی دعاء میں آپ نے پڑھا ہوگا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے سواری لائی گئی، سواری پر سوار ہوئے اور دعاء پڑھی: ﴿ **سبحان الذی سخر لنا هذا و**

ما كنا له مقرنين پھر سبحان اللہ، الحمد للہ کہا، آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا: میں نے نبی کریم ﷺ کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا، آپ اندازہ لگائیں کہ کوئی کام سننے یا دیکھنے کے بعد ہم ایک مرتبہ کرتے ہیں تو وہ کتنا پختہ ہو جاتا ہے، وہ تو زندگی بھر کرتے ہی رہتے تھے، ایک مرتبہ کی قید نہیں۔

بہر حال! حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کے اقوال، آپ ﷺ کی باتیں، آپ ﷺ کے افعال، آپ ﷺ کے کاموں کو اور آپ ﷺ کے حالات کو محفوظ کرنے کے لئے خالی اپنے حافظہ سے نہیں؛ بلکہ عمل سے بھی کام لیتے تھے۔

تیسرا طریقہ: تحریر

اور اس کے بعد مزید ان کے یہاں یہ بھی تھا کہ وہ نوٹ بھی کر لیا کرتے تھے، تحریری شکل میں بھی بعض حضرات اس کو محفوظ کر لیتے تھے۔

ترمذی شریف میں روایت ہے کہ ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی مجلس مبارک میں حاضر ہوتے تھے، نبی کریم ﷺ کے ارشادات کو سنتے تھے ان کو بہت اچھا لگتا تھا، ایک روز انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! میں آپ کی مجلس میں حاضر ہوتا ہوں، آپ کی باتیں سنتا ہوں، بہت اچھی لگتی ہیں؛ مگر مجھے یاد نہیں رہتیں، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اپنے ہاتھ سے مدد لو، یوں کہہ کر لکھنے کی طرف اشارہ کیا، گویا لکھنے کا حکم دیا۔

ابو داؤد شریف میں اور مستدرک حاکم میں روایت ہے، حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نبی کریم ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوتا تھا اور

جو کچھ حضور ﷺ سے سنتا تھا وہ نوٹ کرلیا کرتا تھا، قریش کے بعض لوگوں نے مجھ سے یوں کہا کہ حضور ﷺ جو کچھ فرماتے ہیں وہ سب آپ لکھتے ہیں، حالانکہ آپ ﷺ تو ایک انسان ہیں، کبھی کوئی بات آپ ﷺ نے رضا مندی کی حالت میں فرمادی، کبھی کوئی بات غصہ کی حالت میں فرمادی، غصہ کی حالت میں آدمی کوئی ایسی بات بھی کہہ لیتا ہے جس کے متعلق بعد میں اس کو خیال آتا ہے کہ میں نے ''نہ'' کہا ہوتا تو اچھا تھا، گویا غصہ کی حالت میں کہی ہوئی باتیں اس قابل نہیں ہوتیں کہ ان کو محفوظ رکھا جائے، یاد رکھا جائے، دوسروں کے سامنے بیان کیا جائے، تو انہوں نے لکھنا بند کر دیا اور نبی کریم ﷺ سے عرض کیا: کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! میں آپ ﷺ کے ارشادات کو لکھا کرتا تھا، بعض لوگوں نے مجھ سے یوں کہا، اس لئے میں نے لکھنا چھوڑ دیا تو حضور ﷺ نے فرمایا: لکھو، اللہ کی قسم! اس منہ سے غصہ کی حالت میں ہو یا رضا مندی کی حالت میں ہو سوائے حق کے اور کچھ نہیں نکلتا، اسی کو باری تعالی نے فرمایا ہے ﴿وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی﴾ کہ نبی کریم ﷺ اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتے، آپ ﷺ جو کچھ بھی فرماتے ہیں وہ ایک وحی ہے جو آپ کی طرف بھیجی گئی ہے۔

وحی کے اقسام

علماء نے وحی کی دو قسمیں بتلائی ہیں: وحی متلو اور وحی غیر متلو۔ وحی متلو کا مطلب یہ ہے کہ وہ تلاوت کی جاتی ہے، قرآن پاک اور اس کے علاوہ اور باتیں بھی جو نبی کریم ﷺ ارشاد فرمایا کرتے تھے وہ بھی اللہ ہی کی طرف سے آپ ﷺ

کے قلبِ اطہر پر القاء کی جاتی تھیں، اور آپ ﷺ کو مختلف طریقوں سے بتلایا جاتا تھا، چنانچہ حدیث پڑھنے پڑھانے والے جانتے ہیں کہ بہت سے سوالات جب حضور ﷺ سے کئے گئے، آپ ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے آنے کا انتظار کیا، اور اس کے بعد ان کے جوابات ارشاد فرمائے، تو جو کچھ بھی آپ ﷺ عام حالات میں فرمایا کرتے تھے وہ بھی اللہ تعالی کی وحی ہی ہوا کرتی تھی۔

حدیث کی لغوی واصطلاحی تعریف

حدیث کا مطلب کیا؟ حدیث عربی زبان میں بات کو کہتے ہیں، علامہ جوہری لغت کے ایک امام ہیں، انہوں نے اپنی کتاب ''صحاح'' میں لکھا ہے: ''الحدیث: الکلام قلیله و کثیره'' کہ حدیث مطلق بات کو کہتے ہیں چاہے وہ زیادہ ہو یا کم، یہ تو عربی زبان کے اعتبار سے اور عربی لغت وڈکشنری کے اعتبار سے اس کا معنی ہوا، لیکن پھر اس کا ایک اصطلاحی معنی بھی ہے، ''پری بھاشا'' جس کو کہتے ہیں، وہ کیا ہے؟ علامہ طاہر جزائریؒ نے فرمایا: کہ نبی کریم ﷺ کے اقوال اور آپ ﷺ کے افعال اور آپ ﷺ کے حالات کے مجموعہ کا نام حدیث ہے، اللہ تبارک وتعالی نے آپ پر قرآن پاک نازل فرمایا، آپ ﷺ نے اپنے اقوال کے ذریعہ سے، اپنے افعال کے ذریعہ سے اوور اپنے حالات کے ذریعہ سے اس کی تشریح فرمائی اسی لئے وہ حدیث کہلائی گئی۔

حدیث کا مأخذ قرآن کی آیت سے

ہمارے اکابر میں سے علامہ شبیر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہ تو فرماتے ہیں کہ

یہ ''حدیث'' نام دراصل قرآن پاک کی ایک آیت سے مأخوذ ہے: ﴿و اما بنعمة ربک فحدث﴾ کہ قرآن پاک میں اللہ تعالی نے نبیٔ کریم ﷺ کے اوپر اپنے تین احسانات شمار کروائے: اے نبی! آپ یتیم تھے ﴿الم یجدک یتیما فأوی﴾ اللہ نے آپ کو پناہ دی، یتیم تو بے سہارا ہوا کرتا ہے، اللہ نے آپ کو پناہ دی اور اونچا مقام عطا فرمایا، اس پر اللہ تعالی نے حضور ﷺ کو حکم دیا کہ اللہ نے جب آپ کی یتیمی میں آپ پر احسان کیا تو اس کا شکر یہ یہ ہے کہ ﴿فاما الیتیم فلا تقهر﴾ کوئی یتیم اگر آ جائے تو اس پر مسلط مت ہو جائیو، اس کو دباؤ میں لانے کی کوشش مت کرنا، اس کے ساتھ محبت سے پیش آنا، اسی لئے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ کسی گھر میں، کسی خاندان میں کوئی یتیم بچہ ہے، اور وہاں اس کے ساتھ برا سلوک کیا جاتا ہو تو وہاں اللہ کی رحمت نہیں اترتی ہے، اور جہاں یتیم بچہ ہو اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہو تو وہاں اللہ کی رحمت اترتی ہے۔

اور دوسرا احسان اللہ تبارک وتعالی نے یہ بتلایا کہ ﴿ووجدک عائلا فاغنی﴾ کہ تم کو اللہ تعالی نے فقیر پایا، مال کے بغیر پایا، اللہ تعالی نے تم کو غنی کر دیا تو اس احسان کے شکرانہ کے لئے اللہ تعالی نے حکم دیا: ﴿و اما السائل فلا تنهر﴾ کہ کوئی سائل، کوئی مانگنے والا آوے، اپنی ضرورتیں تمہارے پاس لے کر آوے تو اس کو جھڑکیو مت، تم بھی یہ زمانہ گذار چکے ہو، تم پر بھی یہ حالات آ چکے ہیں، اور تمہیں بھی معلوم ہے کہ آدمی کے پاس جب مال نہ ہو اور ضرورت مند ہو تو اس پر کیا گذرتی ہے؟ تم نے تو وہ حالات دیکھے ہیں، اس لئے تمہارے پاس ایسا

آدمی آئے تو اس کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کیجیو، جھڑکیو مت۔

اور تیسری چیز ہے: ﴿ووجدک ضالا فهدی﴾ اے نبی! اللہ تبارک وتعالی نے آپ کو بے خبر پایا یعنی اللہ تعالی نے نبی کریم ﷺ کے اوپر شریعت کے احکام اور شریعت سے تعلق رکھنے والی جو چیزیں نازل فرمائیں، وحی سے پہلے آپ ان سے واقف نہیں تھے، اللہ تبارک وتعالی نے نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس میں جو صلاحیت رکھی تھی، قدرتی طور پر اس کی وجہ سے وحی کا سلسلہ شروع ہونے سے پہلے لوگوں کی بے راہ روی، گمراہی اور ان کی برائیوں کو دیکھ کر آپ کا دل کڑھتا تھا، لیکن آپ کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ انہیں گمراہی سے ہٹانے کے لئے، ہدایت پر لانے کے لئے، اس بے راہ روی سے نکال کر راہ راست پر لانے کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟ اللہ تبارک وتعالی نے وحی کے ذریعہ سے وہ طریقہ بتلا دیا۔

تو جب یہ طریقہ بتلا دیا تو اس کے شکرانہ کے طور پر یہ حکم دیا گیا: ﴿واما بنعمة ربک فحدث﴾ آپ پر اللہ نے وحی نازل فرمائی، اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے، اور وحی کے ذریعہ احکام اور شرائع کا علم آپ کو عطا فرمایا، اس سے آپ کو واقف کیا، آپ اللہ کی اس نعمت کو لوگوں کے سامنے بیان کیجئے، کھولئے، تو آپ نے اپنے اقوال، افعال اور حالات کے ذریعہ سے اس کو بیان کیا، اس لئے آپ کے اقوال، افعال اور حالات کو حدیث کا نام دیا گیا۔

احادیث کی حجیت پر امت کا اتفاق

امت کا بارہ صدیوں تک برابر حجیتِ حدیث پر اتفاق رہا، نبی کریم ﷺ

سے لے کر بارہ سو سال تک کبھی کسی کو حدیث کے حجت ہونے میں کوئی کلام نہیں تھا، قرآن پاک جس طرح دین کی ایک بنیادی دلیل و حجت ہے، اسی طریقہ سے حدیث بھی دین کا ایک بڑا ماخذ ہے؛ بلکہ اگر حدیث نہ ہوتی تو قرآن سمجھنا لوگوں کے لئے مشکل ہو جاتا۔ قرآن پاک کی آیت ﴿**وما اتاکم الرسول فخذوه و ما نهاكم عنه فانتهوا**﴾ کی تفسیر میں بخاری شریف کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن مسعودؓ نے بتلایا کہ اللہ تبارک وتعالی نے لعنت کی ایسی عورت پر جو گوندنا لگائے اور لگوائے، (گوندنا یعنی سوئی کے ذریعہ جسم میں سوراخ کروانا اور نقش وغیرہ کروانا) اس حدیث میں اور بھی لعنتیں ہیں، ایک عورت نے آ کر عبداللہ بن مسعودؓ سے کہا کہ یہ تم کہتے ہو کہ اللہ تعالی نے لعنت فرمائی، میں نے پورا قرآن پڑھا؛ لیکن کہیں بھی مجھے تو یہ چیز نظر نہیں آئی، تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ اگر تم قرآن غور سے پڑھتی تو پاتی، کیا تم نے قرآن کی یہ آیت نہیں پڑھی؟ ﴿**ما اتاکم الرسول فخذوه و ما نهاكم عنه فانتهوا**﴾

سر سید اور ان کے رفیق

تاریخ جاننے والے جانتے ہیں، ڈیڑھ دو صدی پہلے کی بات ہے کہ یورپین اقوام اکثر دنیا کے مختلف ممالک پر غالب تھیں، تو اس زمانے میں مغربی تہذیب کی جو وبا چلی، اس وبا کے نتیجہ میں مسلمانوں میں ایک طبقہ ایسا پیدا ہوا جو یہ سمجھتا تھا کہ مسلمانوں کی ترقی ان مغربی اقوام کی تقلید اور ان کی پیروی میں ہے، چنانچہ انہوں نے اسلامی احکام میں تحریف کرنا شروع کیا، ہمارے ہندوستان میں

انہیں میں سے سرسید احمد خان تھے، چاہے ان کی نیت خیر کی ہو، لیکن خیر کی نیت کے ساتھ بھی کوئی غلط کام کرے گا تو قابل قبول نہیں، اور مصر میں طٰہٰ حسین، اس طرح ترکی کے اندر گوگ الُپ نامی بہت مشہور مصلح گذرا ہے، ایسے مختلف لوگ پیدا ہوئے، بیسویں صدی عیسوی کے شروع میں یہ لوگ اس بات کے قائل تھے کہ مسلمانوں کی ترقی انہی (مغربی اقوام) کی نقالی کے اندر ہے، تو اب اس کے لئے انہوں نے اسلامی احکام میں ردو بدل (تحریف) کرنا شروع کیا، پردہ کا انکار کیا، تجارتی سود کو جائز قرار دینے کی کوششیں کیں اور بھی مختلف چیزیں ہیں، یہ لوگ اس زمانے سے آج تک اس پر بحثیں کراتے رہتے ہیں، حالانکہ سود کا حرام ہونا ایک ایسا حکم ہے جو قرآن میں کھلم کھلا موجود ہے، احادیث میں کھلم کھلا وضاحت کے ساتھ ہے، لیکن اس کے باوجود آج بھی لوگ اس پر بحثیں کرتے رہتے ہیں، یہ سلسلہ ان لوگوں نے شروع کیا، اس میں ایسی احادیث کا انکار کیا جو سند کے اعتبار سے بڑی صحیح تھیں، اس کے باوجود احادیث ان کی آزادانہ راہ میں رکاوٹ ثابت ہوئیں، انہوں نے دیکھا کہ ان حدیثوں میں جتنی تشریحات ہیں اگر وہ سامنے رکھی جائیں گی تو ہمارا مشن آگے نہیں بڑھے گا تو انہوں نے حدیث کی صحت سے انکار کر دیا، اس کے حجت ہونے سے انکار کیا، اگر چہ کھلم کھلا دعوی تو انھوں نے نہیں کیا، لیکن اپنی تحریروں میں ایسی باتیں پیش کرتے تھے، سرسید خان اور ان کے ایک ساتھی مولوی چراغ علی نے بہت ساری صحیح حدیثوں کا انکار کیا، اور اس کے بعد تو ایک فرقہ ہی باقاعدہ پیدا ہوا، عبداللہ چکڑالوی اس کا بانی تھا، یہ لوگ اپنے آپ کو

اہل قرآن کہتے ہیں یعنی ہم تو خالی قرآن کو مانتے ہیں، حدیث کو نہیں مانتے۔

فقہ کیا ہے؟

جیسے بعض لوگ حدیث کے بعد فقہ کو نہیں مانتے، حالانکہ فقہ حدیث سے کوئی الگ چیز نہیں ہے، قرآن وحدیث کے اندر جتنے بھی احکامات مختلف انداز پر مختلف طریقوں سے پھیلے ہوئے ہیں ان احکامات کو حضرات فقہائے کرام اور ائمہ نے باقاعدہ قانونی شکل دے کر کتابوں کے اندر جمع کر دیا، جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا کہ کوئی آدمی اپنے طور پر قرآن کا مطالعہ کر کے اگر نماز کا طریقہ معلوم کرنا چاہے تو کیا حاصل کر سکتا ہے؟ اسی طرح اپنے طور پر کوئی آدمی جس میں صلاحیت نہ ہو اور جس میں اجتہاد کی شرطیں نہیں پائی جاتیں، حدیث کا مطالعہ کر کے بھی نماز کا طریقہ معلوم کرنا چاہے گا تو نہیں کر سکے گا، اس لئے کہ حدیث کے ذخیرہ میں ایسی بہت سی چیزیں نماز کے طریقہ میں موجود ہیں جو پہلے تھیں بعد میں منسوخ ہو گئیں۔

تو یہ کام ہر ایک کا نہیں ہے، اور ہر ایک اس قابل بھی نہیں ہوتا، اللہ تعالی جزائے خیر دے ان حضرات ائمۂ کرام کو کہ انہوں نے حدیث وقرآن میں غور وفکر کر کے اس کا خلاصہ فقہ کی صورت میں پیش کر دیا اور اس کے وہ اہل تھے، اپنی اجتہادی صلاحیتوں کی وجہ سے ناسخ ومنسوخ، راجح ومرجوح کو ممتاز کیا، اہل علم ان ساری چیزوں کو جانتے ہیں، ان ساری چیزوں کو سامنے رکھ کر باقاعدہ بتلایا کہ نماز کیا ہے؟ ایک طریقہ کتاب میں لکھ دیا، کونسی چیز اس میں شرط ہے، کونسی فرض ہے، رکن ہے، کونسی واجب ہے؟ ہم اور آپ حدیث پڑھیں، اس میں سب کچھ

پڑھیں گے ضرور؛ لیکن یہ طے کرنا اور یہ فیصلہ کرنا کہ اس میں سے یہ فرض ہے، یہ واجب ہے، یہ سنت ہے، یہ کس کا کام ہے؟ یہ ہرایک کا کام نہیں۔ (اللہ تعالی ان حضرات کو جزائے خیر دے) یہ فقہ، حدیث اور قرآن سے الگ چیز نہیں ہے، جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ فقہ قرآن وحدیث سے الگ چیز ہے، وہ حقیقت میں فقہ کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں۔ الغرض! انہوں نے فقہ کو قانونی طور پر ہماری سہولت کے واسطے عمل کے لئے الگ کر دیا، اب اس میں حدیثیں نہیں لکھیں، قرآن کی آیتیں نہیں لکھیں، یہ حکم کونسی حدیث سے ثابت ہوتا ہے وہ نہیں لکھا، اسی وجہ سے بہت سے لوگوں کو غلط فہمی میں ڈالا جاتا ہے، دھوکا دیا جاتا ہے کہ یہ چیز حدیث میں نہیں آئی، اب وہ بے چارے حدیث کے ذخیرہ سے واقف تو ہیں نہیں اور پھر عوام کو حدیث کی بحثوں میں الجھا کر کے غلط طریقے سے ان کو غلط راستے پر ڈالا جاتا ہے، ان حضرات ائمہ نے نعوذ باللہ کوئی اپنا مذہب نہیں نکالا ہے، یاد رکھئے! یہ تو قرآن اور احادیث کے اندر اللہ اور رسول ﷺ نے جو کچھ فرمایا، اس کو صاف کر کے الگ کر کے نکھار کر کے ہمارے سامنے پیش کر دیا، یہ ہے خلاصہ، اس پر آپ عمل کرلو، ورنہ اگر ہمارے سامنے یہ پیش کیا جاتا کہ تم نکال لو، تو معلوم نہیں ہم کیا کیا کرتے؟ عبداللہ چکڑالوی کو بھی دھوکا ہوا اور اس نے حدیث کا انکار کر دیا۔

منکرین احادیث

عبداللہ چکڑالوی نے انکارحدیث کی باقاعدہ بنیاد ڈالی، اس کے بعد اسلم جیراجپوری نے فرقۂ قرآن سے الگ ہوکر کے اس نظریہ کو ترقی دی، اور اسلم

جیراجپوری کے بعد غلام احمد پرویز نے باقاعدہ اس کو مستقل مکتب فکر کی حیثیت دی اوراس پر کتابیں لکھیں، اس کی تحریر میں ایسی کشش تھی کہ نوجوان اس کو پڑھتے تھے تو عاشق ہوجاتے تھے، اور ایک بڑا طبقہ امت میں ایسا پیدا ہوا کہ جنہوں نے حدیث کے حجت ہونے کا انکار کر دیا، حدیث کوئی چیز نہیں، اور دعوی کرتے ہیں کہ ایسی حدیث کا کیا بھروسہ جس کو نبی کریم ﷺ کی وفات کے ایک سو سال بعد مدون کیا گیا، ہمارے حضرات علماء کرام (اللہ جزائے خیر دے) نے ان کی ایسی غلط چیزوں کا پردہ فاش کیا، اس کے جوابات دیئے، اردو میں آپ دیکھنا چاہیں '' ترجمان السنۃ'' (حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی ثم المدنی نوراللہ مرقدہ) کے مقدمہ میں بہت تفصیل سے غلام احمد پرویز کے نظریات سے حضرت نے بحث کی ہے، اوراس کے بنیادی اشکالات کا جواب دیا ہے، اور مستقل کتابیں تدوین حدیث کے موضوع پر لکھی گئیں، حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کی ایک کتاب ہے، اور بیشمار کتابیں لکھ کر ہمارے اکابر نے اس فتنہ کو دفع کیا، لیکن آج بھی یہ فتنہ مختلف ممالک میں مختلف شکلوں میں جاری ہے۔

بہرحال! میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ حدیث تو حقیقت میں قرآن پاک کی تفسیر ہے، یہ ہمارے مدارس جہاں حدیث پڑھائی جاتی ہے، ان مدارس کے اندر جب آدمی حدیث پڑھتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ کس طرح یہ احکام اس سے نکلے، جو حدیث پڑھنے والے نہیں ہیں، جو عربی سے واقف نہیں ہیں ان کو ایک حدیث کا ترجمہ بتا کر اس غلط فہمی میں ڈال دیا گیا کہ یہ قرآن کے خلاف حدیث کے خلاف

عمل کیا جارہا ہے؛ حالانکہ تمام احادیث سامنے ہوں تو حقیقت حال کا پتہ چلے۔

یہ تفسیر وحدیث کے پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ اسی لئے رکھا گیا کہ حضرات ائمۂ کرام نے اس کا خلاصہ کس طرح نکالا، یہ معلوم کیا جائے، یہ حدیث دراصل نبی کریم ﷺ کے اقوال، افعال اور آپ کے حالات کا مجموعہ ہے، اور اس کو پڑھنے کی وجہ سے ساری شریعت کی کیا حقیقت ہے وہ بھی پڑھنے والے کے سامنے آتی ہے اور پتہ چلتا ہے نبی کریم ﷺ کے زمانہ سے حدیث کی حفاظت کا سلسلہ برابر جاری ہے۔

ہندوستان میں علم حدیث کی آمد گجرات سے ہوئی

ہندوستان میں علم حدیث کس طرح آیا؟ اس سلسلہ میں ابھی کچھ باتیں آپ کے سامنے آ گئی تھیں، حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندویؒ فرماتے ہیں کہ ۱۵ھ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں سب سے پہلے ایک فوج بھیجی گئی تھی حضرت عثمان بن عاص ثقفی رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، ان کو حضرت عمرؓ نے بحرین اور عمان (''مسقط'' جو ساحل سمندر پر واقع تھا) کا گونر بنایا، انہوں نے ۱۵ھ میں اپنے بھائی حکم بن عاص ثقفی کی سرکردگی میں ایک فوج تھانہ بھیجی اور اس کے بعد ایک فوج بھروچ بھیجی، اس لئے- جیسا کہ ابھی مولانا رشید صاحب نے آپ کے سامنے بتایا تھا- ہم فخر یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہماری سرزمین وہ ہے جس پر حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مبارک قدم پڑ چکے، اور ہمارے لئے یہ بڑے فخر کی بات ہے کہ اس سرزمین نے نبی کریم ﷺ کے صحبت یافتہ بزرگوں کے قدموں کو پایا، لیکن پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا تو چونکہ اس زمانے میں سمندری سفر آج

جیسا نہیں تھا، جبکہ زمانہ اتنا ترقی یافتہ ہوگیا اور نئی نئی سواریاں موجود ہیں اور اسٹیمبر کی تو کیا حیثیت؟ جو لوگ سمندر کا سفر کر چکے ہیں اور کرتے ہیں ان سے پوچھ لیجئے ، تو بہر حال اس زمانہ میں جب کہ وسائل اتنے ترقی یافتہ نہیں تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ اس میں فائدہ کے بجائے نقصان زیادہ ہے تو انہوں نے حکماً منع کر دیا۔اس کے بعد ۱۵۹ھ میں خلیفہ مہدی عباسی کے زمانہ میں ہندوستان میں ایک لشکر آیا تھا،جیسا کہ مولانا رشید احمد نے بتلایا تھا وہ رضا کارانہ طور پر آئے تھے وہ کوئی حکومت کے تنخواہ یافتہ نہیں تھے، اسلام کی تبلیغ و اشاعت ہی کی نیت سے ''بھروچ'' کے علاقہ ''بھاڑبھوت'' میں آئے تھے، یہاں ایک بڑا بت خانہ تھا، اور آج بھی جہاں بارہ سال کے بعد میلہ لگا کرتا ہے، وہاں آئے مقابلہ ہوا، فتح نصیب ہوئی، لیکن جب لشکر واپس ہونا چاہتا تھا تو سمندر میں طغیانی آ گئی اور اس طغیانی کی وجہ سے وہ اس زمانے کے اعتبار سے واپسی کا سفر نہیں کر سکتے تھے، رک گئے اور رکنے میں ذرا وقفہ طویل ہوگیا، اور ایک وبائی بیماری پھیل گئی۔ جسے عربی میں ''حمام القرء'' اور ہماری گجراتی میں ''مہامری'' کہا جاتا ہے۔اس بیماری میں منہ میں پھوڑے پھنسی پیدا ہوتی ہے، اس میں ایک ہزار آدمی انتقال کر گئے، اس میں حضرت ربیع بن صبیح بصریؒ۔جن کے متعلق ''کشف الظنون'' (ایک کتاب ہے جس میں مختلف علوم وفنون اور ان کے مصنفین کے احوال مذکور ہیں) میں لکھا ہے: ''أول من صنف و بوب فی الاسلام'' یہ اسلام میں سب سے پہلے تصنیف کرنے والے ہیں، حضرت حسن بصری جو اکابر

تابعین میں سے ہیں ان کے یہ شاگرد تھے، ان کا- بھی اسی میں انتقال ہوا، باربد میں ان کی قبر بنی، لیکن اصلی قبر دریائے نربدا کے بہاو میں کٹ گئی ہے، آج بھی اگر آپ باربد (بھاڑ بھوت) جائیں گے وہاں ایک قبر ہے، اور اس پر ''ربیع بن صبیح بصریؒ'' لکھا ہوا ہے؛ لیکن محققین کا کہنا ہے یہ اصلی قبر نہیں ہے، اصلی قبر دریائے نربدا میں کٹ گئی ہے، تو گویا یوں کہا جاسکتا ہے کہ یہ سب سے پہلے محدث ہیں جو یہاں پر آئے، اور اس کے بعد فنی اعتبار سے علم حدیث کا آغاز ہوا۔

علمِ حدیث کے ہندوستان میں فروغ کا حقیقی زمانہ نویں صدی ہجری کا آخر اور دسویں صدی کا آغاز ہے، یہ وہ عہد تھا جب مصر، شام وحجاز میں امام الحدیث حافظ محمد بن عبدالرحمٰن سخاویؒ کے فضل وکمال کا آفتاب نصف النہار پر تھا اور ہندوستان کے مختلف صوبوں میں سے سب سے پہلے گجرات نے اپنا طبعی حق پایا یعنی بحرِ عرب کے اس پار کی شعائیں سب سے پہلے یہیں آکر پڑیں، حافظ سخاویؒ کے تلامذہ میں سب سے پہلے مولانا راجح بن داؤد گجراتی، ۸۹۴ھ میں وہ حافظ موصوف کے حلقہ میں داخل ہوئے اور الفیۂ حدیث کی سند حاصل کی، اس کے بعد وہ گجرات آئے، لوگوں نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا، ۹۰۴ھ میں احمد آباد میں وفات پائی، یوں کہا جاسکتا ہے کہ علم حدیث کی ابتداء ہندوستان میں سب سے پہلے گجرات میں ہوئی، اس لئے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ- جو شیخ عبدالوہاب متقی کے شاگرد ہیں، اور شیخ عبدالوہاب متقی شیخ علی متقی کے شاگرد ہیں- گجرات سے علم حاصل کر کے دہلی گئے، اور وہاں انہوں نے علم حدیث کا سلسلہ شروع کیا تھا، ان

کے متعلق تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ''اول تخم حدیث کہ در ہندوستان آورد شیخ عبدالحق'' کہ سب سے پہلے حدیث کا بیج جو ہندوستان میں لائے وہ شیخ عبدالحق محدث ہیں، علامہ سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں کہ تاریخی اعتبار سے یہ بات دہلی اور اس کے اطراف کے لئے تو صحیح کہی جاسکتی ہے، لیکن گجرات اور اس کے اطراف کے اندر علم حدیث اس سے بہت پہلے آچکا ہے۔

بہر حال! اس کے بعد تو بڑے بڑے محدث پیدا ہوئے، شیخ علی متقی کے حالات میں علامہ سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے کہ سڑسٹھ سال کی عمر میں ہندوستان سے حجاز (علم حدیث کے اتنے بڑے عالم ہونے کے باوجود مزید) علم حدیث حاصل کرنے کے لئے گئے، ان حضرات کی طلب اور علم کے ساتھ محبت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آج سڑسٹھ سال کی عمر میں کوئی آدمی یہ سوچ سکتا ہے کہ میں علم پڑھنے کے لئے جاؤں، شیخ علی متقی بڑے عالم تھے، پھر انہوں نے علامہ سیوطیؒ کی جامع صغیر وغیرہ کی تبویب کی، اور ''**کنز العمال فی احادیث الاقوال و الافعال**'' نام کی کتاب لکھی، اس میں تقریباً چھیالیس ہزار احادیث ہیں، علماء نے لکھا ہے کہ یہ علم حدیث کا انسائیکلو پیڈیا ہے، سولہ جلدوں میں بیروت سے چھپی ہے، اس سے پہلے آٹھ جلدوں میں حیدر آباد سے چھپی تھی، اس سے بڑی حدیث کی کوئی کتاب نہیں، اور ان کے شاگرد شیخ علامہ محمد بن طاہر پٹنیؒ ہیں، ان کی کتاب ''مجمع بحار الانوار'' کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ بلا تردد کہا جاسکتا ہے کہ صحاح ستہ کی یہ شرح ہے، چنانچہ جو لوگ ترمذی پڑھتے پڑھاتے ہیں، ترمذی کے حاشیہ میں

بہت سی احادیث کی شرح میں شیخ علامہ مولانا احمد علی سہارنپوریؒ نے مجمع البحار کی عبارتیں نقل کی ہیں۔

بہر حال یہ علم حدیث ہمارے گجرات میں برابر پہلے سے جاری رہا، ایک مولانا عبدالمالک گجراتی تھے وہ تو حافظ بخاری تھے، پوری بخاری شریف حفظ یاد تھی اور زبانی درس دیا کرتے تھے اور بھی بڑے بڑے محدثین ہوئے ہیں، اللہ تبارک و تعالی نے اس کے بعد پھر یہ حدیث کا سلسلہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے ذریعہ سے یہاں سے دہلی کے اطراف میں منتقل کیا، شیخ عبدالوہاب متقی نے یہیں گجرات میں درس دیا ہے اور پھر حرمین شریفین تشریف لے گئے تھے۔

سند حدیث میں سلسلۂ شاہ ولی اللہ سے بے نیازی

یوں کہا جاسکتا ہے کہ علم حدیث اگر دہلی میں بھی پہونچا ہے تو یہیں سے پہنچا ہے، ان کے بعد علم حدیث کا سلسلہ شروع کرنے والے ہندوستان میں شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ اور آپ کی اولاد میں آپ کے سب سے بڑے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز دہلویؒ ہیں، ان ہی سے ہمارے اکابر کی حدیث کی سند جا کر ملتی ہے؛ بلکہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ ہی کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ بدایون کے رہنے والے ایک طالب علم نے ایک مرتبہ اس بات کی کوشش کی کہ پورے ہندوستان میں گھوم پھر کر میں کسی ایسی سند سے حدیث پڑھوں جس میں بیچ میں شاہ عبدالعزیز نہ آتے ہوں، شاہ ولی اللہ نہ ہوں، پورے ہندوستان میں گھوم کر کے آیا لیکن اپنے مقصد میں ناکام رہا۔

ہمارے حضرت مولانا شیخ زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے،

آپ نے اپنی کتاب میں بھی لکھا ہے اور میں نے خود کئی مرتبہ حضرت کی زبان سے سنا ہے کہ میں نے ایک زمانہ میں پورے ہندوستان میں جتنے بھی عربی مدرسے ہیں، چاہے حنفیوں کے ہوں، دیوبندیوں کے ہوں، بریلویوں کے ہوں، یا اہل حدیث کے ہوں، سب کے یہاں سے سندیں منگوائیں، کسی کی سند ایسی نہیں تھی کہ جس میں بیچ میں حضرت شاہ ولی اللہ نہ آتے ہوں، تو بہر حال حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے ذریعہ سے علم آگے بڑھا، ہمارے اکابر میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ نے ان ہی کے شاگردوں سے پڑھا ہے، شاہ ولی اللہ کے بیٹے شاہ عبدالعزیزؒ، ان کے بعد ان کے نواسے شاہ محمد اسحاقؒ، ان کے بعد ان کے شاگرد شاہ ابوسعید مجددیؒ، ان کے بعد ان کے شاگرد شاہ عبدالغنی مجددیؒ، اور انہیں کے شاگرد ہیں حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ اور ان ہی سے پھر ہمارے تمام اکابر کی حدیث کی سندیں جاری ہوئی ہیں، تو بہر حال ان حضرات نے ایک سلسلہ قائم کیا دارالعلوم دیوبند کے نام سے، اور آج اس کی برکت سے اس کی شاخیں پورے ہندوستان میں، پاکستان میں، بنگلہ دیش میں پورے علاقے میں پھیلی ہوئی ہیں اور جہاں کہیں بھی یہ مدارس ہیں، انہیں کی برکت ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ حدیث کی تدریس کا حق یہیں ادا کیا جاتا ہے، یہ سلسلہ جامعہ علوم القرآن جمبوسر میں شروع ہو رہا ہے، اللہ تبارک وتعالی ہمارے لئے باعث خیر و برکت بنائے، ہمارے لئے بھی بڑے فخر اور مسرت کی بات ہے کہ ہمارے علاقے میں یہ چیز شروع ہوئی، اللہ تعالی اس کو قبول فرمائے۔ **و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين.**

منگنی اور شادی کے مسائل

باسمہٖ تعالیٰ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلیٰ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ، سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ أَجْمَعِیْنَ.

اسلامی معاشرے کی بنیاد دو باتوں پر ہے: (۱) حیا وشرم (۲) سادگی۔ پاکیزہ معاشرے پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اُترتی ہے، آج ہمارا معاشرہ بُرے رواجوں سے لبالب ہے، فضول خرچیوں نے ہماری تقریبات کو گناہوں سے بھر دیا ہے، ہر ہر تقریب انسان کے لیے قرض کے پہاڑ تلے دب جانے کا ذریعہ بن رہی ہے، غلط طریقے اپنانے سے اللہ تعالیٰ کی رحمت دُور ہوتی ہے، زندگی رنج وغم سے بھر جاتی ہے، آج ہماری شادیاں ایسے ایسے برے کاموں سے پَٹ چکی ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی مدد دور ہوگئی ہے، اور زندگی میں جب پریشانیاں آتی ہیں تب ہم اِس طرح کی باتیں کرتے ہیں کہ: جادو کردیا ہے، جنات ہے، کسی نے کرادیا ہے، پلا دیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ زندگی کی تقریبات سنت کے مطابق انجام دیں تو ان شاء اللہ رحمت وسکون اور فرحت وانبساط والی زندگی نصیب ہوگی؛ لٰہذا فضول خرچی سے بچ کر غرباء کی مدد کریں۔

معاشرے میں پنپنے والی برائیوں سے متعلق کچھ سوالات تیار کیے گئے، سوال نامے کی تیاری میں محترم حاجی یوسف بھائی بارڈولی والا صاحب بھی تھے، میرے مرشد ثانی اور استاذ مشفق حضرت مفتی احمد صاحب دامت برکاتہم نے جوابات تحریر فرمائے، یہ سوال جواب اصلاً گجراتی زبان میں تھے، اور گجراتی زبان

میں الگ الگ رسائل کی شکل میں سالہا سال سے ہزاروں کی تعداد میں شائع ہوتے رہے، اب اُن تمام رسائل کو اردو کا جامہ پہنا کر یکجا شائع کیا جا رہا ہے، ترجمہ نگاری کا فریضہ مفتی طاہر صاحب سورتی زید مجدہٗ اور مولوی شمعون احمد آبادی نے انجام دیا ہے۔ فجزاهما الله تعالىٰ خيرا الجزاء في الدارين. اللہ تعالیٰ ہم سب کو پڑھ کر عمل کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی رضا و خوشنودی حاصل ہونے کا ذریعہ بنائے۔ آمین

(مفتی) محمود (صاحب) بارڈولی
جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، سملک

نوجوانوں کے لیے ایک یاد رکھنے کی بات

اکثر نوجوان کسی کے ساتھ معاشقہ کے تعلقات جوڑتے ہیں تو اُسے برا کام نہیں سمجھتے، حالاں کہ اجنبی عورتوں کے ساتھ معاشقہ کے تعلقات قائم کرنا بہت بڑا گناہ ہے، اکثر چار باتیں سوچ کر انسان گناہ کرتا ہے:

(۱) گناہ کرتے وقت انسان سوچتا ہے کہ مجھے کوئی نہیں دیکھ رہا ہے، یہ بات بالکل غلط ہے، اللہ تعالیٰ انسان کو ہر جگہ ہر حالت میں دیکھ رہا ہے۔

(۲) انسان سمجھتا ہے کہ میرے گناہ کی کسی کو خبر نہیں، مَیں فون پر بات کروں، لَو لیٹر لکھوں، یا اشارہ کروں، کسی کو خبر نہیں، قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ دل کے راز بھی جانتا ہے، اور اللہ کے فرشتے ہر وقت انسان کے ساتھ رہ کر اُس کی ایک ایک بات لکھتے ہیں۔

(۳) انسان کے دل میں ہوتا ہے کہ کسی دریا کنارے ہوٹل کے کمرے میں یا کسی کلب میں یا گھومنے پھرنے کی کسی جگہ جب مَیں کوئی گناہ کرتا ہوں تب کوئی تیسرا ہمارے ساتھ نہیں ہوتا، قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اللہ تعالیٰ تمھارے ساتھ ہے خواہ تم کہیں بھی ہو۔

(۴) انسان گناہ کرتے وقت سوچتا ہے کہ، میرا کوئی کچھ بگاڑ نہیں سکتا، یاد رکھیے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر انسان پر مکمل قدرت ہے اور وہ جب چاہے تب انسان کو پکڑ سکتا ہے۔

یاد رکھیے! ہر انسان کے تمام کاموں پر اللہ تعالیٰ نے چار گواہ رکھے ہیں، اور یہ چاروں گواہ انسان کے ہر ہر کام کی قیامت کے دن گواہی دیں گے:

(۱) اعمال نامے، یعنی وہ دفاتر جن میں انسان کی زندگی کی ہر ہر بات اور کام درج کیا جاتا ہے، گنہگار قیامت کے دن اِن دفاتر کو دیکھ کر گھبرا جائے گا۔

(۲) اللہ کے فرشتے۔

(۳) اعضائے بدن انسانی، اللہ تعالیٰ انسان کا منھ بند کر دیں گے اور جسم کا ہر ہر عضو اپنے ذریعے سے کیا ہوا ہر کام اللہ کے سامنے بولنے لگے گا۔

(۴) جس زمین پر رہ کر گناہ کیا ہے وہ زمین خود گواہ بنے گی۔

بھائیو! اب سوچو، انسان لوگوں کی نگاہوں سے چھپ کر کسی اجنبیہ کو فون کرے یا باتیں کرے یا کوئی اَور گناہ کرے، اللہ کے چار گواہوں سے خود کو کیسے چھپا سکتا ہے؟ دنیا میں اگر کسی کو پتہ چل جائے کہ پولیس محکمے کے لوگ اُس کے فون ٹیپ کر رہے ہیں، جاسوس اُس کے پیچھے پڑے ہیں، تم کہاں جاتے ہو؟ کیا کرتے ہو؟ یہ سب نوٹ کیا جاتا ہے، تو وہ شخص کتنی احتیاط سے زندگی گزارے گا! کہ کسی سرکاری جرم میں نہ پھنس جائے، تو بھائیو! سوچیے! اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بہت بڑا انظام ہر ایک کے ساتھ ہے، پھر وہ کیسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے؟

ایک عبرت آموز واقعہ

ایک نوجوان حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کے پاس آیا اور کہا کہ: حضرت! گناہ کرتا ہوں، گناہ چھوٹتے بھی نہیں اور عذاب کا ڈر بھی لگتا ہے، تو کوئی ایسا راستہ بتائیے کہ گناہ بھی کروں اور عذاب بھی نہ ہو، اللہ والے بڑے سمجھ دار ہوتے ہیں، دھکے دینے کے بجائے پیار سے سمجھاتے ہیں، حضرت نے فرمایا: ہاں! مَیں تجھے

راستہ بتاتا ہوں، وہ نوجوان بہت خوش ہوگیا اور سننے کے موڈ میں آ گیا۔

پہلا راستہ: حضرت نے فرمایا کہ: ایسی جگہ جاکر گناہ کرو جہاں اللہ نہ دیکھتا ہو، نوجوان کہنے لگا: اللہ تعالیٰ تو ہر جگہ دیکھتا ہے۔

دوسرا راستہ: دنیا میں جو روزی روٹی ہے وہ اللہ پیدا کرتے ہیں، اللہ کی روزی کھانا چھوڑ دے اور اللہ سے کہہ دے کہ: مَیں تیری روزی کھاتا نہیں اور تیری بات مانتا نہیں، وہ نوجوان کہنے لگا: حضرت! کھائے بغیر تو مَیں زندہ کیسے رہوں گا؟

تیسرا راستہ: حضرت نے فرمایا کہ: یہ زمین اور آسمان اللہ کی حکومت ہے، اُس کی حکومت میں رہ کر اُس کی نافرمانی کیسے ہوسکتی ہے؟ اگر گناہ کرنا ہی ہو تو اللہ کی زمین اور آسمان چھوڑ کر کسی دوسری زمین پر چلا جا، وہ نوجوان کہنے لگا کہ: حضرت! یہ ممکن نہیں۔

چوتھا راستہ: حضرت نے فرمایا کہ: جب موت کا فرشتہ آئے اُس سے وقت مانگ لینا، کہ مَیں نے آج تک گناہ کیے ہیں مجھے توبہ کے لیے کچھ وقت دیجیے، وہ کہنے لگا کہ جب وقت آجاتا ہے تب موت کے فرشتے کسی کو ایک سیکنڈ کے لیے بھی آگے پیچھے نہیں ہونے دیتے۔

پانچواں راستہ: جب تجھے قبر میں دفن کر دیا جائے تو سوال جواب کے لیے آنے والے فرشتوں کے لیے اعلان لگا دینا: ’’بغیر اجازت داخلہ منع ہے‘‘ وہ نوجوان کہنے لگا: حضرت! مَیں فرشتوں کو کیسے روکوں؟۔

چھٹا راستہ: حضرت فرمانے لگے کہ: بھائی! ایک راستہ تجھے بتاتا ہوں، قیامت کے دن تیرے اعمال نامے جب کھلنے لگیں اور فرشتے تجھے گھسیٹ کر جہنم

میں لے جانے لگیں، تو تُو جم کر کھڑا ہو جانا اور فرشتوں سے کہہ دینا کہ: مَیں جہنم میں نہیں جاتا، وہ نوجوان کہنے لگا کہ: حضرت! میری کیا حیثیت ہے کہ مَیں فرشتوں کے سامنے اَڑ جاؤں؟ بس! تب حضرت فرمانے لگے کہ: بھائی! جب تیری کوئی حیثیت نہیں تو اِتنے بڑے اللہ کی نافرمانی تُو کس طرح کرتا ہے؟ وہ نوجوان کہنے لگا کہ: حضرت! مَیں سچی توبہ کرتا ہوں، اور آج کے بعد مَیں کسی نوع کا گناہ نہ کروں گا، اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق زندگی گزاروں گا۔

ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ گناہوں کی سزا آخرت سے پہلے دنیا میں بھی شروع ہو جاتی ہے، کوئی بھی گناہ کرو پریشانی شروع ہو جاتی ہے، دل بے چین ہو جاتا ہے، رات کی نیند اُڑ جاتی ہے، کبھی اولاد کی طرف سے، کبھی بیوی کی طرف سے، نوکری کی طرف سے، کاروبار میں؛ کسی نہ کسی طریقے سے ڈپریشن اور ٹینشن کی زندگی گزرتی ہے۔ ایک بزرگ فرماتے تھے: تم جتنے چاہو گناہ کر کے دیکھو، اگر اللہ نے تمھاری زندگی کو جہنم نہ بنا دیا تو کہنا یعنی دنیا ہی میں ایسی بے چینی ہونے لگتی ہے جیسی جہنم میں، جو لوگ آزاد زندگی گزارتے ہیں اور گناہ کرتے ہیں، آپ سمجھتے ہیں کہ اُنھیں خوشیوں والی زندگی نصیب ہے؛ لیکن یہ سب اوپر اوپر کا ہوتا ہے، اُن کی بے چین راتیں، دل کی پریشانیاں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ یا موت مانگتے ہیں یا موت کی کوشش کرتے ہیں؛ لہٰذا انسان کو ہمیشہ اللہ کی نافرمانی سے بچتے رہنا چاہیے، جوانی جیسی انمول نعمت کی قدر کر کے اُسے اللہ کی مرضی کے مطابق گزارنا چاہیے۔

مفتی محمود صاحب بارڈولی

اسلامی منگنی

سوال: شریعت میں منگنی کسے کہتے ہیں؟ منگنی کیسی ہونی چاہیے؟ اب ہمارے علاقے میں منگنیاں بھی شادیوں جیسی ہونے لگی ہیں، بڑی بڑی دعوتیں ہوتی ہیں، مَردوں اور خواتین کی حاضری ہوتی ہے، اِس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: عربی زبان میں منگنی کے لیے لفظ ''خِطْبَة'' استعمال ہوتا ہے، جو مخاطَبت اور خطاب سے مشتق ہے، اِس کا معنیٰ ہوتا ہے: بات چیت، اور خاص نکاح کی بات چیت کے لیے لفظ ''خِطْبَة'' استعمال ہوتا ہے۔ (المفردات: ۱۵۰)

''قواعد الفقه'' میں ''التعریفات الفقهیه'' کے تحت فرماتے ہیں:

''الخطبة بالکسر طلب المرأة للزواج'' (ص، ۲۷۸) ترجمہ: نکاح کے لیے عورت کی منگنی کرنے کو خِطبہ کہتے ہیں۔

حاصل ایں کہ ایک فریق کی جانب سے دوسرے فریق کے سامنے نکاح کی تجویز رکھے جانے کو ''منگنی'' کہا جاتا ہے، جب فریقِ ثانی اُس تجویز کو منظور کرلیتا ہے تو منگنی کا عمل مکمل ہوجاتا ہے، از روئے شرع اِس کی حیثیت ایک وعدے کی ہے، کسی عذرِ شرعی کے بغیر اُسے توڑنا گناہ ہے۔

آں حضور ﷺ کے عہدِ مبارک میں جیسے نکاح میں سادگی تھی، ویسے ہی منگنی میں بھی سادگی تھی، اور تب منگنی حقیقی معنوں میں منگنی تھی، کسی نوع کا لین دَین یا رسم ورواج کی پابندی نہیں تھی۔

اِس سے قبل ایک جواب میں تحریر کرچکا ہوں کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی

صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی بیوگی اور اختتامِ عدت کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر کے سامنے اُن کے نکاح کی تجویز رکھی تھی، اُس میں کسی رسم کی پابندی نہیں کی تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے پیغام لے کر مَیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، جب آپ کے سامنے بیٹھا تو خاموش ہو گیا، بخدا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رعب وجلال کی وجہ سے کچھ بول نہ سکا، خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: کیسے آئے ہو؟ کیا کوئی کام ہے؟ مَیں خاموش رہا، تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شاید تم فاطمہ کی منگنی کرنے کے لیے آئے ہو؟ مَیں نے عرض کیا: جی ہاں۔ (البدایہ والنھایہ ۳/ ۳۴۶) جسے بہ اذنِ خداوندی قبول فرمالیا گیا، بس زبانی طور پر سب کچھ طے ہو گیا، نہ لوگ اکٹھا ہوئے اور نہ کوئی اہتمام ہوا۔ (معاشرتی مسائل، ص: ۷۵)

لٰہذا منگنی کے لیے سب کو جمع کرنا، بڑی تعداد میں مَردوں اور عورتوں کی حاضری، اُن کی دعوت وغیرہ شرعاً ضروری اور پسندیدہ نہیں؛ بلکہ خواتین کی موجودگی جن خرابیوں کو پیدا کرتی ہے وہ ظاہر وباہر ہے، اِس سے بچنا ضروری ہے۔

منگنی میں لین دین

سوال: اب منگنیوں میں لین دین بہت ہی زیادہ ہونے لگا ہے، مثلاً: بڑی تعداد میں کپڑے، انگوٹھی، گھڑی وغیرہ لیا دیا جاتا ہے،، تو اِس کا کیا حکم ہے؟ ہمارے یہاں عموماً یہی ہوتا ہے کہ، اگر کسی وجہ سے منگنی ٹوٹ جائے تو منگنی میں

چڑھائی ہوئی چیزیں واپس کردی جاتی ہیں۔

الجواب: شریعت نے نکاح کے لیے تو مہر کو ضروری قرار دیا ہے؛ لیکن منگنی کے لیے لین دَین کو ضروری یا مستحب نہیں بتایا ہے؛ لہٰذا اِس موقع پر کیا جانے والا لین دَین شرعاً ثابت نہیں، اِس سے بچنا چاہیے؛ بلکہ جو لین دَین نام ونمود کی خاطر کیا جاتا ہے وہ ناجائز اور حرام ہے۔

یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ بہ وقتِ منگنی دی ہوئی اشیاء منگنی ٹوٹنے کی صورت میں واپس کردی جاتی ہیں، دوشرطوں کے ساتھ درست ہے: ایک یہ کہ وہ چیز جوں کی توں موجود ہو، ختم نہ ہوگئی ہو۔ دوسری یہ کہ، اگر لڑکی والوں نے انکار کیا ہو تو ہی اُن سے واپس لیا جائے، اور اگر انکار نہ کیا ہو تو اُن سے کچھ واپس نہیں لیا جاسکتا۔

(فتاویٰ محمودیہ ۳/۲۹۳، ۲۹۴)

غرضیکہ اگر فریقین نے باہمی رضامندی سے منگنی توڑی ہو تو دونوں ایک دوسرے کی اشیاء واپس کردیں، اور اگر انکار ایک ہی فریق کی جانب سے ہو تو انکار کرنے والے کے پاس سے واپس لی جائیں، دوسرے فریق سے نہیں۔

منگنی کے بعد لڑکے لڑکی کا سلوک

سوال: منگنی کے وقت امامِ مسجد یا کسی عالمِ دین کو بلا کر دعا وغیرہ کروانا کیسا ہے؟

الجواب: شرعاً منگنی مکمل ہونے کے لیے یہ بھی ضروری نہیں، کوئی شخص تبرکاً کسی عالم یا بزرگ سے دعا کروائے تو کوئی حرج نہیں، اور اگر رسم ورواج کی پابندی کے طور پر ایسا کرتا ہے تو بدعت ہے۔

سوال: منگنی کے بعد لڑکے لڑکی کا باہمی معاملہ بہت ہی بڑھ جاتا ہے؛ بلکہ ایسے رہنے لگ جاتے ہیں جیسے شادی ہوگئی ہو، مثلاً منگنی کے بعد خط وکتابت، فون پر بات چیت، بالمشافہہ بات چیت، ملاقاتیں، ساتھ میں گھومنے جانا وغیرہ۔

نیز بعض جگہوں پر منگنی کے بعد عید وغیرہ تہواروں کے مواقع پر لڑکے کو دعوتِ طعام دی جاتی ہے، اور اُس وقت لڑکی کے والدین اپنے ہونے والے داماد کو کپڑوں کا جوڑا ہدیہ دیتے ہیں، اور اکثر لڑکی کی ماں اپنے بننے والے داماد کے ہاتھ میں اپنے ہاتھ سے گھڑی پہناتی ہے، یا اپنے ہاتھ سے ہدیہ دیتی ہے، اور لڑکی کے والدین خود ہی لڑکے لڑکی کو خلوت کا موقعہ فراہم کرتے ہیں، اِس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: منگنی محض وعدۂ نکاح ہے، نکاح نہیں، جیسے قبل از نکاح دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہیں، منگنی کے بعد بھی یہی حکم باقی رہتا ہے؛ لہٰذا منگنی کے بعد بھی لڑکا لڑکی کے لیے اور لڑکی لڑکے کے لیے حرام ہی ہے، دونوں کا باہم خط وکتابت کرنا، فون پر بات چیت کرنا، ساتھ میں گھومنے جانا اور خلوت میں ملنا؛ یہ تمام باتیں حرام اور ناجائز ہیں۔ (آپ کے مسائل اور اُن کا حل ۵/۳۴)

عید اور تہوار وغیرہ کے مواقع پر دعوتِ طعام تو دی جاسکتی ہے، اور نام ونمود کے بغیر خلوصِ قلب سے کوئی ہدیہ تحفہ لڑکی کے والدین ہونے والے داماد کو دینا چاہیں تو وہ بھی دیا جاسکتا ہے؛ لیکن لڑکی کی ماں ابھی اپنے ہونے والے داماد کے لیے اجنبیہ ہے، اُس کا لڑکے کے ساتھ مشافہۃً بات چیت کرنا، بے پردہ ملنا، گھڑی پہنانا (جس میں اُس کے بدن کو مَس بھی کرنا پڑتا ہے) جائز نہیں؛ بلکہ

اگر لڑکی کی ماں جوان ہو تو شادی کے بعد بھی داماد سے پردہ کرنا ضروری ہے، لڑکی کے والدین کا منگنی کے بعد اپنی بیٹی کو ہونے والے داماد کے ساتھ بات چیت اور خلوت کا موقعہ دینا ناجائز اور گناہ ہے، اِس سے بچنا ضروری ہے۔

سوال: بیرونی ممالک میں جو رشتے ہوتے ہیں، اُن میں منگنی کے بعد لڑکے لڑکیوں میں خط وکتابت بڑوں کی جانب سے ہی کروائی جاتی ہے، اور کہا جاتا ہے کہ: خط وکتابت کا یہ ریکارڈ برائے حصولِ ویزا ہائی کمشنر کو بتانا ضروری ہے، نیز دونوں کا ویڈیو ساتھ میں اُتارا جاتا ہے، دونوں کو شادی کے جوڑے میں دِکھایا جاتا ہے؛ پھر اِسی انداز کی تصاویر لی جاتی ہیں، بسا اوقات کسی ڈاڑھی والے کے جعلی نکاح پڑھانے کا ویڈیو لیا جاتا ہے، یہ سب کرنے کا مقصد یہ بتایا جاتا ہے کہ انٹرویو میں سہولت اور ویزا حاصل کرنے میں آسانی رہے، اِن اُمور کا حکم شرعی کیا ہے؟

الجواب: جیسا کہ اوپر بتادیا: منگنی کے بعد بھی لڑکا لڑکی ایک دوسرے کے لیے اجنبی اور حرام ہی رہتے ہیں، تو پھر دونوں میں باہمی خط وکتابت جاری کروانا کیوں کر جائز ہوسکتا ہے؟ اگر ویزا کے لیے یہ سب ضروری ہے تو دونوں کا نکاح پڑھا دیا جائے، اِس کے بعد خط وکتابت کروائی جائے، جاننے والے سمجھ سکتے ہیں کہ یہ بھی محض ایک بہانہ ہے، بسا اوقات خط وکتابت کی نقول پیش کرنے کے بعد بھی ویزا نہیں ملتا، اور بعض اوقات اِن کے بغیر بھی ویزا مل جاتا ہے، جو حقیقتِ واقعہ ہو وہ پیش کردی جائے اور نتیجہ پر راضی رہا جائے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرکے حاصل کردہ ویزا دین ودنیا میں کتنا سودمند ہوسکتا ہے، یہ ایک مؤمن کے

لیے قابلِ غور ہے:

اے طائرِ لاہوتی! اُس رزق سے موت اچھی		جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

جب خط وکتابت کی اجازت نہیں، تو پھر ویڈیو کیسٹ کے ذریعے تصاویر تیار کرنے کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے؟ تصویر کھینچنا اور کھنچوانا حرام اور گناہ ہے، حدیث پاک میں اِس پر وعید شدید وارد ہوئی ہے۔ اور جعلی طور پر ڈاڑھی والی شخصیت کو نکاح پڑھاتے بتانا تو دھوکہ بازی اور فریب؛ نیز جھوٹ بھی ہے، اور اِن جھوٹی تقریبات کا انجام یہ آئے گا کہ سچے حقائق پر سے بھی اعتماد اُٹھ جائے گا، یہ نتیجہ ہے دِین سے دوری اور دنیا کی اندھی محبت کا، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے۔

مصنوعی نکاح

سوال: ویزا میں آسانی کے لیے مصنوعی نکاح کیا جاتا ہے، مثلاً نکاح کے سرٹیفکٹ پر، یا کسی چھوٹے دیہات میں جاکر جماعت (برادری) کا نکاح سرٹیفکٹ لاکر اُس پر لڑکے لڑکی کی دستخطیں لی جاتی ہیں؛ نیز گواہوں اور نکاح پڑھانے والے کی جعلی دستخط وغیرہ کرائی جاتی ہے، تو اِس کا کیا حکم ہے؟ نیز سِول میریج کروانا، اور اُسے عارضی نکاح سمجھنا، اور وِیزا نہ ملنے پر بیرون سے آئے ہوئے شخص کا واپس چلے جانا، اور نکاح کے متعلق وضاحت نہ ہونا وغیرہ، کیا اِس طرح مصنوعی نکاح یا سول میریج کروانا شرعاً درست ہے؟ اِس کا کیا حکم ہے؟ بعض جگہوں پر نہ بناوٹی نکاح کیا جاتا ہے نہ سول میریج؛ بلکہ ہونے والے

شوہر کے نام سے لڑکی کا پاسپورٹ بنوا کر وِیزا کی کارروائی شروع کردی جاتی ہے، اِس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: جعلی نکاح میں اگر ایک ہی مجلس میں گواہوں کی موجودگی میں لڑکے اور لڑکی سے ایجاب وقبول کے الفاظ (مثلاً لڑکی کہے: مَیں نے اپنی ذات فلاں کے نکاح میں دی، اور لڑکا کہے: مَیں نے اپنے نکاح میں قبول کی) کہلوائے گئے ہیں، تو حقیقۃً نکاح ہوگیا، اور دونوں ایک دوسرے کے میاں بیوی بن گئے، اب جب تک وہ لڑکا طلاق نہ دے یا کسی ایک کا انتقال نہ ہو، تب تک نکاح باقی سمجھا جائے گا، اور اگر مذکورہ بالا طریقے سے ایک مجلس میں گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول کے الفاظ نہ کہلوائے گئے ہوں، صرف نکاح کے سرٹیفکٹ پر اُن کی اور گواہوں وغیرہ کی جعلی دستخطیں ہی کروائی گئی ہوں، تو ایسا کرنے سے نکاح تو نہیں ہوتا؛ لیکن ایسا کرنا بوجہ فریب اور جھوٹی کارروائی ہونے کے ناجائز اور حرام کہا جائے گا، اِس سے بچنا ضروری ہے۔

سول میریج میں اگر حسبِ مذکورہ بالا کورٹ میں لڑکا لڑکی ایجاب وقبول کے الفاظ جج کے سامنے بولتے ہیں، اور اُس مجلس میں دو مسلمان مرد، یا ایک مسلمان مرد اور دو مسلمان عورتیں موجود ہیں جو لڑکے اور لڑکی کے ایجاب وقبول کو سن رہے ہیں، تو نکاح منعقد ہوجائے گا، اور دونوں ایک دوسرے کے میاں بیوی شمار ہوں گے، اِس صورت میں جب تک لڑکا طلاق نہ دے، یا دونوں میں سے کسی ایک کی موت نہ ہو، تب تک نکاح باقی رہے گا، لہٰذا بیرون سے آئے ہوئے شخص کا

اُس سے متعلق وضاحت کیے بغیر واپس چلا جانا صحیح نہیں، اِس کی وجہ سے بہت سے مفاسد پیدا ہوتے ہیں، مثلاً: لڑکا جب تک طلاق نہ دے اور عدت پوری نہ ہوجائے تب تک لڑکی کسی اَور کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتی، اور اگر کرے گی تو وہ نکاح منعقد نہیں ہوگا؛ بلکہ وہ پہلے شوہر ہی کے نکاح میں ہے، جو اولاد ہوگی وہ پہلے شوہر کی شمار ہوگی، اِسی طرح اگر لڑکے کے طلاق دینے سے پہلے کوئی ایک مرجائے تو زندہ رہنے والے کو مرنے والے کے مال میں بہ حیثیت شوہر یا بیوی حقِ میراث حاصل ہوگا۔

جب تک نکاح نہ ہو تب تک دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہی ہیں؛ لہٰذا نکاح ہوئے بغیر لڑکی کے پاسپورٹ اور ویزا کی کارروائی ہونے والے شوہر کے نام سے نہیں کرنی چاہیے، اگرچہ ایسا کرنے سے نکاح منعقد نہیں ہوجاتا۔ فقط والله تعالىٰ أعلم.

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ
۲/۴/ ۱۴۱۷ھ

شریک حیات کا انتخاب

سوال: ہمارے یہاں جب لڑکا یا لڑکی جوان ہوتے ہیں تب ماں باپ شادی کی فکر کرتے ہیں، اکثر وبیشتر والدین اور لڑکا لڑکی بھی مال داری، خوب صورتی اور فیشن وغیرہ اُمور مدِّ نظر رکھ کر انتخاب کرتے ہیں، تو شادی کے لیے مال وجمال اور حسب وخاندان وغیرہ اُمور کا مدنظر رکھنا والدین کے لیے کیسا ہے؟

الجواب: نکاح کے لیے لڑکے یا لڑکی کے انتخاب کے لیے کیا معیار ہونا چاہیے؟ اسلام نے اِس سلسلے میں بہت واضح ہدایات دی ہیں، اور وہ معیار سامنے رکھا جس سے نکاح کے فوائد اور مقاصد کے حصول میں مدد ملے، اور زوجین کی زندگی خوش گوار سے خوش گوار تر بن جائے، ایک دوسرے کے حقیقی رفیق اور خیر خواہ بنیں، اِن مقاصد کا حاصل ہونا نہ ہونا زیادہ تر؛ بلکہ تمام تر عورت کے مزاج اور اُس کے اوصاف پر موقوف ہے، اگر وہ اُن خوبیوں اور اوصاف سے آراستہ ہے جو اچھی زندگی گزارنے کے لیے ضروری ہیں، تو دونوں کی زندگی خوش گوار، قابلِ رشک اور اُن کی دنیا بھی جنت کا نمونہ بن جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ احادیث میں اچھی عورت کو دنیا کی بہترین نعمت قرار دیا گیا: ''إنما الدنیا متاع، ولیس من متاع الدنیا أفضل من المرأة الصالحة'' پوری دنیا بس وقتی نفع پہنچانے والی چیز ہے، اور دنیا کی نفع بخش چیزوں میں نیک اور اچھی عورت سے زیادہ بہتر کوئی چیز نہیں ہے۔ (ابن ماجہ، ص:۱۳۴)

ایک اَور موقع پر اچھی عورت کے اوصاف ذرا تفصیل سے بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے اُسے سب سے زیادہ فائدہ پہنچانے والی نعمت فرمایا:

﴿ما استفاد المؤمن بعد تقوی اللہ خیراً لہٗ من زوجة صالحة، إن أمرها أطاعته، وإن نظر إلیها سرته، وإن أقسم علیها أبرّته، وإن غاب عنها نصحته فی نفسها ومالہ﴾ (مشکوۃ:۲۶۸، ابن ماجہ:۱۳۵) مومن کو تقویٰ کے بعد سب سے زیادہ اچھی بیوی سے فائدہ پہونچتا ہے، (اور اچھی بیوی کے اوصاف یہ ہیں:) جو شوہر کے حکم کی فوراً تعمیل کرتی، شوہر کو اُس کی طرف دیکھ کر خوشی

حاصل ہوتی، اُس پر اعتماد کرتے ہوئے قسم کھالے تو وہ اُسے پورا کر دیتی؛ نیز شوہر کی عدمِ موجودگی میں اُس کے مال کو ضائع نہیں کرتی اور اپنی ذات سے بھی اُسے کسی طرح کا رنج نہ پہنچنے دیتی ہو۔

عام طور پر انسان اپنی کوتاہ اندیشی اور جذبات سے مغلوبیت کی بنا پر حسنِ صورت کو حسنِ سیرت پر ترجیح دیتا، اور ایسی عورت سے نکاح کرنے کا زیادہ خواہش مند نظر آتا ہے جو شکل وصورت میں ممتاز ہو، حالاں کہ یہ بہت جلد متغیَّر؛ بلکہ زائل ہو جانے والا وصف ہے، اور زائل نہ ہو تب بھی اُس کا فائدہ بہت محدود اور وقتی ہوتا ہے؛ اس لیے عقل و دانش اور دُور بینی کا تقاضہ یہ نہیں کہ بس شکل وصورت پر ایسی نظر ہو کہ باقی دوسرے اوصاف کی اہمّیت نہ رہ جائے، شارع علیہ السلام نے اِس بارے میں بھی کس قدر بلیغ انداز میں رہنمائی فرمائی ہے: ﴿**تنكح المرأة لأربع: لمالها، ولحسبها، وجمالها، فاظفر بذات الدين**﴾ (بخاری ۲/۷۶۲) عورت سے نکاح کرنے کی رغبت (عموماً) چار چیزوں کی بنا پر ہوتی ہے: دولت، خاندان، وَجاہت، خوبصورتی (اور دِین داری) تم دین دار عورت سے نکاح کرنے میں کامیاب ہو جاؤ، یعنی دین دار عورت سے نکاح کرو یہی بڑی کامیابی ہے۔

حدیثِ بالا سے معلوم ہوا کہ سب سے زیادہ قابلِ ترجیح وصف دِین داری ہے، جس شخص کو دِین دار بیوی مل جائے وہ بڑا خوش نصیب اور اُس کی زندگی کامیاب ہے؛ کیوں کہ حقیقی دین داری عورت کو تمام حقوق ادا کرنے، برائیوں سے بچنے اور ہر قِسم کی خیر خواہی پر آمادہ کرے گی، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ شوہر کی

اطاعت، اپنی عصمت کی حفاظت، مال ومتاع کی نگرانی، خرچ میں کفایت شعاری، اولاد کی تربیت اور شوہر کی خیر خواہی وغیرہ تمام کام بہ اَحسنِ اُسلوب انجام دے گی، خلاصہ یہ کہ وہ اُن تمام خوبیوں کی حامل ہوگی جوایک بہترین رفیقۂ حیات میں مطلوب ہوتی ہیں، اِن ہی اوصاف کی بنا پر (عربوں میں) قریش کی نیک عورتوں کوآں حضرت ﷺ نے بہترین خواتین قرار دیا ہے: ﴿خیر نساء ركبن الإبل صالح نساء قريش أحناه علىٰ ولدفي صغره وأرعاه علىٰ زوج في ذات يده﴾ (بخاری۲/ ۷۶۰) عربوں میں سب سے بہتر قریش کی نیک عورتیں ہیں، کہ وہ بچوں پر نہایت شفیق (اُن کی پرورش کرنے میں بہت مستعد) اور شوہر کے مال اور ذاتی اَملاک کی بہت دیکھ بھال کرتی ہیں۔

ایک موقع پر وعظ ونصیحت کے انداز میں عورتوں کو پسندیدہ اوصاف اپنانے کی اِس طرح اہمیت بتائی: ﴿المرأة إذا صلت خمسها وصامت شهرها وأحصنت فرجها و أطاعت بعلها، فلتدخل من أيّ أبواب الجنة شاءت﴾ (مشکوٰۃ ص:۲۸۱) عورت جب کہ پانچوں وقت کی نماز پڑھتی ہو، پورے رمضان کے روزے رکھتی ہو، شرمگاہ کی حفاظت اور شوہر کی فرماں برداری کرتی ہو، تو وہ جنت کے دروازوں میں سے جس دروازے سے بھی چاہے داخل ہوجائے۔

ایک مرتبہ آں حضرت ﷺ سے معلوم کیا گیا کہ: بہترین بیوی کونسی ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿التي تسره إذا نظر، وتطيعه إذا أمر، ولاتخالفه في نفسها ولافي ماله بمايكره﴾ (مشکوٰۃ،ص۲۸۳) جسے دیکھ کر شوہر کو خوشی ہو،

شوہر کے ہر حکم کی تعمیل کرے، اور اپنی ذات اور شوہر کے مال میں کوئی کام ایسا نہ کرے جو شوہر کو ناپسند ہو۔

جس طرح بیوی کے انتخاب میں دین داری کو ترجیحی وصف قرار دیا گیا ہے، اِسی طرح شوہر کا بھی یہی وصف لائقِ ترجیح بتایا گیا ہے؛ کیوں کہ دین داری اور خدا کا خوف اُس کو بیوی کے حقوق ادا کرنے پر جس درجہ آمادہ کرسکتا ہے دوسری کوئی چیز نہیں کرسکتی، بیوی کو شادی کے بعد اصل شکایت شوہر سے یہی ہوتی ہے کہ وہ زیادتی کرتا اور اُس کے حقوق پوری طرح ادا نہیں کرتا ہے؛ اِس لیے جس کا شوہر تمام حقوق ادا کرتا ہو وہ خوش نصیب، اور اُس کی زندگی کامیاب اور قابلِ رشک خیال کی جاتی ہے، اور ایسا شخص بہترین شوہر سمجھا اور کہا جاتا ہے۔

اِس موقع پر جلیل القدر تابعی حضرت حسن بصریؒ کا ایک نہایت حکیمانہ مشورہ نقل کردینا مناسب؛ بلکہ ضروری معلوم ہورہا ہے، جسے ملاعلی قاریؒ نے ''مرقاۃ المفاتیح'' میں نقل کیا ہے:

تابعی جلیل حضرت حسن بصریؒ کے پاس ایک شخص نے آکر کہا: حضرت! میری لڑکی کے لیے مختلف لوگوں کی طرف سے پیغامات آرہے ہیں، آپ سے مشورے کا طالب ہوں کہ کس شخص سے اُس کا نکاح کروں؟ موصوف نے فرمایا: بس ایسے شخص سے نکاح کرنا جو اللہ سے ڈرتا ہو، پھر یہ حکمت بیان فرمائی: **فإنه إن أحبها أكرمها وإن أبغضها لم يظلمها.** (مرقات ۳/۴۰۳) کیوں کہ اگر وہ اُسے پسند کرے گا تب تو قدر کرے ہی گا، ناپسند کرنے کی صورت میں بھی ظلم نہیں کرے گا۔

اصل مسئلہ ناپسند ہونے یا توافقِ طبع نہ ہونے کی صورت میں پیدا ہوتا ہے ،اور اِس کا اِمکان بہر حال رہتا ہے کہ کسی وقت بھی ایسی صورت پیش آجائے، دین دار شوہر ایسی حالت میں بھی دل آزاری نہیں کرے گا اور ظلم نہیں ڈھائے گا، اِس کے برخلاف خدا کا خوف اُس میں نہیں ہے تو اُسے زیادتی کرنے اور ستانے سے کوئی چیز نہیں روک سکتی۔

نبی کریم ﷺ نے دین داری کو ترجیحی وصف بتانے کے ساتھ بعض دوسرے اوصاف کی قباحتیں بھی بیان فرمائی ہیں، مثلاً فرمایا:

لاتتزوجوا النساء لحسنهن فعسیٰ حسنهن أن يرديهن، ولاتتزوجوا النساء لمالهن فعسیٰ أموالهن أن تطغيهن، ولكن تزوجوهن علی الدين. (ابن ماجہ، ص ۱۳۵) محض خوب صورتی کی وجہ سے کسی عورت سے نکاح نہ کرنا؛ کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ حسن اُس کے لیے تباہی و بگاڑ کا ذریعہ بن جائے، محض مال و دولت کی وجہ سے بھی نکاح نہ کرنا؛ کیوں کہ مال سے عموماً سرکشی آجاتی ہے، (کیوں کہ مال دار بیوی نادار شوہر کی اطاعت کرنے کے بجائے اکثر اُسے اپنا خادم سمجھنے لگ جاتی ہے) بس دین داری کی بنا پر شادی کرو۔

ایک اَور حدیث کے اندر دوسرے انداز میں مال و جاہ کی مضرّتیں بتائی گئی ہیں:

من تزوج لعزها لم يزده إلا ذلًّا، ومن تزوجها لمالها لم يزده إلا فقراً، ومن تزوجها لحسبها لم يزده إلا دناءة، ومن تزوج امرأة

لـم يرد بها إلا أن يغض بصره ويحصن فرجه أو يصل رحمه بارك الله له فيها وبارك لها فيه. (رواه الطبرانی فی الاوسط، فتح القدير ۲/۵)

جو شخص عزت کے حصول کے لیے کسی عورت سے نکاح کرے گا اُس کی ذلت میں اِضافہ ہوگا، جو شخص صرف مال کی بنا پر شادی کرے گا اُس کے فقر میں اِضافہ ہوگا، اور جو خاندانی شرافت کی بنا پر کسی عورت سے نکاح کرے گا (اور مقصد یہ ہو کہ اُسے بھی لوگ شریف سمجھنے لگ جائیں) اُس کی عزت بڑھے گی نہیں، گھٹے گی، ہاں! جس شخص کا نکاح کرنے سے مقصد یہ ہو کہ اُس کی زندگی پاکیزہ ہو جائے، یا وہ رشتے داروں کے ساتھ اچھا سلوک کر سکے، تو ایسا نکاح دونوں کے واسطے باعثِ خیر و برکت ہوگا۔

اِن ہدایات کے ساتھ شارع علیہ السلام نے ایک نہایت قابلِ غور اور ہر ہوش مند کو چونکا دینے والی، یہ آگاہی بھی دی ہے:

إذا خطب إليكم من ترضون دينه وخلقه فزوجوه، إلا تفعلوا تكن فتنة في الأرض وفساد عريض. (ترمذی ۱/۱۴۸)

جب کسی ایسے شخص کی طرف سے پیغام آجائے جس کے اخلاق و دین سے تم مطمئن ہو، تو (فوراً) شادی کر دو؛ ورنہ زمین کے اندر عظیم فتنہ وفساد برپا ہوگا۔

اِن تمام ہدایات، خاص طور پر آخری ہدایت کی پابندی کرنے اور اُن پر عمل کرنے کا نتیجہ دنیا میں بھی نہایت خوش گوار اور اطمینان کی زندگی مُیسَّر آنے کی شکل میں ظاہر ہوگا؛ کیوں کہ عورت و مرد – خاص طور پر عورت – کی جن خوبیوں کی بنا

پر نکاح کرنا پسندیدہ قرار دیا گیا ہے اُن کا قدرتی نتیجہ ہوگا، عِلاوہ ازیں غیر جانب دارانہ طور پر غور وفکر کے بعد یہ حقیقت سامنے آئے گی کہ جن صفات کو اِس بارے میں مطلوب قرار دیا گیا ہے اُن سے زیادہ بہتر صفات کا پتہ چلانے میں عقلِ انسانی مشکل ہی سے کامیاب ہوسکے گی، اور مال و جاہ والوں کے پیام کی اُمید میں لڑکیوں کی شادی نہ کرنے سے جو جو فساد پھیل سکتے یا پھیلتے ہیں اُن کا انکار آج کسی باخبر کے لیے ممکن ہی نہیں رہا۔ (معاشرتی مسائل ص:۵۳تا۵۸)

بیرون میں منگنی کا انتظار کرنا

سوال: ساتھ ہی آج اپنے گجرات، خصوصاً جنوبی گجرات میں حالت یہ ہے کہ بیرون ممالک سے پیغامات آنے کا انتظار کیا جاتا ہے، اور بہت سی جگہوں پر ایسا کرنے میں لڑکے اور لڑکی کی عمر بہت بڑی ہو جاتی ہے، جس کی وجہ سے بہت سی برائیاں وجود میں آتی ہیں، یہ کیسا ہے؟

الجواب: حدیث پاک میں ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے علی! تین چیزوں میں دیر نہ کی جائے: (۱) نماز جب اُس کا وقت ہو جائے۔ (۲) جنازہ جب آجائے۔ (۳) بے نکاح شخص (مرد ہو یا عورت) جب اُس کا جوڑا مل جائے۔ (مشکوٰۃ ص:۶۱) جواب نمبر ایک میں لڑکے لڑکی کے انتخاب کے معاملے میں شریعت کا بیان کردہ معیار مفصّل ذکر کر دیا ہے؛ لہٰذا اولیاء کی ذمے داری ہے کہ جب لڑکا لڑکی نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں فوراً ہی اُن کے لیے مناسب جوڑا پسند کر کے جلدی سے اُن کا نکاح کرا کے اپنی ذمّے داری سے

سبکدوش ہوجائیں، اور لڑکے اور لڑکی کے لیے بھی باعفّت وعصمت، پاکیزہ زندگی گزارنے کی راہ ہموار کردیں۔

مالی حیثیت اِتنی ہے کہ مہر ادا کرکے عورت کا نان نفقہ برداشت کرسکتا ہے، اور نکاح نہ کرنے کی صورت میں زنا میں مبتلا ہونے کا یقین ہے تو ایسی صورت میں نکاح کرنا واجب اور ضروری ہے۔ (شامی ۲/۳۸۳)

بیرونِ ممالک کے پیغام کا انتظار کرکے لڑکے اور لڑکی کے نکاح میں تاخیر کرکے اُنھیں بدکاری کی جانب دھکیلنا، والدین واولیاء کے لیے سخت گناہ ہے، اِس طرح تاخیر کرنے کی وجہ سے جتنے گناہ اور بدیاں وجود میں آئیں گی، اُن کی پوری ذمّے داری بڑوں کی ہے۔

ہر مومن کے ایمان کا ایک جزء تقدیر پر ایمان بھی ہے، اِس کے بغیر کوئی مومن نہیں ہوتا، حضرت نبیٔ کریم ﷺ فرماتے ہیں: جب بچے کو رحمِ مادر میں چار ماہ گزر جاتے ہیں تب اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتے ہیں جو اُس کا عمل، عمر، روزی اور نیک بخت ہے یا بد بخت لکھ دیتا ہے، اِس کے بعد بچے میں رُوح پھونکی جاتی ہے؛ لہٰذا اُس کی قسمت کا فیصلہ ہوچکا ہے، روزی کی فکر کرکے اُس کی زندگی کو عذاب بنادینا دانش مندی نہیں ہے، اور کیا بیرون بھیجا جانے والا ہر لڑکا لڑکی خوش ہی ہوتے ہیں؟ جب ایسا نہیں ہے؛ بلکہ تجرَبہ تو کچھ اَور ہی کہہ رہا ہے، تو پھر ایک موہوم اُمید پر نظر رکھ کر یقینی اور حقیقی نقصانات مول لینا دنیوی نقطۂ نظر سے بھی حَماقت ہے۔

لَو (Love) سے نکاح

سوال: آج کا دَور جسے نیا اور ترقی کا زمانہ کہا جاتا ہے، آج کے لڑکے لڑکیاں شادی کے سلسلے میں اپنے بڑوں سے مشورہ کرنے یا اُن کی پسند معلوم کرنے کو قدامت سمجھنے لگے ہیں، اور شریکِ حیات کا انتخاب خود ہی کرنے لگے ہیں، اور اُس کے لیے پیار، محبت، خفیہ تعلُّقات اور خفیہ خط وکتابت وغیرہ کا سہارا لیا جاتا ہے، تو کیا اِس طرح انتخاب کرنا اور والدین کو نظر انداز کردینا صحیح ہے؟

بہت سے نوجوان بھائی بہن یہ کہتے ہیں کہ زندگی ہمیں گزارنی ہے، اِس میں بڑوں کی دَخل اندازی کیا معنیٰ رکھتی ہے؟ بعض مقامات پر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بہت سے والدین- جو خود کو ماڈرن کہلواتے ہیں- اپنے لڑکے لڑکی کو رشتہ پسند کرنے کے معاملہ میں آزادی دے دیتے ہیں، اور اِس میں خاص طور پر لَوْ (Love) وغیرہ تدبیریں اپنانے کے معاملے میں چشم پوشی بھی کرتے ہیں، اِس سلسلے میں رہنمائی فرمایئے گا؟

الجواب: اللہ تعالیٰ نے اِس کائنات کی تخلیق فرما کر انسان کو یہاں بسایا، اور خدائی فیصلہ ہے کہ تا قیامِ قیامت یہ انسانی مخلوق دنیا میں آباد رہے، اور اُس کے لیے توالُد وتناسُل کا سلسلہ جاری رہنا ضروری ہے، دیگر مخلوقات کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک خصوصیت عطا فرمائی ہے کہ اُسے اپنی زندگی گزارنے کے معاملے میں آزاد ومختار نہیں چھوڑا؛ بلکہ ایک قانون بہ شکلِ شریعت نازل فرما کر اُسے اُس کا پابند بنایا ہے، اِسی وجہ سے اپنے جنسی جذبات وخواہشات کی تکمیل کے

لیے بھی اُسے دوسرے جانوروں کی طرح اپنی مرضی ومنشا کے مطابق معاملہ کرنے کی اجازت نہیں؛ بلکہ ایک مکمل معاشرتی ڈھانچہ قائم فرمایا، اور اِسی معاشرتی ڈھانچے کے ایک جُزو کے طور پر نکاح سے متعلّق جملہ پہلوؤں پر مشتمل ومحیط احکامات دیے، اُس میں ایک شعبہ حقوق کا بھی رکھا ہے، اِس میں والدین کے حقوق، اولاد کے حقوق، شوہر کے حقوق، بیوی کے حقوق، دوسرے رشتے داروں (دادا، دادی، نانا، نانی، بھائی، بہن وغیرہ) کے حقوق، اور پڑوسیوں کے حقوق وغیرہ وغیرہ ہیں، اور ہر ایک پر دوسروں کے جو حقوق ہیں اُن کی ادائیگی سے بھی اُنھیں واقف کیا، یہاں تک کہ اگر ایک فریق نے دوسرے فریق کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کی ہو، بالکل ادا ہی نہ کیے ہوں، تب بھی دوسرے فریق کو اِس بات کی اجازت نہیں دی کہ وہ فریقِ اول کی حق تلفی کرے، اور فطری طور پر باہم جذبات ومحبت کے وہ تعلُّق پیدا فرمادیے کہ خود بہ خود ہی وہ بھی دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کے لیے آمادہ ہوجائے، مثلاً ماں باپ کے دلوں میں اولاد کی، اور اولاد کے دلوں میں ماں باپ کی ایسی محبت، لاڈ پیار بھر دیا کہ دونوں فطرۃً ہی ایک دوسرے کے حقوق ادا کرتے رہیں، اور پھر شرعی احکامات کے ذریعے اِس ادائیگی کو مزید تقویت پہنچائی۔

قرآنِ پاک میں کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت اور اپنے حقوق کے ساتھ ہی والدین کے حقوق کو ذکر فرمایا، جس میں اِس طرف بھی اشارہ ہے کہ حقیقت اور اصل کے اعتبار سے تو سارے احسانات وانعامات اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہیں؛ لیکن ظاہری اسباب کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کے

بعد سب سے زیادہ احسانات انسان پر اُس کے والدین کے ہیں؛ کیوں کہ عالَمِ اسباب میں وہی اُس کے وجود کا سبب ہیں، اور آفرینش سے لے کر اُس کے جوان ہونے تک جتنے کٹھن مراحل ہیں اُن سب میں بہ ظاہر اسباب ماں باپ ہی اُس کے وجود اور پھر اُس کے بقاء و اِرتقاء کے ضامن ہیں۔ (معارف القرآن ۲/۴۰۹)

رسولِ کریم ﷺ کے ارشادات میں جس طرح والدین کی اطاعت اور اُن کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکیدات وارد ہیں، اِسی طرح اُس کے بے انتہا فضائل اور درجات ثواب بھی مذکور ہیں۔ (معارف القرآن ۲/۴۱۰)

نکاح صرف دو افراد کے باہمی تعلُّق کا نام نہیں؛ بلکہ دو خاندانوں کے باہمی تعلقات، معاشرے میں اُن کی عزت ووقار، اولاد کی کفالت وتربیت اور ایک نئے تشکیل پانے والے خاندان کے مستقبل کے معاملات اِس نکاح سے وابستہ ہیں، اور اصول یہ ہے کہ کسی فیصلے سے جتنے لوگ بھی متأثر ہوتے ہوں، فیصلہ کرتے وقت اُن سب کے مفادات کا لحاظ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ (بینات، صفر ۱۴۱۷ھ۔ص ۱۰)

نکاح کے نتیجے کے طور پر شوہر کے ماں باپ وغیرہ بیوی کے لیے اور بیوی کے ماں باپ، شوہر کے لیے کیا اجنبی ہی رہتے ہیں؟ خود اسلام نے بھی زوجین میں سے ہر ایک کے اصول (ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی وغیرہ) اور فروع (بیٹا بیٹی، پوتا پوتی وغیرہ) کو دوسرے کے لیے اصول وفروع شمار کیے ہیں، اور اِسی لیے اُن سے نکاح حرام قرار دیا ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ دونوں ایک دوسرے

کے خاندان کا فرد بن جاتے ہیں، تو کیا لڑکا اور لڑکی نکاح کے ذریعے سے جس شخص کو اپنے خاندان کی فردیت دِلا رہے ہیں، اُس شخص کے بارے میں اپنی رائے ظاہر کرنے کا خاندان کے بڑوں کو حق نہ ہونا چاہیے؟ آج کل نوجوانوں میں یہ خیال عام ہوتا جارہا ہے کہ نکاح دو شخصیتوں کا ذاتی معاملہ ہے اُس میں بڑوں کو سر مارنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ سوچ چاہے ہمارے معاشرے کے لیے نئی سمجھی جائے، لیکن مغربی ممالک میں یہ سوچ بہت پہلے عام ہوچکی ہے، اور وہاں کے بڑوں نے نوجوانوں کے اِس خَیال کے سامنے ہتھیار ڈال کر اُن کو اِس معاملے میں کھلی چھوٹ اور آزادی دے دی، اِس کا انجام کیا ہوا؟ اِس عنوان پر بحث کرتے ہوئے علامہ زاہد الراشدی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:

ویسٹرن سویلائزیشن نے اِسی مقام پر دھوکا کھایا ہے کہ مغربی دانش وروں نے فرد کی آزادی اور عورت کے حقوق کے پُرفریب عنوان کے ساتھ نکاح کو دو اَفراد کا معاملہ قرار دے کر اُس کے باقی لوازمات ونتائج کو نظر انداز کردیا، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج مغربی معاشرہ خاندانی زندگی کے نظام اور رشتوں کے تقدُّس سے محروم ہوچکا ہے، اور مغرب کا فیملی سسٹم اَنارَکی کی آخری حَدوں کو چھو رہا ہے، جس کا ذکر چوٹی کے مغربی دانش وروں کی زبانوں پر انتہائی حسرت کے انداز میں ہونے لگا ہے۔

اِس سلسلے میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی خاتونِ اول مس ہلیری، بِل کلنٹن کے دورۂ پاکستان کے موقع پر شائع ہونے والی اِس خبر کا حوالہ دینا ضروری

سمجھتا ہوں کہ:

امریکی خاتون اول مس ہلیری کلنٹن اسلام آباد کالج فار گرلز کی اساتذہ اور طالبات کے ساتھ گھل مِل گئیں، اور اُن سے ایک گھنٹے سے زیادہ بے تکلّفانہ گفتگو کی، ہلیری کلنٹن نے طالبات سے اُن کے مسائل دریافت کیے، طالبات نے دوستانہ انداز میں کلنٹن کی اہلیہ کو سب مسائل بتائے، فورتھ ایر کی طالبہ نائلہ خالد نے امریکی خاتونِ اول سے پوچھا کہ: امریکی طالبات کا بنیادی مسئلہ کیا ہے؟ اِس پر امریکہ کی خاتونِ اول نے کھل کر گفتگو شروع کی، اُنھوں نے کہا کہ پاکستان کی طالبات کا مسئلہ تعلیم کی مناسب سہولیات کا فقدان ہے، تعلیمی اداروں میں فنڈز کی کمی کا مسئلہ ہے؛ مگر امریکہ میں ہمارا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ وہاں بغیر شادی کے طالبات اور لڑکیاں حاملہ بن جاتی ہیں، اِس طرح بے چاری لڑکی ساری عمر بچے کو پالنے کی ذمّے داری نبھاتی ہے، ایک دوسری طالبہ وجیہہ جاوید نے کہا کہ اِس مسئلے کا حل کیا ہے؟ اِس پر ہلیری کلنٹن نے کہا کہ اِس مسئلے کا حل یہ ہے کہ نوجوان لڑکے لڑکیوں کو-خواہ عیسائی ہوں یا مسلمان- اپنے مذہب اور معاشرتی اَقدار سے بغاوت نہیں کرنی چاہیے، مذہبی وسماجی روایات اور اصولوں کے مطابق شادی کے بندھن میں بندھنا چاہیے، اپنی اور اپنے والدین کی عزت وآبرو اور سکون کو غارت نہیں کرنا چاہیے، مسز ہلیری کلنٹن نے کہا کہ وہ اسلام اور عیسائیت کی شادی کے خلاف نہیں ہیں، اُنھوں نے کہا کہ پاکستان میں مذہبی روایات کا احترام کرتے ہوئے شادی ہوتی ہے؛ اِس لیے یہاں لڑکیوں کے مسائل کم ہیں۔ (جنگ لاہور ۲۸/ مارچ ۹۵ء)

...... یہ کوئی دانش مندی کی بات نہیں ہوگی کہ مغرب جس دَلدَل سے واپسی کے راستے تلاش کررہاہے، ہم آزادی اورحقوق کے نام نہادمغربی فلسفے کی پیروی کے شوق میں قوم کواُسی دَلدَل کی طرف دھکیلنا شروع کردیں۔(بینات،صفر ۱۴۱۷ھ۔ص۱۰،۱۱)

حدیث میں نبیؐ کریم ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ نیک بخت ہے وہ جودوسروں کو دیکھ کرنصیحت حاصل کرے، ہمارے نوجوانوں نے شادی کے معاملے میں مذہب ومعاشرے کی دَخل اندازی ختم کرنے کے لیےنعرہ لگایا: کہ ’’شادی ہمارا ذاتی معاملہ ہے‘‘ ایسا کہنے سے پہلے مغربی تہذیب کےافسوسناک انجام کی طرف نظرکرلینی چاہیے۔

شریکِ حیات کےانتخاب کے لیےلَوْ (Love)،خفیہ تعلقات اورخفیہ خط وکتابت کا سہارالینے کی اسلام کیوں کراجازت دے سکتاہے؟ جب کہ اجنبیہ کےساتھ اِس نوع کےتعلقات کوزناقراردیاگیاہے،حدیث میں ہے: آنکھیں زنا کرتی ہیں اوراُن کا زنا نامحرم کودیکھناہے،کان زنا کرتے ہیں اوراُن کا زنا نامحرم کی باتیں سنناہے،زبان زناکرتی ہےاوراُس کا زنا نامحرم سے باتیں کرناہے،ہاتھ زنا کرتے ہیں اوراُن کا زنا نامحرم کوچھوناہے،پاؤں زنا کرتے ہیں اوراُن کا زنا نامحرم کی طرف چل کرجاناہے۔(مسلم شریف)

ایک حدیث میں ارشادفرمایا گیاہے کہ جوشخص کسی عورت کے محاسن پرشہوت سے نظرڈالے، تواُس کی دونوں آنکھوں میں قیامت کے دن پگھلاہوا

سیسہ ڈالا جائے گا۔ (الزواجر، حجاب، ص ۹۰)

ایک اَور حدیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ خوب سمجھ لو! کہ اللہ تعالیٰ لعنت فرماتا ہے اُس شخص پر جو نامحرموں کو دیکھے، اور اُس پر بھی جو نامحرموں کے سامنے اپنی نمائش کرے۔ (مشکوٰۃ ص: ۲۷۰۔ حجاب ۹۲)

ایک اَور حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ کوئی مرد جب کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں ہوتا ہے، تو وہاں اُن دونوں کے عِلاوہ تیسرا فرد شیطان بھی ہوتا ہے۔ (حجاب ۹۴)

حضورِ اکرم ﷺ کے خادمِ خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مَیں جب بلوغت کی حد کو پہنچا تو مَیں نے صبح حاضرِ خدمت ہو کر اِس کی اطلاع دی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اب تم گھر میں عورتوں کے پاس نہ جانا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے زیادہ نیک اور پاکباز لڑکا کون ہوسکتا ہے؟ اور اَزواجِ مطہَّرات دنیا کی مقدّس ترین اور افضل ترین عورتیں ہیں، اِس کے باوجود آپ ﷺ نے اپنے خادمِ خاص پر پابندی عائد کر دی اور پردے کا حکم فرمایا۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۴/۹۶)

حضرت داوٗد عَلیٰ نَبِیِّنَا وَعَلیہِ الصَّلاَۃُ وَالسَّلاَمُ نے اپنے بیٹے حضرت سلیمان علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا: شیر اور سانپ کے پیچھے چلے جانا، نامحرم عورت کے پیچھے کبھی نہ جانا (کہ یہ فتنے میں ملوّث کرنے میں شیر اور سانپ سے بھی زیادہ خطرناک ہے) (احیاء العلوم، فتاویٰ رحیمیہ ۴/۹۷)

حضرت یحییٰ علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ زنا کا آغاز کہاں سے ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: نامحرم کو دیکھنے اور حرص کرنے سے، اور حضرت فضیل رحمہ اللہ کا قول ہے

کہ ابلیس کہتا ہے کہ نظر (نامحرم کو دیکھنا) میرا وہ پُرانا تیر ہے کہ مَیں کبھی اِس سے خطا نہیں کرتا۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۴/ ۹۸)

والدین کی طرف سے اپنے لڑکوں لڑکیوں کو مذکورہ بالا آزادی دینا در حقیقت اُن کی زندگی کو بربادی کی طرف دھکیلنے کی اجازت کے مرادف ہے، عورت جب تک مَردوں سے چھپی ہوئی ہے تب تک اُس کا دِین محفوظ ہے؛ اِس لیے کہ آپ ﷺ نے اپنی بیٹی حضرت سیدہ فاطمہ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْهَا سے پوچھا کہ عورت کے لیے سب سے بڑی خوبی کی بات کیا ہے؟ عرض کیا: وہ کسی مرد کو نہ دیکھے اور نہ کوئی اجنبی مرد اُس کو دیکھے، آپ ﷺ کو یہ جواب بہت پسند آیا، اور اُن کو اپنے سینے سے لگالیا، اور فرمایا کہ اولاد ایک ایک سے ہے، (یعنی باپ کا اثر اولاد میں بھی آتا ہے) اور صحابہ رضی اللہ عنہم دیواروں کے سوراخ اور شگاف بند کردیا کرتے تھے؛ تا کہ عورتیں مَردوں کو نہ جھانکیں۔ (بحوالہ مجالس الابرار، فتاویٰ رحیمیہ ۴/ ۱۰۰)

جو شخص اِس بات کی پرواہ نہ رکھتا ہو کہ اُس کے گھر کی عورتوں (بیوی، بیٹی، بہن وغیرہ) کے پاس کون آمدورفت کرتا ہے؟ اُسے حدیث میں ''دَیّوث'' کہا گیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تین انسان کبھی جنت میں نہیں جائیں گے: (۱) دَیّوث (۲) مَردوں جیسی شکل بنانے والی عورتیں، اور (۳) ہمیشہ شراب پینے والا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ دیوث کون ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جسے اِس بات کی پرواہ نہ ہو کہ اُس کے گھر کی عورتوں کے پاس کون آمدورفت رکھتا ہے۔

(طبرانی، احکام پردہ، ص ۲۱، ۲۲، فتاویٰ رحیمیہ ۴/ ۱۰۲)

منطقی اعتبار سے دیکھیں تو بھی پیار، محبت اور لَوْ (Love) کے ذریعے شریکِ حیات کا انتخاب ایک خطرناک قدم ہے؛ کیوں کہ کسی شخص کے متعلّق صحیح رائے قائم کرنے کے لیے ضروری ہے انسان غصہ نفرت اور پیار ومحبت؛ دونوں طرح کے جذبات سے دُور رہ کر منصف مزاجی سے غور کرے، تو ہی صحیح فیصلہ کرسکتا ہے، پیار اور محبت میں پھنسنے کے بعد تو وہ اندھا بہرہ بن جاتا ہے۔ حدیث میں ہے: ﴿حبک الشيء یعمي ویصم﴾ (ترجَمہ:) کسی چیز کی محبت تجھے اندھا بہرہ بنا دیتی ہے۔ (المقاصد الحسنۃ ۱۸۱)

عربی کا ایک شعر ہے:

عین الرضاعن کل عیب کلیلة		وعین السخط تبدی المساویا

یعنی پیار کی نظر ہر عیب کو دیکھنے سے قاصر ہے، اور نفرت کی نگاہ (خیالی) برائیاں بھی ڈھونڈ نکالتی ہے۔

اِسی وجہ سے تجرَبہ کاروں کا کہنا ہے کہ پیار والے نکاح عموماً ناکام ہوتے ہیں؛ کیوں کہ پیار اور محبت کے جوش میں سوچے سمجھے بغیر ہی شادی کرلی جاتی ہے، اور پھر جب حقیقت آشکارا ہوتی ہے تب آنکھیں کھلتی ہیں، اور ردِّ عمل کے طور پر وہ پیار، مکمل نفرت میں تبدیل ہوجاتا ہے، اور اگر کوئی بڑا اِس جوڑے کو سمجھانے سنبھالنے والا نہ ہو تو آخر کار جدائی کی نوبت آجاتی ہے، لہٰذا نوجوان لڑکوں، لڑکیوں اور ماڈرن کہلوانے والے والدین کو بھی چاہیے کہ اِس خلافِ شرع وعقل طریقے کو چھوڑ دیں۔

البتہ اِتنا ضروری ہے کہ رشتہ جوڑنے سے قبل لڑکے اور لڑکی کے متعلق مکمل

تحقیق کر لی جائے، جس میں اُس کی عادات واخلاق، دین داری اور ساتھ ساتھ اُس میں کوئی جسمانی عیب ونقص تو نہیں، یہ دیکھ لیا جائے، اور ایک دوسرے کو دیکھ لیں (اِس طرح کہ صرف چہرہ اور ہتھیلیاں کھلی ہوں) یہ بھی بہتر ہے؛ تا کہ بعد میں محض ناپسندیدگی کے باعث تفریق کی نوبت نہ آئے۔

سابق میں ہم جو بحث کر کے آئے ہیں اُس کا یہ مطلب ہرگز نہ نکالا جائے کہ عورت میں رنگ رُوپ، خوب صورتی اور خاندان بالکل نہ دیکھا جائے، اوپر کی بحث کا حاصل صرف اِتنا ہے کہ تمام اُمور کے مقابلے میں دین داری کو ترجیح دی جائے، اور باوجود اِس کے کہ کوئی عورت بے دین، بداخلاق ہو، محض اُس کی خوب صورتی کے پیشِ نظر اُس کا انتخاب نہ کیا جائے، باقی اِس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ خوب صورتی اور خاندان بھی نکاح کے لیے انتخاب میں اہم رول ادا کرتے ہیں؛ بلکہ احادیث سے بھی اِس کی تائید ہوتی ہے؛ کیوں کہ جب تک شوہر اپنی بیوی سے مکمل طور پر سیراب نہ ہو، تب تک پاک دامنی، غضِ بصر اور پاکبازی (جو اہم مقاصد نکاح سے ہیں) حاصل نہ ہوگی۔ (تکملہ فتح الملہم ۱/ ۱۰۹)

دین داری دیکھ کر انکار کرنا

سوال: بسا اوقات یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ کسی لڑکے نے کسی لڑکی کے یہاں پیغام بھیجا، لڑکا شرعی لباس پہنتا ہے، ڈاڑھی رکھتا ہے، تو لڑکی والے اُس شرعی لباس اور شرعی چہرے کو دیکھ کر منع کر دیتے ہیں، یہ کیسا ہے؟ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ لڑکی دِین دار پردہ نشین ہو، تو لڑکا انکار کر دیتا ہے کہ مجھے تو فیشنیبل چاہیے، تو اِس کا

کیا حکم ہے؟

الجواب: لڑکے لڑکی کے انتخاب سے متعلّق شریعت کے مقرّر کردہ معیار سے جوابات بالا میں مفصَّل بحث کی جاچکی ہے، ایک مسلمان کی بہ حیثیت مسلمان ہونے کے یہ ذمّے داری ہے کہ اُس کا برتاؤ شریعت کے مطابق ہی ہو، اور شریعت کے مقرر کردہ معیار کے مطابق ہی شریکِ حیات کا انتخاب ہو؛ لیکن عصرِ حاضر کے مسلم معاشرے میں دنیا کی ضرورت سے زیادہ محبت، مغربی تہذیب کی اندھی تقلید، نیز فیشن پرستی اور خود کو ماڈرن کہلوانے کے شوق میں لڑکے لڑکی کی دِین داری، اُن کا شرعی لباس اور چہرہ مہرہ ہی پسندیدگی میں رُکاوٹ بننے لگا، جو انتہائی افسوس ناک حقیقت ہے۔

آپ نے سوال میں جس حقیقت کا ذکر کیا ہے، یہ دراصل قدرت کا ایک اٹل قانون ہے، جس کا قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے اِن الفاظ میں ذکر فرمایا ہے:

گندی عورتیں گندے مَردوں کے لائق ہوتی ہیں، اور گندے مرد گندی عورتوں کے لائق ہوتے ہیں، اور پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لائق اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لائق ہوتے ہیں۔ (سورۂ نور: ۲٦)

آیتِ مذکورہ کی تفسیر میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ رقم طراز ہیں:

اِس آیت میں اول تو عام ضابطہ یہ بتلا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے طبائع میں طبعی طور پر جوڑ رکھا ہے، گندی اور بدکار عورتیں بدکار مردوں کی طرف، اور گندے بدکار مرد گندی بدکار عورتوں کی طرف رغبت کیا کرتے ہیں، اِسی طرح پاک صاف عورتوں

کی رغبت پاک صاف مَردوں کی طرف ہوتی ہے، اور پاک صاف مَردوں کی رغبت پاک صاف عورتوں کی طرف ہوا کرتی ہے، اور ہر ایک اپنی اپنی رغبت کے مطابق اپنا جوڑ تلاش کرتا ہے اور قدرتاً اُس کو وہی مل جاتا ہے۔ (معارف القرآن ۶/۳۸۳)

پیغام کون دے؟

سوال: اپنے یہاں اکثر لڑکی والے پیغام دینے کو برا سمجھتے ہیں، تو اسلام میں پیغام دینے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ کیا لڑکی والے پیغام نہیں دے سکتے؟

الجواب: نسوانیت کے احترام، فطری حیا اور صنفی نزاکت کا اصل تقاضہ یہ ہے کہ نکاح کی پیش کش عورت کی یا اُس کے سرپرستوں کی طرف سے نہ ہو؛ بلکہ مرد کی جانب سے ہو؛ تاکہ وہ طالب اور پیش کش کرنے والا بنے اور عورت مطلوب؛ اِس لیے مناسب یہ ہے کہ پیغام مرد کی طرف سے جائے، اور وہ بھی براہِ راست عورت کے پاس نہیں؛ بلکہ اُس کے (اگر سرپرست اولیاء موجود ہیں تو) سرپرستوں کے پاس جائے، اور یہ (سرپرست) ذرا سی بے نیازی اور عزتِ نفس کا مظاہرہ کریں۔ نبیٔ اکرم ﷺ نے افضل الانبیاء اور سید البشر ہونے کے باوجود متعدّد اَزواج مثلاً: حضرت عائشہؓ، اُمِّ سلمہؓ اور حضرت اُمِّ حبیبہؓ وغیرہ کو خود ہی پیغام بھیجا تھا۔

مگر بعض مخصوص موقعوں اور ضرورتوں پر عورت یا اُس کے سرپرستوں کی طرف سے بھی پیغام بھیجا جاسکتا ہے، اِس کی نظیریں بھی احادیث میں ملتی ہیں؛ بلکہ مشہور محدِّث امام بخاریؒ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''صحیح بخاری'' میں ''باب عرض الإنسان بنته وأخته علیٰ أهل الخیر'' کا عنوان یہی بتانے کے

لیے قائم کیا ہے کہ اہلِ خیر وصلاح مرد کو عورت یا اپنے سر پرستوں کی طرف سے بھی پیغام دیا جاسکتا ہے، اور اِس کے تحت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ نقل کیا کہ جب اُن کی صاحبزادی حضرت حفصہ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهَا بیوہ ہوگئیں اور اُن کے نکاح کی فکر ہوئی، تو پہلے اِنھوں نے از خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے شادی کی پیش کش کی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چند روز کے بعد معذرت کردی، پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم پسند کرو تو حفصہ کو اپنی زوجیت میں قبول کرلو، وہ بھی خاموش رہے؛ کیوں کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادۂ نکاح کا اُنھیں علم ہو چکا تھا۔ (بخاری ۲/ ۷۶۷)

اِس عنوان اور واقعے سے معلوم ہوا کہ بہتر اور مناسب موقع کے لیے عورت یا اُس کے اولیاء خود بھی پیش کش کرسکتے اور پیغام دے سکتے ہیں؛ بلکہ ایسا کرنا بہتر ہے، امام بخاریؒ نے ایک اَور عنوان قائم کرکے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ کسی صالح انسان کے سامنے لڑکی خود بھی اپنے نکاح کا پیغام دے سکتی ہے، اگرچہ اُس زمانے میں بھی عورت کی طرف سے پیغام دینا حیاء کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔ (معاشرتی مسائل، ص: ۷۱، ۷۲)

لہٰذا لڑکی والوں کا یہ سمجھنا کہ ہم پیغام نہیں بھیج سکتے؛ غلط ہے؛ بلکہ اچھی جگہ ملتی ہو تو خود ہی پیش کش کرکے آگے بڑھنا چاہیے، اور اسلام اِس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ پیغام کے انتظار میں عمر بڑھ جائے اور زندگی بھر بے نکاح رہنے کی نوبت آئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

شادی میں ہونے والی برائیاں

سوال: (۱) جس لڑکے یا لڑکی کی شادی ہو، اُسے ایک ہفتہ یا چند روز قبل

گھر ہی میں رکھا جاتا ہے، باہر نکلنے نہیں دیا جاتا، اِس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: (۱) یہ ایک رواج اور رسم ہے، شرع سے ثابت شدہ کوئی چیز نہیں، نبیِ کریم ﷺ کے دو نکاح سفر کی حالت میں ہوئے ہیں: پہلا حضرت صفیہ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهَا کے ساتھ، جو غزوۂ خیبر سے واپسی میں ہوا تھا، دوسرا حضرت میمونہ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهَا کے ساتھ سفرِ عمرۃ القضا میں ہوا تھا، اگر نکاح سے آٹھ روز قبل سے گھر میں بیٹھنا کوئی شرعی چیز ہوتی تو حضور ﷺ ضرور اِس کا خیال رکھتے۔

پُرانے زمانے میں شادی سے دس بارہ روز قبل ہی لڑکی کو گھر کے ایک کونے میں چارپائی پر بٹھا دیا جاتا تھا، اور بٹنا وغیرہ کی مالش کی جاتی تھی، جسے ''مائیوں بٹھلانا'' اور ''مانجھے بٹھلانا'' کہا جاتا تھا، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بہشتی زیور کے چھٹے حصے میں ''شادی کی رسموں کے بیان'' میں اِس کی خرابیاں مفصل بیان فرمائی ہیں۔

سوال: (۲) دُلہن کو سنوارنے میں اب ہمارے یہاں اکثر و بیشتر بیوٹی پارلروں کی مدد لی جاتی ہے، جس میں مخصوص قِسم کی بالوں کی وَضع (Hair Style) بنائی جاتی ہے، اِس میں کچھ کچھ بال کاٹنے کی بھی ضرورت پڑتی ہے، ساتھ ہی آئی برو (eyebrow) بھی کرایا جاتا ہے، اور اِس میں نیل پالش وغیرہ اشیاء بھی استعمال ہوتی ہیں، اور شادی کے دن دلہن کو سنوار کر بٹھا دیا جاتا ہے جس میں نمازیں قضاء بھی ہوتی ہیں، عِلاوہ ازیں دلہن کو خوشبو لگائی جاتی ہے، اِس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: (۲) دلہن کو سنوارنا ایک جائز عمل ہے؛ لیکن اِس میں شریعت کی مقرر کردہ حدود کی پابندی ضروری ہے، دلہن کی ماں، بہنیں حدودِ شرع میں رہ کر جائز طریقے سے سنواریں تو اِس میں کوئی حرج نہیں؛ لیکن اِس کے لیے بیوٹیشین کی خدمات حاصل کرنا جائز نہیں، اسلامی تعلیمات کی توہین کے مُرادِف ہے، بیوٹیشین اگر مرد ہے تو اِس کا حکم تو بالکل ظاہر ہے کہ لڑکی کا پورا بدن ستر ہے، سر سے لے کر پاؤں تک جسم کے ایک بال کے بہ قدر حصہ بھی اجنبی مرد کے سامنے کھولنا حرام ہے؛ بلکہ جو بال ٹوٹ کر کنگھی میں آجاتے ہیں، اور کٹے ہوئے ناخن بھی ایسی جگہ ڈالنا منع ہے جہاں نامحرم مرد کی نظر پڑے، ایسا کرے گی تو گنہگار ہوگی۔ (بہشتی زیور ۳/۶۳) لہٰذا مرد بیوٹیشین کو تو سنوارنے کے لیے بلانا حرام ہے۔

اور اگر وہ بیوٹیشین عورت ہے، تو اتنا یاد رہے کہ غیر مسلم عورتوں سے بھی ویسا ہی پردہ کرنا ضروری ہے جیسا اجنبی مرد سے کرنا ضروری ہے، سر سے لے کر پاؤں تک جسم کا کوئی بھی حصہ جیسے پَرائے مرد کے سامنے کھولنا حرام ہے، اِسی طرح غیر مسلم عورت کے سامنے بھی کھولنا ناجائز اور گناہ ہے۔ (بہشتی زیور ۳/۶۴) لہٰذا بیوٹیشین عورت – جو غیر مسلم ہو – کو دلہن سنوارنے کے لیے لانا بھی ناجائز اور حرام ہے۔

اب رہ گئی بات بیوٹیشین خاتون کی جو مسلمان ہو، تو اگر وہ جائز طریقے سے آرائش کرتی ہے تو گنجائش ہے؛ ورنہ وہ بھی جائز نہیں، آپ نے سوال میں آرائش کے بعض طریقوں کا تذکرہ کیا ہے، اِس پر بحث کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔

سب سے پہلی بات بالوں کی وَضع، جس کے لیے بالوں کو کاٹا جاتا ہے، تو

یاد رہے کہ عورت کے لیے بال کا کاٹنا منع ہے، ''بہشتی زیور'' میں ہے کہ عورت کو سر منڈانا، بال کتروانا حرام ہے، حدیث میں لعنت آئی ہے۔(۱۱/ ۱۱٦)اور بعض بعض جگہوں سے بال کتروانا تو مرد کے لیے بھی جائز نہیں۔(۱۱/ ۱۱٦) تو پھر عورت کے لیے کیوں کر جائز ہوسکتا ہے جسے بالکل بال کاٹنے سے منع کیا گیا ہے؟

آئی برو (eyebrow) کرنے میں آنکھ کی بھنوؤں کے بال اُکھاڑ کر اُنھیں پتلا اور دھار دار بنایا جاتا ہے، حدیث پاک میں ایسی عورتوں پر- جو یہ کام کریں اور کرائیں- لعنت آئی ہے۔(بخاری ۲/ ۸۷۹)

نیل پالش کے ذریعے ناخنوں کو لال کرنا بھی جائز نہیں؛ بلکہ اِس کی وجہ سے ناخنوں پر اُس پالش کی تہہ جم جاتی ہے، اور وُضو یا غسل میں جب ناخنوں پر پانی ڈالا جاتا ہے، تب نیل پالش کی وجہ سے ناخنوں تک پانی نہیں پہنچتا ہے، جس کی وجہ سے وُضو یا غسل صحیح ہی نہیں ہوتا اور نمازیں بھی نہیں ہوتی، عورت ناپاک کی ناپاک ہی رہتی ہے، عِلاوہ ازیں نیل پالش میں ناپاک اشیاء کی آمیزش ہوتی ہے، اور وہی ناپاک ہاتھ کھانے وغیرہ میں استعمال کرنا گندگی کا کام ہے۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل ۲/ ۷۴، ۷۵)

اللہ تعالیٰ نے عورت کے اعضاء میں قدرتی حُسن رکھا ہے، اُسے غیر قدرتی اشیاء کے ذریعے ختم کرنا کونسی دانش مندی ہے؟

لِپ اِسٹک کے ذریعہ ہونٹ سرخ کیے جاتے ہیں، بہت سے ماہرین نے تحقیق و ریسرچ کے بعد اعلان کیا ہے کہ اِس میں خنزیر کی چربی ملائی جاتی ہے، اُن

کے مطابق لپ اسٹک کی کوئی قسم اِس سے خالی نہیں، چاہے ولایتی ہو یا غیر ولایتی، خواہ معمولی ہو یا اعلیٰ ہو؛ ہر ایک کی صنعت میں خنزیر کی چربی استعمال ہوتی ہے۔

(رضوان جنوری ۱۹۹۳ء ص:۵۸)

نیز اگر لِپ اِسٹک کو وُضو یا غسل کے وقت ہونٹوں سے نکالا نہ جائے تو وُضو اور غسل بھی درست نہیں ہوتا، عورت ناپاک ہی رہتی ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۲/ ۲۷)

بلکہ نیل پالش دُور کیے بغیر مُردے کو دیا ہوا غسل بھی صحیح نہیں ہوتا، اور اِس کی وجہ سے اُس پر پڑھی ہوئی نمازِ جنازہ بھی نہیں ہوتی۔ (احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۲۷)

اور اگر نمازِ جنازہ پڑھنے والے کو معلوم ہو کہ اِس مُردہ خاتون کی نیل پالش دُور کیے بغیر غسل دیا گیا ہے، تو اُس کے لیے اُس کی نمازِ جنازہ پڑھنا ہی جائز نہیں ہے۔

خوشبو لگانا بھی اِس لیے درست نہیں کہ دُلہن کو لگائی جانے والی خوشبو کی مہک اُس کے شوہر (دولہے) تک محدود نہیں رہتی؛ بلکہ اُس کے پاس پہنچنے سے پہلے ہی بہت سے نامحرم مرد اُسے لگائی ہوئی خوشبو سونگھ کر فرحت محسوس کرتے ہیں، نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے: جو عورت خوشبو لگا کر مَردوں کے سامنے سے گزرتی ہے؛ تاکہ وہ فرحت محسوس کریں؛ وہ عورت زناکار ہے، اور ہر وہ آنکھ جو اُسے دیکھے زناکار ہے۔ (شامی وغیرہ، حجاب ص:۸۵)

دُلہن کو سنوار کر اِس طرح بٹھائے رکھنا کہ نمازیں قضاء ہو جائیں کبیرہ گناہ ہے، ''فضائلِ نماز'' کے دوسرے باب میں حضرت شیخ مولانا محمد زکریاؒ نے وہ تمام احادیث لکھی ہیں جن میں نماز کے ترک پر وعید آئی ہے۔ نبیٔ کریم ﷺ فرماتے ہیں

کہ نماز چھوڑنا آدمی کو کفر سے ملا دیتا ہے، ایک جگہ ارشاد ہے کہ بندے کو اور کفر کو ملانے والی چیز صرف نماز کو چھوڑنا ہے۔ (فضائل نماز ص: ۲۰۷)

ایک اَور حدیث میں ہے کہ جان کر نماز نہ چھوڑو، جو جان بوجھ کر نماز چھوڑ دے وہ مذہب سے نکل جاتا ہے۔ (فضائل نماز: ۲۰۸)

ایک اَور حدیث میں ہے کہ جس شخص کی ایک نماز بھی فوت ہوگئی وہ ایسا ہے کہ گویا اُس کے گھر کے لوگ اور مال و دولت سب چھین لیا گیا ہو۔ (فضائل نماز::: ۲۱۰)

سوال: (۳) ہمارے علاقے میں نکاح کے بعد دولہے کی ملاقات کی جاتی ہے، بہت سی جگہوں پر دولہا کھڑے ہو کر زور سے سلام کرتا ہے۔

الجواب: (۳) سنت یہ ہے کہ نکاح کے بعد دولہے کو دعا اور مبارک باد دی جائے، یہ بات آں حضور ﷺ سے مختلف الفاظ میں ثابت ہے، ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ کا نکاح پڑھانے کے بعد آپ ﷺ نے اُنھیں اِن الفاظ میں دعا دی:

﴿على الألفة والخير والبركة والطير الميمون والسعة في الرزق﴾

ترجَمہ: (اللہ تعالیٰ اِس نکاح کو) باہمی جوڑ، بھلائی، برکت، خوش قسمتی اور بابرکت روزی والا بنائے، ایک اَور روایت میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں: ﴿بارك الله لك وبارك عليك وجمع بينكما بالخير﴾ (ترجَمہ) اللہ تعالیٰ تم پر برکتیں اُتارے اور تم دونوں میں خوب جوڑ پیدا کرے۔ (فتح الباری شرح صحیح البخاری ۱۸۲/۹۔ عمدۃ القاری شرح بخاری ۲۰/ ۱۴۵)

اگر کوئی شخص دولہے کو دعا اور مبارک باد دینے کے لیے اُس سے مصافحہ

کرے تو اِس کی گنجائش ہے؛ البتہ اُسے سنت نہ سمجھے۔

دولہے کا نکاح کے بعد کھڑے ہو کر سلام کرنا ثابت نہیں ہے، محض ایک رواج ہے جو قابلِ ترک ہے۔

سوال: (۴) شادی کے موقع پر رشتے داروں کا رُوٹھنا اور منانا ہوتا ہے، ناراض رشتے داروں کو منانے کے لیے جاتے ہیں اور اندرونی طور پر دشمنی رکھنے والے اَعِزَّہ بھی اِس موقع پر انتقام کا جذبہ رکھتے ہیں، یہ کیسا ہے؟

الجواب: (۴) اعزہ اقرباء میں کسی وجہ سے پہلے سے کبیدگی اور ناراضگی چلی آئی ہو، اِس صورت میں خاندان میں آئی ہوئی اِس شادی کی تقریب سے فائدہ اُٹھا کر اُس کبیدگی اور ناراضگی کو دُور کرنے کے لیے محنت اور کوشش کی جائے تو یہ شرعاً منع نہیں؛ بلکہ باہمی اِتحاد واتِّفاق از رُوئے شرع لازم وضروری ہونے کی وجہ سے اُس کے لیے کی جانے والی محنت اور کوشش قابلِ تحسین وتعریف ہے؛ البتہ دل میں دشمنی رکھ کر ایسے موقع پر انتقام کا جذبہ رکھنا شرعاً گناہ اور قابلِ ترک ہے، کینہ رکھنے والے کے لیے حدیث میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، لیلۃ القدر اور دیگر مبارک راتوں میں جب سب کی بخشش کر دی جاتی ہے، تب بھی ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی عام بخشش سے محروم رکھا جاتا ہے، حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ ’’فضائلِ رمضان‘‘ میں تحریر فرماتے ہیں: آج جو لوگ دوسروں کا وقار گھٹانے کی فکر میں رہتے ہیں، تنہائی میں بیٹھ کر غور کریں کہ خود وہ اپنے وقار کو کتنا صدمہ پہنچا رہے ہیں؟ اور اپنی اِن ناپاک اور کمینہ حرکتوں سے اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں کتنے ذلیل ہو رہے

ہیں، اور پھر دنیا کی ذلت بدیہی۔ (ص:۴۲) بعض لوگ اِسی انتقامی جذبے کی وجہ سے ولیمہ وغیرہ کی دعوت میں بھی نہیں جاتے ہیں، اِسی وجہ سے حدیث میں دعوتِ ولیمہ میں جانے کی خوب تاکید آئی ہے، اِسی وجہ سے اکثر علماء ایسی دعوتِ ولیمہ میں حاضری کو واجب کہتے ہیں؛ البتہ اگر دعوت کی جگہ پر خلافِ شرع کام ہوتے ہوں (مثلاً موسیقی، ویڈیو اور بینڈ باجہ وغیرہ) تو وہاں نہ جائے۔ (فیض الباری وغیرہ)

سوال: (۵) نکاح کے بعد نسبتی بھائی اپنے بہنوئی کی چپل چھپاتا ہے اور اِس کے عوض پیسے مانگتا ہے، نیز مجلسِ نکاح میں نسبتی بھائی دودھ کولڈرنک (Cold Drink) یا مٹھائی لاکر اپنے بہنوئی کو کھلاتا اور اُس کے عوض پیسے مانگتا ہے، ایسے پیسے لینے اور دینے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: (۵) یہ دونوں اُمور رسمِ محض ہیں، جس سے بچنا چاہیے، دینے والے کی ناراضگی کے باوجود اُس سے پیسے نکلوانا شرعاً جائز نہیں، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ کسی مسلمان کا مال اُس کی دلی رضامندی کے بغیر حلال نہیں۔ (مشکوٰۃ)

سوال: (۶) ہمارے یہاں نکاح کے بعد دولہا دلہن کے گھر جاتا ہے، جس میں اُس کے دوست بھی ہوتے ہیں، لڑکی والوں کے یہاں- جہاں خواتین کا بڑا مجمع ہوتا ہے- یہ لڑکے اور دوست جاتے ہیں، جہاں دُلہن فریق کی عورتیں دولہے کو سلامی دیتی ہیں؛ نیز اُس کے سر پر ہاتھ پھیر کر انگلیاں چٹخاتی ہیں، جسے محبت کی علامت یا فالِ نیک سمجھا جاتا ہے، عِلاوہ ازیں لڑکی کی سہیلیاں اور اُس کی دیگر رشتے دار عورتیں اپنے ہاتھوں سے لڑکے کو پیسے دیتی ہیں، جس میں دوسرے

دوستوں کو ہنسی مذاق کا زرّیں موقع مل جاتا ہے، اِس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: (٦) دولہے کو ایسی جگہ بلانا جہاں نامحرم عورتوں کا مجمع ہو، بڑا گناہ اور بے حیائی ہے، اجنبی عورتوں کا اِس طرح مَردوں کے سامنے آنا شرعاً انتہائی خطرناک ہے، دولہے کے ساتھ اُس کے دوستوں کا جانا، اور دوسری جانب دلہن کی سہیلیوں کا ساتھ مل کر دولہے اور اُس کے دوستوں کے سامنے آنا عظیم فتنہ ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ لعنت کرے دیکھنے والے پر اور جسے دیکھا جائے اُس پر۔ (مشکوٰۃ ص:۲۷۰)

حدیث شریف میں ہے: جو عورت گھر سے خوشبو لگا کر اِس طرح نکلے کہ اُس کی خوشبو کی مہک اجنبی مردوں تک پہنچے، تو وہ زانیہ ہے، حضرت تھانویؒ نے شادی وغیرہ تقریبات میں عورتوں کے جانے، نیز اُن کے اجتماع میں کتنے اور کیا کیا مفاسد اور گناہ ہیں، اِن کا مُفصّل تذکرہ ''بہشتی زیور'' میں کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو اختری بہشتی زیور ٦/١٦)

ہمارے یہاں تو اُس کے مفاسد حضرت تھانویؒ کے ذکر کردہ مفاسد سے بہت زیادہ ہیں، آج کل کے جوان مردوں اور عورتوں نے شادی کو اپنا پیار پھیلانے، یا پیار کا نیا باب شروع کرنے، یا ناجائز تعلقات پیدا کرنے کا آسان وسیلہ بنالیا ہے، قوم کے بزرگوں، دانش مندوں اور علمائے کرام کو ساتھ مل کر شادی کے مواقع پر ہونے والی بے حیائیوں کو ختم کرنے کے لیے موٴثّر اِقدامات کرنے کی ضرورت ہے؛ ورنہ ڈر ہے کہ ایسی تقریبات آگے چل کر زناکاری کے اَڈے نہ بن جائیں

اللہ تعالیٰ ملتِ اسلامیہ کی حفاظت فرمائے۔

لڑکی والی خواتین کا دولہے کی سلامی کے طور پر اُس کے سر پر انگلیاں چٹخانا ناجائز اور حرام ہے، اجنبی مرد کے جسم کو اِس طرح چھونا گناہ ہے، نیز اُسے محبت کی علامت یا شگون سمجھنا تعلیماتِ نبوی کی کھلی توہین ہے، حدیث میں ہے کہ بدشگونی کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ)

سوال: (۷) لڑکی کی رخصتی کے وقت لڑکے والے فریق کی عورتیں، لڑکی والوں کے یہاں سے ایک آدھ برتن اُٹھا لیتی ہیں اور اُسے اپنا ہنر سمجھتی ہیں، اور یہ رواج پابندی سے پورا کیا جاتا ہے، بعد میں برتن واپس کرنا نہ کرنا، دونوں طرح کا رواج ہے، اِس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: (۷) اِس طرح خفیہ طریقے سے لڑکی والوں کے یہاں سے برتن اُٹھا لینا چوری کے حکم میں ہے، ابتداءً برتن بطورِ مذاق لیا گیا، لیکن بعد میں اگر واپس کر دیا گیا، تب بھی ایسے اُٹھا کر لے جانے کے بعد جب گھر والے اپنا برتن نہیں دیکھیں گے تو وہ یہ سمجھ کر کہ ہمارا برتن چوری ہو گیا، پریشان ہوں گے، اور اِس طرح مسلمان کو تکلیف دینے کا گناہ عائد ہوگا، جس کی حدیث میں ممانعت وارد ہوئی ہے، نبیِ کریم ﷺ کا ارشاد ہے: تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی لکڑی مذاقاً نہ اُٹھائے۔ (مشکوٰۃ: ۲۵۵) اِس حدیث کا مطلب وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا۔ (حاشیۂ مشکوٰۃ)

سوال: (۸) جب لڑکی کی رخصتی ہوتی ہے، تب وہ اپنے اعزہ اقرباء سے لپٹ کر روتی ہے، اِس موقع پر محرَم، غیر محرم کا کوئی فرق ہی نہیں رہتا، اِس کی توضیح فرمایئے گا۔

الجواب: (۸) اِس طرح سب کے سامنے ہی لِپٹ کر رونے سے جو بے پردگی ہوگی وہ ظاہر ہے، ساتھ ہی نامحرم سے اِس طرح لِپٹنا حرام ہے، غیرمحرم (مثلاً چچا زاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد بھائی وغیرہ) تو اجنبی مرد ہی کے حکم میں ہے، اُن سے لِپٹ کر فعلِ حرام کا ارتکاب کرنا کتنا خطرناک ہے، اِس طرح لِپٹنے میں اَور بھی بہت سے خطرات ہیں، جو حضرات حُرمتِ مُصاہَرت کے مسائل جانتے ہیں، اُنھیں اِن خطرات کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ (اِس کے لیے ہمارا اشاعت نمبر: ۳۸ ضرور پڑھیں)

دوسرے اِس طرح لِپٹ لِپٹ کر رونے میں بسا اوقات محض دِکھاوا اور بناوٹ ہی ہوتی ہے، ممکن ہے بعض (مثلاً ماں باپ) کو جُدائی کا قلق ہو؛ مگر اکثر تو رسم ہی پورا کرنے کو روتی ہیں کہ کوئی یوں کہے گا کہ اِن پر لڑکی بھاری تھی، اُس کو دَفع کر کے خوش ہوئے، اور یہ جھوٹا رونا ناحق کا فریب ہے، جو کہ عقل اور شرع دونوں کے خلاف اور گناہ ہے۔ (بہشتی زیور ۶/ ۳۱)

سوال: (۹) شادی کے وقت بعض مسلمان خاندانوں میں لیموں، انڈے، ناریل وغیرہ تین دن تک رکھے جاتے ہیں، اور چاروں جانب انڈے پھینکے جاتے ہیں، اور کہا جاتا ہے کہ اِس سے نظرِ بد نہیں لگتی۔

الجواب: (۹) یہ سب شگون اور ٹوٹکے ہیں، جو عِلاوہ خلافِ عقل ہونے کے شرک کی بات ہے۔ (بہشتی زیور ۶/ ۳۲)

سوال: (۱۰) لڑکے کے نکاح کے وقت ہاتھ میں پھول کی کلغی یا پھول کا

ہار پہننا کیسا ہے؟

الجواب: (۱۰) نوشے کے سہرے اور گجرے وغیرہ اِصالۃً ہندوستان کے ہندؤں کی رسمیں ہیں، جو کہ بے علم اور بے عمل اور نومسلم خاندانوں میں باقی رہ گئی ہیں، اور اُن کی صحبت سے دوسرے اِس قسم کے غیر پابند اور غیر محتاط مسلمانوں میں سرایت کرگئی ہیں؛ اِس لیے یہ واجب الترک ہیں۔ ہندوستانی عُلَما وفُقَہا نے اِن کو تشبُّہ کی بنا پر منع فرمایا ہے، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب اور حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب، حضرت مولانا اشرف علی صاحب، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رَحِمَھُمُ اللّٰہ کی تحریرات میں اِن کی ممانَعت موجود ہے، اِن سب کے اُستاذ الاساتذہ حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ کے فتاویٰ میں بھی اِن کو منع کیا گیا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۰/ ۳۱۸)

سوال: (۱۱) مسجد میں نکاح بہتر ہے یا پنڈال میں؟

الجواب: (۱۱) نبیٔ کریم ﷺ کا مبارک ارشاد ہے کہ نکاح کا اعلان کرو اور نکاح مسجد میں رکھو۔ (مشکوٰۃ ۲۷۲) مسجد میں نکاح کرنے سے جگہ کی برکت حاصل ہوگی، اور وقت کی برکت حاصل کرنے کی کوشش کرنا مناسب ہے؛ تاکہ نور اور خوشی میں اِضافہ ہو۔ (حاشیۂ مشکوٰۃ)

وقت کی برکت حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ مسجد میں رکھنے کے ساتھ ساتھ جمعہ کے دن رکھے؛ اِس لیے فُقَہا نے لکھا ہے کہ مستحب ہے کہ نکاح جمعہ کے دن رکھا جائے۔ (دُرِّ مختار شامی ۲/ ۲۸۴)

سوال: (۱۲) نکاح ورخصتی کے بعد لڑکی جب سسرال پہنچتی ہے تو سسرال والے عموماً لڑکے کی بہن یا چھوٹا بھائی گھر کا دروازہ بند کرتا ہے، اور پھر کسی چیز کا مطالبہ کیا جاتا ہے، تو یہ رواج کیسا ہے؟

الجواب: (۱۲) یہ بھی ایک غیر اسلامی رواج ہونے کی وجہ سے چھوڑنا ضروری ہے، اِس کا مطلب تو یہ ہوا کہ جب تک ہماری فیس یا جُر مانہ ادا نہ کرو تب تک ہم دلہن کو گھر میں داخل نہ ہونے دیں گے، انعام کے لیے یہ بھی ایک نوع کی زبردستی ہے۔ (بہشتی زیور ۶/۳۳)

شادی کے بعد کی پہلی رات

ضروری بات

شادی کے بعد پہلی رات انسان کی زندگی کے لیے ایک انوکھا موقع ہے، تنہائی میں اپنی دلہن کے ساتھ دو رکعت پڑھ کر محبت، خوشی، اولادِ صالح کے حصول اور فتنہ، طلاق وغیرہ سے حفاظت کی دعا مانگے، صحبت کرنے میں بالکل جلد بازی نہ کرے، جب ملاعَبت کرنے کے بعد عورت پوری طرح آمادہ ہو جائے اِس کے بعد ہی صحبت شروع کرے؛ ورنہ عورت کو مکمل طور پر تسکین نہ ہوگی، اور عورت کے دل سے شوہر کی محبت کم ہو جائے گی۔

آج کل گھریلو جھگڑوں کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ عورت کو جسمانی تسکین مکمل طور پر نہیں ہوتی، اور صحبت کی بہت زیادہ عادت بھی مضر ہے، اِتنا یاد رہے کہ مرد کی مثال راہ گیر کی سی ہے اور راستہ کبھی تھکتا نہیں ہے، چلنے والا تھک جاتا ہے؛ لہٰذا صحبت کے معاملے میں پہلے سے کنٹرول کے ساتھ چلیں، شادی سے قبل دو کتابیں ضرور پڑھ لیں: (۱) تحفۃ النکاح (از: شیخ الحدیث مولانا ابراہیم کالیڑوی) (۲) آداب الجماع والمباشرۃ (از: مولانا مرغوب لاجپوری، ناشر جامعۃ القراءات کفلیتہ)

اِس کے عِلاوہ نوجوان حضرات اس رسالے میں شامل دیگر فتاویٰ بھی ضرور پڑھیں اور پڑھائیں، شادی سے قبل کسی ماہر عالم سے مل کر شادی کے بعد کی زندگی سے متعلِّق کھل کر مذاکرہ کرلیں، یہ بھی بہتر ہے۔

مفتی محمود صاحب بارڈولی

سوال: (۱) شادی کے بعد دولہا دُلہن کی پہلی رات کے لیے کمرے کو زرق برق آراستہ کیا جاتا ہے، جس میں خصوصی پارٹیوں کو کنٹراکٹ دیا جاتا ہے، یا دوست یہ کام کر دیتے ہیں، اور دیگر دوست رات کو دولہے کے پاس رُوم میں جا کر دروازہ کھٹکھٹا کر رقم یا مٹھائی کا مطالبہ کرتے ہیں، اور جب تک نہ دے تب تک پریشان کرتے ہیں، یہ کیسا ہے؟

الجواب: (۱) جائز حدود میں رہ کر کمرے کو سنوارنے کی تو اجازت ہے؛ لیکن نام ونمود کے لیے زرق برق کرنے کی اجازت نہیں ہے، نیز فضول خرچی بھی ہے، ریا واسراف دونوں حرام ہیں۔

دولہے کے کمرے میں چلے جانے کے بعد مٹھائی کے مطالبے کے لیے دروازہ کھٹکھٹانا، اور مطالبہ پورا کرنے کے لیے پریشان کرنا جائز نہیں، جیسا کہ سنا ہے: مٹھائی کے لیے وصول کی جانے والی رقم بھی معمولی نہیں؛ بلکہ معتد بہ ہوتی ہے، جو دولہے کے لیے اقتصادی بوجھ بنتی ہے، اِس طرح لینا حرام ہے، حدیث میں نبی ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ کسی مسلمان کا مال اُس کی دلی رَضامندی کے بغیر لینا حلال نہیں، سنو ظلم نہ کرو۔ (مشکوٰۃ ۲۲۵)

سوال: (۲) بہت سی جگہوں پر خاص دوست شادی کی رات میں دولہا دُلہن کو دیکھنے کے لیے کمرے میں جاتے ہیں، چھپ کر یا دیگر تدابیر کے ذریعے رُوم میں جھانکتے ہیں، تو یہ دیکھنا کیسا ہے؟

الجواب: (۲) یہ انتہائی درجے کا گناہ ہے اور قابلِ لعنت فعل ہے، کسی

مسلمان مرد وعورت کے اعضائے مخصوصہ اور ستر کو اِس طرح جھانکنا اسلامی تعلیمات کی صاف خلاف ورزی ہے، عام حالات میں بھی جب کسی کے گھر جانا ہو تو بغیر اجازت گھر میں داخل ہونے کی قرآن شریف میں ممانعت آئی ہے، حدیثِ پاک میں نبیِ کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ اجازت لینا اِس لیے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ بے اجازت جانے سے غلط جگہ نگاہ نہ پڑے، ایک شخص نے اِس طرح نبیِ کریم ﷺ کے کمرے میں دروازے کی دراڑ میں سے دیکھنے کی کوشش کی، تو آپ ﷺ ہاتھ میں لوہے کی نوک دار چیز لے کر کھڑے ہوگئے کہ پھر سے اگر دیکھے تو اُس کی آنکھ پھوڑ دیں۔ (بخاری شریف)

اِس طرح دیکھنے والے کی آنکھ پھوڑنا بھی بہ وقتِ ضرورت شریعت نے جائز قرار دیا ہے، ایسے کام اسلام کے لیے دَھبے ہیں، اُنھیں پہلی فرصت میں چھوڑنا ضروری ہے، حدیث میں لعنت آئی ہے۔

سوال: (۳) شادی کی پہلی رات کے بعد صبح کو لڑکے کے دوست اور لڑکی کی سہیلیاں رات کی کارگزاری سننے کی مُشتاق ہوتی ہیں، دونوں سے شب بیتی سنی جاتی ہے، تو دونوں سے اُن کی رات کی بات سننا اور سنانا کیسا ہے؟

الجواب: (۳) یہ انتہائی بے حیائی بھرا گناہ ہے، سنانے والا، سننے والا اور سننے کی خواہش رکھنے والا؛ سب سخت گنہ گار ہیں، حدیث میں حضور ﷺ کا پاک ارشاد ہے: اللہ کے نزدیک سب سے بڑی امانت جس میں انسان خیانت کرے، یہ ہے کہ اپنی بیوی کے ساتھ ہم بستری کی خفیہ بات لوگوں کے سامنے بیان کرے۔

(ایک اَور روایت میں یہ الفاظ ہیں:) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بُرا وہ مرد (یا عورت) ہے جو اپنی بیوی (یا شوہر) کے ساتھ صحبت کرنے کے بعد اُس راز کی بات کو لوگوں کے سامنے بیان کرے۔ (مشکوۃ ۲۷۶) حیا اور شرم کے قاتل اِس رواج سے بچنا بہت ہی ضروری ہے۔

سوال: (۴) نئی نئی آئی ہوئی دُلہن کے ساتھ دولہے والوں کو کیسے سلوک کرنا چاہیے؟ نیز شب زُفاف میں بیوی کو شوہر کے ساتھ اور شوہر کو بیوی کے ساتھ سب سے پہلے کیا سلوک کرنا چاہیے؟ اِس کے متعلّق سنت سے روشنی دیجیے گا۔

الجواب: (۴) حضرت فاطمہ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهَا کا جب نکاح ہوگیا اور رخصت کرنے کا وقت آیا، تو حضور ﷺ نے حضرت فاطمہ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهَا کو حضرت اُمِّ ایمن رَضِيَ اللّٰهُ عَنهَا کے ہمراہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر بھیج دیا، اِس کے بعد بہ نفسِ نفیس آں حضور ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے، اور حضرت فاطمہ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهَا سے کہا: تھوڑا پانی لاؤ، چناں چہ وہ ایک لکڑی کے پیالے میں پانی لے کر حاضر ہوئیں، آپ ﷺ نے پیالہ اُن سے لے لیا اور ایک گھونٹ پانی دہنِ مبارک میں لے کر پیالے میں ڈال دیا، اور فرمایا: آگے آؤ، وہ سامنے آ کر کھڑی ہوگئیں، تو آپ ﷺ نے اُن کے سینے اور سر پر وہ پانی چھڑکا، اور فرمایا: ﴿اللّٰهم إني أعيذها بك وذرّيّتها من الشّيطان الرّجيم﴾ اور اِس کے بعد فرمایا: میری طرف پشت کرو، چناں چہ وہ پشت کر کے کھڑی ہوگئیں، تو آپ ﷺ نے باقی پانی بھی یہی دعا پڑھ کر پشت پر چھڑک دیا، اِس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب رُخ

کر کے فرمایا: پانی لاؤ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مَیں سمجھ گیا جو آپ چاہتے ہیں، چناں چہ مَیں نے بھی پیالہ پانی کا بھر کر پیش کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آگے آؤ، مَیں آگے گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی کلمات پڑھ کر اور پیالے میں کلی کر کے میرے سر اور سینے پر پانی کے چھینٹے دیے، پھر فرمایا: پشت پھیرو، مَیں پشت پھیر کر کھڑا ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی کلمات پڑھ کر اور پیالے میں کلی کر کے میرے مونڈھوں کے درمیان پانی کے چھینٹے دیے، اِس کے بعد فرمایا: اب اپنی دُلہن کے پاس جاؤ۔ (حِصنِ حَصین ۱۶۴)

لڑکی کی رُخصتی کے وقت ایسا کرنا بہتر ہے، داماد کو بھی بلا کر اِسی طرح کرے۔ (حِصنِ حَصین ۱۶۳) اَور ایک روایت میں ہے کہ نکاح کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعد عشاء حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لائے، اور برتن میں پانی لے کر اُس میں اپنا لعابِ مبارک ڈالا، اور ﴿قل اعوذ برب الفلق الخ اور قل اعوذ برب الناس الخ﴾ پڑھ کر دعا کی، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهَا کو آگے پیچھے حکم فرمایا کہ اِس کو پئیں اور وُضو کریں، پھر دونوں صاحبوں کے لیے طہارت اور آپس میں محبت رہنے کی اور اولاد میں برکت ہونے کی اور خوش نصیبی کی دعا فرمائی، اور فرمایا: جاؤ! آرام کرو، اگر داماد کا گھر قریب ہو تو یہ عمل کرنا بھی باعثِ برکت ہے۔ (اختری بہشتی زیور ۶/۴۳)

نئی دُلہن جب دولہے کے گھر پہنچے تب دولہے کے گھر جو عورتیں موجود ہوں وہ آنے والی دُلہن کو دعا دیں، بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عائشہ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهَا فرماتی ہیں کہ جب میری والدہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر رخصت کر کے

پہنچانے کے لیے آئیں، تب آپ ﷺ کے گھر کچھ انصاری عورتیں موجود تھیں، اُنھوں نے مجھے دعا دی: ﴿علیٰ الخیر والبرکة وعلیٰ خیر طائر﴾ (تمھاری اِزدواجی زندگی بھلائی، برکت اور خوش نصیبی والی بنے)۔

پھر جب دولہا پہلی بار اپنی دُلہن کے پاس پہنچے تب اُس کی پیشانی کے بال پکڑ کر یہ دعا پڑھے: ﴿اللّٰهم إني أسئلک من خيرها وخير ماجبلتها عليه، وأعوذبک من شرها وشر ماجبلتهاعليه﴾ اے اللہ! مَیں تجھ سے اِس کی خیر و برکت کا اور اِس کی پیدائشی خَصلت کی خیر و برکت کا جس پر تُو نے اِس کو پیدا کیا ہے، طلبگار ہوں، اور اِس کے شر سے اور اِس کی پیدائشی خَصلت کے شر سے جس پر تُو نے اِس کو پیدا کیا ہے، پناہ مانگتا ہوں۔ (حِصنِ حَصین ۱۶۴)

جب ہم بستری کا ارادہ کرے تو یہ دعا پڑھے: (یہ دعا ستر کھولنے سے پہلے پڑھ لی جائے) ﴿بسم الله، اللّٰهم جنبنا الشيطان وجنب الشيطان مارزقتنا﴾ اللہ کے نام سے، اے اللہ! تُو ہم دونوں کو شیطان سے بچا، اور جو اولاد تُو ہم کو عطا فرمائے اُس کو بھی شیطان سے بچائیو۔ (حِصنِ حَصین ۱۶۵)

جب اِنزال ہو تو یہ دعا زبان کو حرکت دیے بغیر صرف دل سے پڑھے:

اللّٰهم لاتجعل للشيطان فيمارزقتني نصيبا: اے اللہ! جو اولاد تُو مجھے عطا فرمائے اُس میں شیطان کا کوئی حصہ نہ رکھیو۔ (حِصنِ حَصین ۱۶۵، ۱۶۶)

امام غزالیؒ نے ''اِحیاء العلوم'' میں صحبت کے بعض آداب تحریر فرمائے ہیں جو حسبِ ذیل ہیں:

(۱) مستحب یہ ہے کہ بسم اللہ سے اِس عمل کی ابتدا کرے، پہلے سورۂ اخلاص کی تلاوت کرے، پھر اللہ اکبر اور لا إلٰہ إلا اللہ پڑھ کر یہ دعا کرے:

بسم الله العلي العظيم، اللّٰهم اجعلها ذرية طيبة إن كنت قدّرت أن تخرج ذٰلك من صلبي.

(۲) اِس کے بعد مذکورہ بالا دعا پڑھے۔

(۳) صحبت کے وقت قبلے کی طرف سے رُخ پھیر لے، قبلے کی طرف رُخ کر کے صحبت نہ کرے۔

(۴) خود کو اور بیوی کو کپڑے سے ڈھانپ لے، بالکل ننگے بدن صحبت نہ کرے۔

(۵) صحبت سے پہلے محبت آمیز گفتگو کرے، اور بوسہ وغیرہ سے عورت کو بھی صحبت کے لیے تیار کرے، کسی سابقہ تیاری کے بغیر صحبت کرنے کو حدیث میں پسند نہیں کیا گیا ہے۔

(نوٹ): عصرِ حاضر میں سابقہ تیاری کے طور پر عورت مرد کا عضوِ مخصوص منھ میں لیتی ہے یا مرد عورت کو ایسا کرنے پر مجبور کرتا ہے، اِسی طرح مرد عورت کی شرمگاہ کو چومتا چاٹتا ہے، یہ بڑی بے حیائی اور شرعی تعلیم سے بالکل بے جوڑ؛ بلکہ خلاف ہے، منھ اور زبان جیسے محترم اعضاء کے ذریعے شرمگاہ کو چاٹنا جانوروں اور اُن میں بھی کتے جیسے ذلیل جانور کا کام ہے، انسان کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے، ایسے کام سے اپنے آپ کو بچانا ضروری ہے۔

(٦) جب شوہر کو انزال ہو جائے تو فوراً ہی اپنا عضو نکال نہ لے؛ بلکہ ٹھہر

جائے یہاں تک کہ بیوی کی ضرورت پوری ہو جائے (اُسے بھی انزال ہو جائے)؛ کیوں کہ کبھی عورت کو انزال دیر سے ہوتا ہے، اور اِس سے پہلے ہی شوہر کا اپنی ضرورت سے فارغ ہو کر ہٹ جانا عورت کے لیے باعثِ رنج ہوتا ہے، اور بار بار ایسا ہونے سے عورت کی طبیعت میں شوہر کے لیے نفرت کے جذبات جنم لیتے ہیں۔

(۷) بعض علُما نے قمری مہینے کی پہلی، آخری اور درمیانی تین راتوں میں صحبت کو پسند نہیں کیا ہے۔

(۸) جمعہ کی رات یا دن میں (نمازِ جمعہ سے پہلے) بعض علُما نے صحبت کو مستحب لکھا ہے۔

(۹) چار راتوں کے بعد ایک رات صحبت کرنا عدل کا تقاضہ ہے۔

(۱۰) اپنی یا عورت کی ضرورت کے حساب سے اِس مدَّت میں کمی بیشی کی جا سکتی ہے، اِس کے ساتھ اِتنے وقفے سے صحبت کرتے رہنا واجب ہے جس میں اُس کی عِفَّت و پارسائی محفوظ رہے۔

(۱۱) حیض (ماہواری خون) جاری ہو اُس وقت اُس کے ساتھ صحبت کرنا حرام ہے، اِسی طرح نفاس (بچے کی پیدائش کے بعد آنے والے خون) کے دوران بھی صحبت کرنا حرام ہے، (ایسی حالت میں صحبت کرنے سے مُہلِک جِلدی اَمراض میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہے)۔

(۱۲) پیچھے کے راستے میں ضرورت پوری کرنا (یعنی عورت سے لَواطت کرنا) بھی حرام ہے۔

(۱۳) حیض کی حالت میں اُس کے ساتھ ایک بستر پر سونے، اُس کے ہاتھ کا پکا ہوا یا تیار کیا ہوا کھانے پینے کی اجازت ہے، بوسے کی بھی اجازت ہے، صرف صحبت حرام ہے۔

(۱۴) ایک بار ہم بستری کر کے دوبارہ کرنی ہو تو مرد کو اپنا عضو دھو لینا؛ بلکہ وُضو کر لینا بہتر ہے۔

(۱۵) رات کے آخری حصے میں صحبت کرنا مفید ہے، شروع حصے میں صحبت کرنے کی صورت میں وُضو کر کے سوئے، بغیر وُضو اور غسل کے سونا مناسب نہیں، اگرچہ جائز ہے۔

(۱۶) جنابت کی حالت میں ناخن کاٹنا، مُوئے زیرِ ناف لینا، یا سر کے بال کٹوانا مکروہ ہے۔ (اِحیاء العلوم ۲/ ۴۶، ۴۷)

پاکی، ناپاکی اور زوجین سے متعلِّق مسائل باریکی سے جان لیں، یہ ہر مسلمان جوان مرد و عورت کا دینی فریضہ ہے، اِس معاملے میں شرم یا جھجھک نہ رکھیں۔

دینی اُمور معلوم کرنے کے بارے میں شرم کرنے کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت نہیں ہے، بعض نوجوان پہلی رات کو ایسے مَحو وغرق ہو جاتے ہیں کہ پوری رات جاگ کر گزار کر فجر کی نماز سے قبل سو جاتے ہیں، جس میں فجر کی نماز قضا ہو جاتی ہے، یہ غلط ہے، جس ہم بستری کے نتیجے میں نماز قضا ہوئی ہو، اُس سے پیدا ہونے والی اولاد پر بُرے اثرات پڑتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

کتبہٗ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/ ۶/ ۱۴۱۷ھ

ضروری بات

آج جب فلم، میڈیا اور تعلیمی نصاب کے ذریعہ جنسیات کی تعلیم دی جاتی ہے، اور اُس میں بہت سے غیر اسلامی طریقے ہیں ہی، تو ایسے وقت میں شریعت کی پاکیزہ روشنی میں ہم بستری سے لُطف اندوز ہونے کا صحیح طریقہ سیکھنا انتہائی ضروری ہے، ہر ولی اِس بات کی فکر کرے کہ اُس کے بیٹے بیٹی کو اِس لائن کی رہنمائی ملے۔

مفتی محمود صاحب بارڈولی

عصرِ حاضر کے فیشنی برقعے

سوال: آج کل جو خواتین پردہ نشین ہوتی ہیں اُن میں ایک فیشن چلی ہے، پردی پہنتی ہیں، جس میں ناک، آنکھ، آدھا چہرہ کھلا رہتا ہے، اور برقعہ پر اَنواع واَقسام کے پھول ڈیزائن، دل والے نقش وغیرہ ہوتے ہیں؛ غرضیکہ جاذبِ نظر کپڑے اور ڈیزائن والے برقعے پہنتی ہیں، بعض خواتین فیشن والی ڈبل پردی رکھتی ہیں، جب باہر نکلتی ہیں تب ناک، آنکھ نظر آئے ایسی پردی (نوزپیس) پہن لیتی ہیں؛ غرضیکہ آج کل فیشن بہت ہی بڑھ گیا ہے، ہم نے سنا ہے کہ شرعاً یہ برقعے صحیح نہیں ہیں، تو پردہ کیسا ہونا چاہیے؟ اور اسلام میں پردے کی کیا حیثیت ہے؟ آپ شرعی انداز میں مفصَّل ومدلَّل باحوالہ جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

الجواب: عورت عربی لفظ ہے، جس کے معنیٰ ہیں چھپانے کی چیز، قدرت نے اُس کی تخلیق ہی اِس انداز سے کی ہے کہ اُسے مکمل چھپانے کی چیز کہنا چاہیے؛ اِسی لیے خالقِ کائنات نے سخت ضرورت کے بغیر اُس کا گھر سے باہر نکلنا مناسب نہیں سمجھا؛ تاکہ یہ گوہرِ آبدار ناپاک نظروں کی ہوَس سے گندا نہ ہوجائے، اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:﴿وقرن في بیوتکن﴾ (الاحزاب:۳۳) ترجَمہ: اور اپنے گھروں میں جم کر رہو، اور جاہلیتِ اُولیٰ کی طرح زیب وزینت کرکے نہ نکلو، ''جاہلیتِ اُولیٰ'' سے مراد اسلام سے پہلے کا دَور ہے، جب عورتیں بازاروں میں کھلے عام اپنی نسوانیت کا مُظاہَرہ کرتی تھیں، جاہلیتِ اُولیٰ کا لفظ استعمال کرکے پیشین گوئی کی گئی کہ انسانیت پر جاہلیت کا ایک اَور دَور آنے والا ہے، جب خواتین

اپنی فطری خصوصیات وامتیازات کے تقاضوں کو ماڈرن جاہلیت پر بھینٹ چڑھائیں گی۔

قرآن ہی کی طرح نبیٔ کریم ﷺ نے بھی صنفِ نسواں کو مکمل چھپانے کی چیز بتائی ہے، بغیر ضرورت کے اُس کا باہر نکلنا ناجائز قرار دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ عورت مکمل چھپانے کی چیز ہے؛ اِس لیے جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اُس کی تاک میں رہتا ہے۔

(مشکوٰۃ ص:۲۶۹)

اور اگر بوجہِ ضرورت اُسے باہر نکلنا ہی پڑے، تو اُسے حکم دیا گیا کہ ایسی بڑی چادر اوڑھ کر نکلے جس کے ذریعے اُس کا پورا جسم سر سے لے کر پاؤں تک ڈھک جائے۔ سورۂ اَحزاب میں ہے: ﴿یـأیها النبي قل لأزواجک﴾ الخ ترجَمہ: اے نبی! آپ اپنی بیویوں بیٹیوں اور مؤمنین کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ جب باہر نکلیں تب اپنے اوپر بڑی چادریں ڈال لیں۔ (آیت:۶۹) مطلب یہ ہے کہ اُنھیں بڑی چادر لپیٹ کر باہر نکلنا چاہیے، اور چہرے پر چادر کا گھونگھٹ ڈالا ہوا ہو، بہرحال! حکمِ شرعی یہ ہے کہ حتی الامکان عورت گھر سے باہر نہ نکلے، اور اگر مجبوراً نکلنا ہی پڑے تو بڑی چادر میں اِس طرح لپٹ کر نکلے کہ پہچانی نہ جاسکے، اور اُس کے لباس کی زیب وزینت پر اجنبیوں کی نظر نہ پڑے۔

بڑی چادر اوڑھ کر نکلنے کی صورت میں اُس چادر کو بار بار سنبھالنا مشکل تھا، اِس کی تکمیل کے لیے شریف خاندانوں میں چادر کی جگہ برقعہ آیا، یہ مقصد ڈھیلے اور

سادے برقعے کے ذریعے حاصل ہوتا تھا؛ لیکن شیطان نے اِس برقعہ کو فیشن اور شہوت کی بھٹی میں رنگ کر زینت ونمائش کا ذریعہ بنادیا، برقعہ کی ایجاد نسوانی زیبائش چھپانے کے لیے ہوئی تھی، اِسی میں ایسی ایسی تراش خراش، اور پر کشش ڈیزائنیں اور فیشن سمودی گئیں کہ برقعہ خود زینت کا ایک جُزو اور ذریعہ بن گیا۔

اب بہت سی خواتین برقعہ خود کو چھپانے کے لیے نہیں؛ بلکہ مزید خوب صورت اور جاذب لگنے کے لیے پہننے لگی ہیں، اِس سے زیادہ برقعہ کا غلط استعمال اور ناقدری کیا ہوگی؟ فطرت کا مسخ ہونا یعنی انسانیت کا پلٹ کر اسفلِ سافلین میں پہنچ جانا اِسی کا نام ہے، برقعہ کے ایک تاجر کے اشتہار کے یہ الفاظ پڑھیے:

’’ہمارے یہاں سعودی نقاب، جھبلے دار نقاب، شیروانی نقاب، عبایہ نقاب، دوپٹے دار نقاب، گول رومال نقاب، سہ گوشہ نقاب اور رومال نقاب کے عِلاوہ فینسی نقاب کے دوپٹے، چادریں، ڈھاٹا اور رنگین اِسکارف وغیرہ رعایتی قیمت پر دستیاب ہیں‘‘۔

ابتداء میں جب سہولت کی خاطر چادر کی جگہ برقعہ ایجاد ہوا، تب اُنھیں خواب وخیال بھی نہ ہوگا کہ ماڈرن جاہلیت میں برقعہ کو اِتنی نچلی سطح تک پہنچا دیا جائے گا، بعض برقعے تو اِتنے تنگ اور چُست بننے لگے ہیں کہ عورتوں کا پورا بدن اور اَعضاء کی ہیئت تک صاف نظر آتی ہے۔

آپ نے سوال میں برقعہ کے اوپر پہنی جانے والی جس پردی کا تذکرہ کیا ہے، جس میں آنکھیں، ناک، آدھے رُخسار کھلے رہتے ہیں، اُس میں سوال یہ ہوتا

ہے کہ جالی دار برقعہ چھوڑ کر پردی والا برقعہ کیوں اپنایا گیا جب کہ جالی دار برقعہ میں پورا چہرہ اور منھ چھپنے کے ساتھ راستہ دیکھنے میں بھی کوئی دِقَّت نہیں تھی؟ اِس سوال کا جواب بھی صاف ہے کہ جالی دار برقعہ میں وہ کشش نہیں جو پردی والے برقعہ میں ہے، اب تو برقعہ کی ڈیزائن اور تراش خراش میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ شریعت کیا چاہتی اور کہتی ہے؟ بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ فلم اور فیشن کیا سکھاتی ہے؟ لہٰذا جو خواتین برقعے پہن کر یہ سمجھتی ہوں کہ وہ قرآن وشریعت کے حکم پر عمل کر رہی ہیں، یہ محض نفس وشیطان کا فریب ہے۔

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے کُفَّار ومشرکین کے بعض وہ اعمال جو بہ ظاہر نیکی نظر آتے تھے، اُن کے متعلِّق فرمایا ہے: ﴿**قل هل ننبئكم بالأخسرين أعمالا**﴾ ترجَمہ: آپ (اُن سے) کہیے کہ کیا ہم تم کو ایسے لوگ بتائیں جو اعمال کے اعتبار سے بالکل خسارے میں ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیا میں کری کرائی محنت (جو اعمالِ حسنہ کی شکل میں کی تھی) سب گئی گزری ہوئی، اور وہ (بوجہِ جَہالت کے) اِسی خیال میں ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔ (معارف القرآن ۵/ ۶۴۵)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اِس کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

اِس جگہ پہلی دو آیتیں اپنے مفہومِ عام کے اعتبار سے ہر اُس فرد یا جماعت کو شامل ہے جو کچھ اعمال کو نیک سمجھ کر اُس میں جِدّ وجُہد اور محنت کرتے ہیں؛ مگر اللہ کے نزدیک اُن کی محنت برباد اور عمل ضائع ہے۔ (۵/ ۶۴۶)

اور اب تو کئی دنوں سے آپ کی مذکورہ درسوال پردی میں ایک ترقی یہ ہوئی

ہے کہ پورا برقعہ کالے رنگ کا ہوتا ہے اور پردی سفید رنگ کی ہوتی ہے؛ تاکہ کسی کی توجُّہ نہ جاتی ہو تب بھی یہ منظر دیکھنے کے لیے وہ کھنچے، اللہ تعالیٰ ہماری مسلمان بہن، بیٹیوں کو عقلِ سلیم دے کہ وہ ہوَس خوروں کی اِن مَکّاریوں اور حِیلوں کو پہچان کر اپنی عِصمت وعزت اور شرم وحیا بچالیں۔ آمین۔ دشمنانِ اسلام ایک طویل عرصے تک حجاب، پردہ اور برقعہ کے خلاف تحریک چلاتے رہے، اِس کے باوجود جو مسلمان خواتین اِس سے متأثّر نہ ہوئیں اور خود کو بے حجاب نہ کیا، ایسی خواتین کے لیے اب اِن دشمنوں نے یہ نیا حیلہ تیار کیا، جس میں برقعہ اُتار پھینکے بغیر ہی اُن کا مقصد حاصل ہو جائے، اور حکمِ الٰہی پر ظاہری عمل کے ساتھ اُس کا خون ہوتا رہے، اِس موقع پر فراستِ ایمانی، غیرت وحَمِیّت سے کام لے کر اِن مَکاریوں پر سے پردہ ہٹانے کی ضرورت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

برقعہ پہننے کا شرعی حکم

سوال: آج کل جو برقعے پہنے جاتے ہیں اُن میں آنکھیہ پہنا جاتا ہے، اِس طرح کے برقعے میں سے آنکھیں اور ناک کی ہڈی بھی صاف نظر آنے لگی ہے؛ تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ نیز بعض اوقات آنکھ کے اوپر کا حصہ پیشانی (بھنووں کا حصہ) اور آنکھ کے نیچے والا چہرے کا حصہ بھی نظر آنے لگتا ہے، تو کیا اِس طرح کے برقعے پہننا جائز ہے؟

الجواب: برقعہ پہننے کا مقصد یہ ہے کہ اُس کے ذریعے عورت اپنے بدن یا لباس کی آرائش مَردوں کی نگاہوں سے چھپائے؛ تاکہ اُس کی طرف کسی کا

دھیان نہ جائے، یہ مقصد حاصل کرنے کے لیے اصل حکم تو یہ تھا کہ عورت ایک موٹی اور انتہائی سادہ چادر کے ذریعے اپنے آپ کو چھپالے، صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانے میں یہی طریقہ رائج تھا؛ البتہ چادر اوڑھنے میں خود اُس چادر کو سنبھالنا پڑتا تھا؛ لہٰذا یہ مقصد حاصل کرنے کے لیے برقعے سِلے گئے؛ لیکن یہ مقصد مکمل طور پر تب ہی حاصل ہوگا جب کہ برقعہ بالکل سادہ اور زیب و زینت سے خالی ہو؛ ورنہ برقعہ کے ذریعہ زیب و زینت چھپانے کا جو مقصد تھا اُس کے برعکس برقعہ خود ہی سامانِ زینت بن جائے گا؛ اِسی لیے حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ کامدار برقعہ پہن کر نکلنا بھی جائز نہیں۔ (معارف القرآن ۶/ ۴۰۶، ۴۰۷)

جس زمانے میں سادہ موٹی چادر اوڑھ کر خواتین باہر نکلتی تھیں، تب راستہ دیکھنے کے لیے آنکھ کھلی رکھنے کی بھی اجازت تھی، پھر جب برقعے سِلے گئے تب راستہ دیکھنے کے لیے آنکھیں کھلی رکھنے کے بہ جائے برقعہ ہی میں آنکھ کی جگہ جالی لگادی گئی، اب آنکھ کھلی رکھنے کی ضرورت نہیں رہی، اب آج کل برقعہ میں سے جالی غائب ہوتی جارہی ہے، اور آنکھیہ پہننے کا رواج بڑھتا جارہا ہے، یہ بھی ایک شیطانی چال ہے؛ کیوں کہ ایسا برقعہ مَردوں کو مائل کرنے میں اچھا خاصا کردار ادا کررہا ہے، بعض خواتین آنکھیہ کا بے جا فائدہ اُٹھاتے ہوئے آپ کے لکھنے کے مطابق چہرے کے دیگر حصے کو بھی کھلا رکھتی ہیں، ظاہر ہے کہ یہ طریقہ شریعت کے دیے ہوئے حکمِ حجاب کی غرض و غایت کے لیے مُضِر ہونے کی وجہ سے درست نہیں ہے، بعض جاننے والوں سے سننے کے مطابق کسی فلم میں کسی اَداکارہ کا آنکھیہ پہننا

اِس طریقے کی ترویج کا اصل سبب ہے، تو اُس کا ناجائز ہونا بدیہی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری
صدر مفتی جامعہ ڈابھیل

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ
نائب مفتی جامعہ ڈابھیل

مولانا علی میاں کی مقبولیت کا راز

پیش لفظ

از: مفتی عبد القیوم راجکوٹی (دارالافتاء جامعہ ڈابھیل)

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم.

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ (م ۲۰۰۰ء) کی شخصیت علم و فضل، تقویٰ واِنابت، تدبُّر وفِراست اور دعوتِ دین کے لحاظ سے ہمہ گیر حیثیت کی حامل تھی، سنتُ اللہ یہی رہی ہے کہ قصرِ اسلام کی حفاظت ظاہری طاقت کے بل بوتے پر نہیں؛ بلکہ ایسے خدا مست اور بے تاج وکُلاہ داعیوں کے دم قدم سے ہوتی ہے جو زر و جواہر کی چمک دَمک سے بے نیاز اور جاہ ومنصب کے تنگ خول سے آزاد ہوکر دلوں پر حکمرانی کرتے ہیں۔

حضرت مولانا علی میاںؒ کی جامع صفات شخصیت نے جس قرینے سے آدابِ دعوت کے تقاضے پورے کیے، وہ پوری اُمّت کے لیے قابلِ تقلید مثالی نمونہ ہے، حضرت مولانا کی پُرتاثیر اور پُرکشش شخصیت ہی کی کشش تھی کہ دوریوں کے صحراء اور فاصلوں کے جنگل حائل ہونے کے باوجود دنیا بھر کے مسلمان اُن پر زندگی میں بھی عقیدت ومحبت کے پھول نچھاور کرتے رہے، اور اِس عالمِ فانی سے رخصت ہوجانے کے بعد بھی اُن کی محبت لوگوں کی دلوں کی دھڑکن ہے۔

مولانا کے وصال کے بعد ۳۰/ جولائی ۲۰۰۰ء ڈیوزبری برطانیہ میں M.C.F. (مسلم کمیونٹی فارم) کے ذمّے داروں نے ایک مثالی سمپوزیم منعقد کیا، جس میں برطانیہ کے سرآوُردہ اہلِ علم کے عِلاوہ دیگر ممالک کے بہت سے اصحابِ

فضل وکمال مندوبین بھی شریک ہوئے اور مقالات پیش کیے۔

اِس سمپوزیم میں شرکت کرنے والے بعض حضرات کے اسمائے گرامی حسبِ ذیل ہیں:

(۱) شیخ الاسلام مولانا محمد تقی عثمانی صاحب (۲) قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب

(۳) مولانا تقی الدین ندوی صاحب (۴) مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب

(۵) مولانا سید سلمان الحسینی ندوی صاحب (۶) مولانا عبداللہ کاپودروی صاحب

(۷) مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی صاحب (۸) شیخ نادر عبدالعزیز النوری صاحب

(۹) ڈاکٹر مزمل صدیقی صاحب (۱۰) مفتی زبیر بھیات افریقی صاحب

(۱۱) مولانا عیسیٰ منصوری صاحب

مذکورہ حضرات نے مولانا علی میاںؒ کی داعیانہ زندگی کے جن اہم اور بنیادی عناصر پر روشنی ڈالی، اربابِ دِین و دانش کے لیے جو چشم کُشا حقائق بیان کیے اور جس معتدِل راہِ عمل کی نشان دہی کی، وہ دین اور علمِ دین سے وابَستہ اَفراد کے لیے یقیناً سرمایۂ بصیرت ہی نہیں، سرمایۂ حیات ہے، بیانات و مقالات کے چند اہم اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں:

بیانات ومقالات کے اقتباسات

(۱) حضرت اقدس شاہ عبد القادر رائے پوریؒ مولانا علی میاں کو مخاطَب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(۱) آپ کے آنے سے میری کُٹیا (خانقاہ) ایسی روشن ہوگئی جیسے شمس

تبریزؒ کے آنے سے مولانا رومیؒ کے آستانے پر بہار آ گئی۔ (مولانا عیسیٰ منصوری)

(۲) مولانا نے ایک ''تاریخِ دعوت وعزیمت'' اپنے قلم سے لکھی اور ایک دوسری ''تاریخِ دعوت وعزیمت'' اپنے عمل سے لکھی۔ (مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی)

(۳) مولانا مرحوم نے کویت آ کر اہلِ کویت کو جگایا، اور ''**ماذا خسر العالم**'' سے پورے عربی ممالک کو متنبّہ کیا۔ (شیخ نادر عبدالعزیز نوری کویت)

(۴) مولانا کو اللہ تعالیٰ نے اِس اُمّت کی اِصلاح کے لیے پیدا فرمایا تھا، اور اِس کے مواقع عنایت فرمائے، مولانا مرحومؒ فرماتے تھے: مَیں حضرت رائے پوریؒ کی تین صفات سے بہت متأثّر ہوا: فنائیت، اعتدال اور شفقت، حضرت مولانا علی میاںؒ میں بھی یہ تینوں صفتیں بدرجۂ کمال واَتم تھیں۔

مولانا کے تقویٰ کا یہ عالَم تھا کہ سیرت پر عربوں کے سامنے اپنے بیان میں ایک جملہ ''عالمِ عربی کی رُوح محمد عربی ہیں'' فرمایا، سارے عرب رونے لگے؛ حالانکہ اہلِ عرب جلدی روتے نہیں، مولانا کا مقام کیا تھا؟ اِس کا اندازہ اِس سے لگائیے کہ شیخ عبدالحلیم اور شیخ ابوزہرہ سے ایک کتاب پر مقدّمے کی درخواست کی، تو فرمایا کہ علی میاں کے مقدّمے کے بعد کسی کے لیے مقدّمہ لکھنا جائز نہیں۔ (مولانا تقی الدین ندوی)

(۵) مولانا مرحوم اِس صدی کے اعلیٰ ترین مجدِّدِین میں سے ایک تھے، پورے عالَمِ اسلام کی ہمدردی اُنھیں تھی، خاص کر عربوں کو دِینی ذمّے داری کا احساس دِلانا مولانا کا خاص مشغلہ تھا۔ (ڈاکٹر مزمل صدیقی)

(۶) مولانا میں تواضع، ہمدردی، محبت کی صفات جو تھی وہ مشکل سے ملے گی، مَیں ''سمرقند'' کے سفر میں مولانا کے ساتھ تھا، امام بخاریؒ کے مزار پر مرحوم نے بڑی رِقّت سے رو رو کر بیان فرمایا، اور یہ پیغام پہنچایا کہ امام بخاریؒ کی حدیثی خدمت تو تھی ہی؛ مگر مسلمانوں کے سخت وقت میں ایک مجاہد بھی بن کر سامنے آئے۔

مولانا نے ''آکسفورڈ یونیورسٹی'' میں ''اِسلامک سینٹر'' کی بِنا ڈال کر مغرب کی وادی میں پہلی اذان دی ہے، اِس سینٹر سے ہمیں کام کو آگے بڑھانا چاہیے۔ (ڈاکٹر مناظر اَحسن)

(۷) مولانا کا ملفوظ نقل فرمایا کہ ''عُلما کو تین چیزیں اَپنانی چاہیے: اخلاص، اختصاص اور استقامت۔ (مفتی زبیر بھیات)

(۸) مولانا علی میاں زندہ تھے تو مقبول ومحبوب تھے، اور موت کے بعد مقبول تر ومحبوب تر ہوگئے، مولانا نے سخت سخت بات ہمیشہ میٹھے سے میٹھے لہجے میں کہی ہے، شاہ بانو کیس میں میڈیا ہمارا سخت مخالف تھا، مولانا مرحومؒ نے پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے ایک شعر ذرا ترمیم سے اُن کے سامنے پڑھا، اِس شعر نے سارے میڈیا کا رنگ بدل دیا۔

آہستہ خرام، بلکہ مخرام		زیرِ قدمت ہزار جان است

آہستہ چلو؛ بلکہ چلو ہی مت؛ اِس لیے کہ تیرے قدموں کے نیچے ہزار ہا جانیں ہیں۔

مولانا نے اِس کو بدل کر یوں پڑھا:

زیرِ قلمت ہزار جان است		آہستہ خرام بلکہ مخرام

آہستہ چلو؛ بلکہ چلو ہی مت؛ اِس لیے کہ تیرے قلم کے نیچے ہزار ہا جانیں ہیں۔ (قاضی مجاہد الاسلامؒ)

(۹) مولانا مرحوم کے متعلّق شیخ علی طنطاوی نے فرمایا کہ اگر کسی شخص کو قلعہ تعمیر کرنے یا کسی لشکر کی قِیادت کے سبب عظیم شمار کیا جاتا ہے، تو ابوالحسن نے اپنے تلامذہ کے دلوں میں پتھروں کے قلعوں سے زیادہ مضبوط اور محکم اسلامی قلعے تعمیر کیے ہیں، اُنھوں نے علَما، صُلَحا اور دُعاۃِ مُخلِصین کی ایک خاص جماعت تیار کردی ہے۔ (مولانا عبداللہ کاپودروی)

(۱۰) مولانا علی میاں کی ایک عظیم خوبی یہ بھی تھی کہ اُن کا ظاہر و باطن ایک سا تھا، وہ جو کہتے تھے، لکھتے تھے، وہی کرتے بھی تھے، اُن کے ہاں فکر و عمل کے تضاد کا کوئی شائبہ تک نہیں پایا جاتا تھا۔ (الحاج عبدالستار)

(۱۱) الحاج عبد الستار کے مختصر مقالے کے بعد حضرت اقدس مفتی احمد خانپوری دامت برکاتہم نے اپنے تفصیلی مقالہ (جو آگے مِن وعَن آرہا ہے) کو بہت ہی مختصر کر کے سنایا، آپ کے مقالہ کا عنوان تھا ''مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں صاحبؒ کی عظمت و مقبولیت کا راز'' اِس مقالے میں حضرت مولاناؒ کی زندگی کے کئی قابلِ تقلید اوصاف کا ذکر ہے، ایک جگہ مرحوم کے اوصاف کا تذکرہ فرماتے ہوئے کتنی عمدہ بات تحریر فرمائی:

''تفسیر خازن'' میں راسخ فی العلم کی چار علامات بتلائی گئی ہیں: ''اپنے اور

اللہ تعالیٰ کے معاملے میں تقویٰ، اور اپنے اور لوگوں کے معاملے میں تواضع، اور اپنے اور دنیا کے معاملے میں زُہد و بے رغبتی، اور اپنے اور اپنے نفس کے معاملے میں مجاہدہ''۔

حضرت مولاناؒ کی زندگی میں یہ چاروں اوصاف علی وجہ الاتم نظر آتے ہیں، اور اِن ہی اوصاف نے آپ کو شہرت اور مقبولیت اور عظمت ومحبوبیت کے بامِ عروج پر پہنچایا۔

(۱۲) اگر حضرتؒ آج اِس محفل میں ہوتے تو بے چین ہوتے کہ کس طرح میں اِس مجمع کو دعوت دوں اور اسلام کی دعوت اِن کے سینے میں اُتاروں؟ حضرتؒ نے اُمَّتِ مسلمہ کو ہمیشہ اِتحاد کا پیغام دیا، اور خود مسلم پرسنل لا بورڈ کے ذریعے ہندوستان کے ہر مکتبِ فکر کو ایسا جمع فرمایا کہ حکومت اور پوری ہندو لابی کو اپنا فیصلہ بدلنا پڑا، اور لوگوں نے دیکھا کہ ایک درویش کی آواز میں اللہ تعالیٰ نے کیسی قوّت اور تاثیر رکھی ہے۔ (مولانا سلمان ندوی)

(مأخوذ از ماہنامہ ''اذان بلال'' دسمبر ۲۰۰۰ء، جنوری ۲۰۰۱ء، مضمون نگار: مولانا مرغوب احمد لاجپوری زید مجدہم)

چار اہم نکات

(از: مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

سمپوزیم کی آخری نشست میں اختتامی خطاب شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کا ہوا، اور آپ ہی کی دعا پر جلسے کا اختتام ہوا۔

مولانا نے اپنے پُر مغز اور فکر انگیز خطاب میں چند اہم نکات پر روشنی ڈالی

جس کا خلاصۃ الخلاصہ حسبِ ذیل ہے:

(۱) دنیا میں بڑی قد آور شخصیات آتی رہتی ہیں اور رخصت بھی ہوتی رہتی ہیں؛ لیکن ایسی ہستیاں خال خال وجود میں آتی ہیں جو اللہ جَلَّ جَلَالُهٗ کی طرف سے ﴿وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ﴾ کی مظہر ہوں، جن کی محبت عالَمِ اسلام کے ہر گوشے میں، ہر طبقۂ خیال میں اور ہر مسلمان کے شیشۂ دل میں اِس طرح رچی اور بسی ہوئی ہو کہ جیسے کسی عزیز ترین اور مشفق باپ کی محبت انسان کے رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے ہوتی ہے، ایسی شخصیتیں دنیا میں بہت کم ظہور پذیر ہوتی ہیں۔

میرے والد ماجد (حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ) اور حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ کی ملاقاتیں بہت کم ہوئیں؛ لیکن کبھی حضرت مولانا کا ذکر آتا تو والد ماجدؒ ضرور یہ لفظ ارشاد فرماتے کہ ''وہ موفَّق مِن اللہ ہیں''۔

مولانا کی زندگی اور تعلیمات کے چند نکات عرض کرنا چاہتا ہوں:

پہلا نکتہ:

حضرت مولانا قُدِّسَ سِرُّہٗ (اللہ تعالیٰ اُن کے درجات بلند فرمائے) کو اللہ تعالیٰ نے ایسا علم عطا فرمایا تھا جس میں علم کی رُوح: خشیت، اِنابت، تواضع، سادگی، عمل، تقویٰ اور اُمَّت کے لیے تڑپنے کی اُمنگ پوری توانائی کے ساتھ جلوہ گر تھی، آج چار دانگِ عالَم میں حضرت مولانا کا جو فیض پھیلا ہوا نظر آتا ہے اِس کا ذریعہ تنہا حروف و نقوش کا علم نہیں ہے؛ بلکہ یہ اثر پذیری اور قبولیت درحقیقت اُس

سوزِ دَرُوں اور گُداز قلب کا نتیجہ ہے جو رات کی تنہائیوں میں اپنے مالک کے سامنے گڑگڑانے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مولاناؒ کو عطا فرمائی تھی، اور یہ دولت اللہ والوں کی نیازمندانہ صحبت و مَعیَّت کے ذریعے حاصل ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ سارے علوم حاصل کرنے کے بعد اصلاحِ نفس اور تزکیۂ باطن کے لیے وہ حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ، حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ، حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب رائے پوریؒ اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ جیسے بزرگانِ دین اور اکابر اولیاء اللہ کی خدمات میں طالبِ علم کی حیثیت سے حاضر ہوئے، اور اُن سے مسلسل اِکتسابِ فیض کرتے رہے، جس کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے علم کو ایسا صَیقل کیا اور ایسی جِلا بخشی کہ اُس کی روشنی سے سارا عالَم جگمگا اُٹھا، اِس لیے حضرت مولاناؒ کی حیاتِ طیبہ سے ہمیں پہلا سبق یہ ملتا ہے کہ حروف و نقوش پر اِترانے اور علم پر گھمنڈ کرنے کے بہ جائے مجاہدۂ نفس اور اصلاحِ باطن کے لیے کسی اللہ والے کے پاس جانا چاہیے، جب وہ اللہ والا علم کو صَیقل کرتا ہے اور اسے جِلا بخشتا ہے، تب اللہ تعالیٰ ایسے علم کی خوشبو سے ساری دنیا کو مُعطَّر کر دیتا ہے، یہ پہلا سبق ہے جو ہمیں حضرت مولانا کی زندگی سے حاصل ہوا، اور حقیقت یہ ہے کہ یہ بڑے کام کی بات ہے کہ حصولِ علم کے ساتھ اگر کسی اللہ والے سے تعلُّق قائم کر کے نفس اور باطن کا تزکیہ نہ کیا جائے، تو علم میں برکت نہیں ہوتی۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کو اللہ تعالیٰ نے تصوُّف وطریقت کا بھی امام بنایا تھا، یہ بھی ہوسکتا تھا کہ حضرت مولانا اپنے علمِ طریقت کو لے کر کسی

گوشے میں بیٹھ جاتے، اور عالَمِ اسلام کے سُلگتے ہوئے مسائل سے چشم پوشی فرما لیتے؛ لیکن حضرت مولاناؒ نے یہ انداز اختیار نہیں فرمایا، اُن کے دل میں اُمَّت مسلمہ کا دَرد موجزن تھا، اُن کے دل میں ایک ایسی آگ سُلگی ہوئی تھی جو اُنھیں یہ سوچنے اور اِس بات پر غور وفکر کرنے پر مجبور کرتی کہ اُمَّتِ محمدیہ عَلیٰ صَاحِبِهَا الصَّلاۃُ وَالتَّسْلِیْمُ کی صَلاح وفَلاح کا کیا راستہ ہوسکتا ہے؟ اِس فکر اور جامعیَّت کا نتیجہ ہے کہ حضرت مولاناؒ اُمَّت کے اجتماعی مسائل کی طرف ہمہ تن متوجَّہ رہتے تھے، اور پیری مریدی کا جو عام تصوُّر رہے اُن کا عملی میدان اِس سے کہیں زیادہ وسیع اور ہمہ گیر تھا۔

ایک استفسار پر مولانا کا حکیمانہ مشورہ

مَیں اپنے ذاتی معاملات میں حضرت مولانا سے کبھی کبھی مشورہ کرتا تھا، ایک مرتبہ کا واقعہ ہے: جب مَیں پاکستان کی اسلامی نظریاتی کونسل کا رُکن تھا، اور حالات کچھ ایسے پیش آرہے تھے کہ کونسل میں میری طبیعت مطمئن نہیں تھی، مَیں نے اپنے یہ حالات ذکر کر کے حضرت مولاناؒ کو تحریراً مُطَّلع کیا، اور ساتھ یہ بھی لکھا کہ ’’اِس موہُوم اُمید پر کہ کونسل کے ذریعے پاکستان میں اسلامی قوانین کے نِفاذ کی کوشش میں میرا بھی کچھ حصہ لگ جائے، مَیں نے اپنے لکھنے پڑھنے کے کام کا ابھی تک بہت نقصان کیا‘‘۔ اِس پر حضرت مولاناؒ نے اپنے جواب میں لکھا کہ مَیں تمھیں کونسل سے علاحدگی کرنے کا مشورہ نہیں دیتا، تم بہ دستور یہ کام جاری رکھو، پھر معروف صوفی وبزرگ حضرت خواجہ عُبید اللہ احرارؒ کا یہ مَقُولہ لکھا کہ:

اگر شیخی کنم ہیچ پیرے در دنیا مُریدے نیابد	ولیکن مرا کارِ دِگر فرمودہ اَند

یعنی اگر مَیں پیری شروع کردوں اور پیر بن کے بیٹھ جاؤں، تو شاید دنیا میں کسی کو کوئی مرید نہ ملے؛ لیکن مجھے تو اللہ تعالیٰ نے کسی اَور کام کا حکم فرمایا ہے، حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ ''کارِ دِگر'' یہی مطلب تھا کہ حکمرانوں کو صحیح اسلامی شریعت کی طرف لانے کی مُخلِصانہ کوشش کی جائے۔

دوسرا نکتہ:

مولانا ندویؒ کا گروہ بندیوں سے اجتناب

اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ نے جن سعید رُوحوں کو اِس حقیقت کا اعتراف اور سمجھ عطا فرمائی ہے، اُن میں حضرت مولاناؒ کا نامِ نامی سرِ فہرست ہے، کوئی گروہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ صرف ہمارے تھے، اور ہر گروہ یہ کہتا ہے کہ وہ ہم میں سے تھے، یہ اِس لیے کہ حضرت مولاناؒ اِس حقیقت سے آشنا تھے کہ سب کی منزل اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی رَضا ہے، اُس رَضا کے حصول کے راستے مختلف ہو سکتے ہیں، اگر کسی نے ایک راستہ اختیار کیا تو وہ میرا ہی ہے، کسی نے دوسرا راستہ اختیار کیا تو وہ بھی میرا ہی ہے، محض اِس وجہ سے کہ کسی نے دوسرا راستہ اختیار کرلیا مَیں اُسے پَرایا نہیں کہہ سکتا، یہی وجہ ہے کہ اُن کی ہمدردی، محبت اور تعاوُن ہر ایک سے تھا، اور کسی ایک گروہ سے باضابطہ تعلُّق ایسا نہیں تھا کہ دوسروں کو وہ غیر سمجھنے لگ گئے ہوں، یہ حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کی عمر بھر کا طریقہ رہا، وقتی طور پر مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر بھی بنے، اور اِس کے تحت عظیم خدمات بھی انجام دیں؛ لیکن مستقل طور پر کسی ایک جماعت سے وابستہ

کر کے اپنے آپ کو دوسری جماعتوں سے کاٹ لینے کا طریقہ حضرت مولاناؒ نے کبھی نہیں اَپنایا، اِسی کی برکت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولاناؒ کو ہر طبقے میں مقبولیت عطا فرمائی، اور اِسی ہمہ گیری کی صفت اور وُسعتِ قلبی کا اثر ہے کہ جب کبھی مسلمانوں میں کوئی اختلاف رُونما ہوتا یا نزاع پیدا ہوتا، تو حضرت مولاناؒ کا دردمند دل اُس سے متأثّر ہوتا، اور ایسے اختلاف کے موقع پر صلح صفائی کے لیے جن مقبول شخصیات کے نام لیے جاتے تھے اُن میں حضرت مولاناؒ کا اسمِ گرامی سرِ فہرست ہوتا؛ کیوں کہ مولاناؒ کی ذات ایسی تھی کہ اختلافات دُور کرنے اور مختلف حلقوں کے درمیان مُصالحت کرانے میں اُس سے مدد لی جاسکتی تھی؛ مگر آج قحط الرجال کا عالَم یہ ہے کہ مَیں وہی جملہ عرض کروں گا جو خود مولاناؒ نے معمولی تصرُّف کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا تھا: ''ردۃ و لا أبابکر لھا'' آج مَیں یہ فِقرہ اپنی اصل صورت میں دُہراتا ہوں کہ ''قضیة و لا أبا حسن لھا''.

تیسرا نکتہ:

تیسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولاناؒ کی ذات میں حق گوئی و بے باکی کے ساتھ حکمت و خیر خواہی کو جمع فرمایا تھا، اور اِن دونوں باتوں کے درمیان اللہ تعالیٰ نے اُنھیں اِمتزاج پیدا کرنے اور توازن و اعتدال برقرار رکھنے کا عجیب و غریب سلیقہ بخشا تھا، ایک طرف یہ بات کہ جہاں کلمۂ حق کہنا ضروری ہو وہاں کلمۂ حق کہنا ہے، دوسری طرف اُس کلمۂ حق کے ذریعے کوئی فتنہ بھی پیدا نہیں کرنا، آپ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی تقریر یا تحریر کا مطالعہ کرلیجیے، یہ

تینوں باتیں ایسی نمایاں نظر آئیں گی کہ شاید ہی کہیں اَور نظر آئیں، اللہ تعالیٰ نے اُنھیں حق بات حق نیت کے ساتھ حق طریقے کے مطابق کہنے اور لکھنے کی توفیقِ خاص عطا فرمائی تھی۔

چوتھا نکتہ:

جو اِس مختصر وقت میں آپ حضرات سے بیان کرنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا کو جس سلامتِ فکری اور دُھلے ہوئے پاکیزہ خیالات سے نوازا تھا، اُس کا ایک مظہر یہ ہے کہ ساری دنیا جانتی ہے کہ حضرت مولاناؒ عصرِ حاضر میں ایک عظیم داعیٔ دین اور مُصلح بن کر اُبھرے، ماضی قریب میں آپ داعیوں اور مصلحین کی فہرست پر اگر نظر ڈال کر دیکھیں، تو بہت سے لوگوں میں یہ بات نظر آئے گی کہ وہ ایک طوفانی جھونکے کی طرح اچانک اُبھرے، بہت سے لوگوں کو اپنی طرف کھینچا اور اپنا دیوانہ و مُسخّر کرلیا؛ لیکن اِس اچانک تسخیر کا نتیجہ یہ سامنے آیا کہ عام، جمہورِ اُمّت سے ہٹ کر ایک نیا فرقہ اور طبقہ وجود میں آ گیا، ماضی قریب میں آپ کو اِس کی ایک سے زیادہ مثالیں ملیں گی، اللہ تعالیٰ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے درجات بلند فرمائے، اُن کے بارے میں کوئی شخص اِس بات سے انکار نہیں کرسکتا کہ ماضی قریب میں اُن کا نام داعیانِ حق میں سرِ فہرست تھا، اور اُنھوں نے جو دعوت دی وہ ہمہ گیر اور انقلابی دعوت تھی، الحمد للہ اُس دعوت نے عرب وعجم پر اپنے گہرے اثرات مرتَّب کیے؛ لیکن حضرت مولاناؒ نے اپنی دعوت کو کسی بھی مرحلے پر کسی ایسے نظریے سے وابستہ نہیں کیا جو جمہور عُلمائے اُمّت سے

ہٹا ہوا ہو، وہ ہمیشہ جمہور اُمّت کے راستے پر گامزن رہے۔

(مأخوذ از ماہنامہ البلاغ کراچی شعبان ۱۴۲۱ھ)

ہم اگر اُن کی حیاتِ طیّبہ سے اِستفادہ کرنا چاہیں تو اِن اہم نِکات کو حرزِ جان بنانا ہوگا، اللہ تعالیٰ ہمیں اِن نکات پر عمل پیرا ہونے اور حضرت مولانا کے مِشن کو آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین (مولانا محمد تقی عثمانی)

مفکّرِ اسلام حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ اور حضرت اقدس مفتی احمد صاحب مدظلہ کے مابین مراسم

حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم کو اپنے دَور کے تمام اکابر سے عقیدت و محبت کا تعلُّق رہا ہے، حضرت مولانا ابوالحسن علی میاںؒ سے عقیدت کا پہلا سبب اُن کی مؤثّر اور دل آویز تصانیف ہیں، مفتی صاحب نے جب سے لکھنا پڑھنا سیکھا اُسی وقت سے مولانا کی کئی تصانیف کا بڑے ذوق وشوق سے مطالعہ فرمانا شروع کر دیا تھا؛ لیکن ایک ایسی تقریب پیش آئی جس نے مفتی صاحب کو حضرت کی خدمت میں عریضہ تحریر کرنے پر مجبور کر دیا، اور وہ یہ کہ حضرت کی تصنیف ''دستورِ حیات'' کا مطالعہ فرمایا، مطالعہ کر کے بڑے متأثر ہوئے اور اپنے دلی جذبات وتأثُّرات قرطاسِ قلم پر بہ ایں الفاظ ظاہر کر دیے:

باسمہ تعالیٰ

از احمد خانپوری

مدرس جامعہ اسلامیہ ڈابھیل

مخدومنا المحترم حضرت اقدس مولانا سید ابوالحسن علی صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم و رحمة الله و برکاته

خدا کرے آپ بہ عافیت وسلامت ہوں، احقر اپنے دَورِ طُفولیت سے ہی حضرت والا کی تصانیف کا گرویدہ اور شوقین ہے، خصوصاً سیرتِ سید احمد شہیدؒ اور تاریخِ دعوت وعزیمت، سوانح حضرت مولانا محمد الیاسؒ، سوانح حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ وغیرہ کتابیں بار بار پڑھتا ہوں، اور آج بھی اُن کا مطالعہ تازگی بخش ثابت ہوتا ہے، آج ہی حضرتِ والا کی تازہ تصنیف ''دستورِ حیات'' ایک دوست کے پاس دیکھی، کتاب کے ٹائٹل پر اُس کے مضامین کا جو خاکہ دیکھا تو اندازہ لگایا کہ اُن ہی مذکورہ اُمور کو جدید اُسلوب میں پیش فرمایا ہوگا، کتاب کھولی، آپ کا مقدّمہ پڑھا، اُس کے بعد کتاب کا پہلا عنوان: ''دینِ اسلام کا مزاج اور اُس کی نمایاں خصوصیات'' (تاص: ۵۸) پڑھا، پڑھتا گیا اور لُطف لیتا گیا، پڑھتے وقت طبیعت کا عجیب حال تھا، حضرت والا نے مُثبَت انداز میں جو باتیں بیان فرمائی ہیں، واقعہ یہ ہے کہ دَورِ حاضر میں جدید تعلیم یافتہ حضرات کو متأثّر کرنے والی بعض تحریکیں جو چلی ہیں، اگر آپ کا یہ مضمون کوئی شخص پڑھ لے تو اُن تمام غلط تحریکوں کا بہترین جواب ہے، اگر کتاب کا یہ حصہ مزید تفصیل وتشریح کے

ساتھ ایک کتابچے کی شکل میں بھی شائع ہو جاتا تو بہت بہتر ہوتا، اِس کی اشاعت بھی زیادہ مقدار میں ہوتی اور اہلِ نظر وفکر کے لیے واقعۃً مشعلِ راہ کا کام دیتا، اِس مضمون کے پہلے پانچ نمبر میں آپ نے دِینی مزاج کی روح کھینچ کر بھر دی ہے، احقر نے بھی اپنے ذوق کے مطابق دِینی لٹریچر کا مطالعہ کیا ہے اور کرتا رہتا ہوں، یہ باتیں یکجا کہیں نظر نہیں آئیں، اُن کا استنباط آپ ہی کا حصہ ہے۔ **فجزاکم الله تعالیٰ عن الاسلام و جمیع المسلمین احسن الجزاء.**

بیعتِ عَقبۂ ثانیہ کے واقعے سے آپ نے جو استنباط فرمایا ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے، اُس کو پڑھ کر رُوح پھڑک اُٹھی، اور آخر میں اِس عنوان کا آخری پیرا اور اُس کا بھی آخری حصہ ''اِسی کے ذریعے ہم ہر دَور میں حق و باطل کی آویزش نیز آمیزش میں (جو بعض اوقات آویزش سے بھی زیادہ خطرناک ہوتی ہے) دینِ صحیح کی صراطِ مستقیم پر قائم بھی رہ سکتے ہیں، اور اُس کی خدمت وحفاظت کی سعادت و توفیق بھی حاصل کر سکتے ہیں'' پڑھ کر قلب پر مسرت کی عجیب کیفیت طاری ہوئی، حضرات والا کی خدمت میں کبھی عریضہ لکھنے کی نوبت نہیں آئی؛ لیکن مذکور کتاب کا مذکورہ حصہ پڑھ کر اپنے جذبات وتأثُّرات کے اظہار کے لیے بے اختیار قلم وکاغذ لے کر بیٹھ گیا۔

حضرت والا کی خدمت میں ایک دل کی بات عرض کرتا ہوں جو بار بار دل میں گردش کرتی رہتی ہے، وہ یہ کہ دَورِ حاضر میں مسلمانوں میں اِس قِسم کا دِینی مزاج پیدا کرنے کی کیا صورت ہوگی؟ اور اِس کے لیے دَورِ حاضر کے عُلَما کس نہج

پر کام شروع کریں؟ اِس سلسلے میں مختصر ہدایت نامہ کے طور پر آپ کچھ تحریر فرمائیں؛ نیز عُلَما میں خدمتِ اسلام اور دِین کی جِدّ جُہد کے لیے مَر مِٹنے کا بے مثال جذبہ کس طرح پیدا ہو؟

احقر نے اپنے دلی جذبات وتأثُّرات کو بے ہنگم طریقے سے حضرت والا کی خدمت میں پیش کیا ہے؛ ممکن ہے اِس میں کوئی گستاخی کا جملہ ہو، اگر آپ ایسا محسوس فرمائیں تو اُس کے لیے مُعافی چاہتا ہوں، اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی شخصیت کو دِین وملّت کی خدمت کے لیے تا دیر زندہ وسلامت رکھے، اور اپنے لیے بھی حضرتِ والا سے دعا کی عاجزانہ درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ حقیقی معنیٰ میں اخلاص کے ساتھ دین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

مقصودِ عریضہ صرف جذبات وتأثُّرات کا اظہار تھا؛ اِس لیے جوابی خط نہیں بھیج رہا ہوں، دعا کی مکرَّر درخواست ہے۔ والسلام۔

العبد احمد عفی عنہ خانپوری

خادم تدریس وناظم تعلیمات جامعہ اسلامیہ ڈابھیل

۱۴۰۳/۱۲/۱۶ھ، ۸۳/۹/۲۴ء

مکتوبِ بالا سے مولانا کی عظمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، مکتوب کا لفظ بہ لفظ پڑھنے کے قابل ہے، مفتی صاحب کی شرافتِ نفس، عُلوِّ فطرت اور لطیف جذبات واحساسات کا بولتا ثبوت ہے۔

اِسی محبت کا ردِّ عمل سمجھنا چاہیے کہ ایک موقع پر ہندوستانی اسلام دشمن لابی

نے حضرت مولانا علی میاںؒ کو بد نام کرنے اور اُن کی کردار کُشی کے لئے ایک خطرناک مُہم چلائی، تو مفتی صاحب نے ''مجلسِ تحفُّظِ مدارس'' کے پلیٹ فارم سے بہ ایں الفاظ تردید فرمائی:

''مفکّرِ اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی صاحب دامت برکاتہم کی شخصیت اِس وقت اسلافِ کرام کا پاکیزہ نمونہ اور عُلمائے سلَف کی زندہ تصویر ہے، ہندوستان اور برِّصغیر ہی نہیں؛ بلکہ پورے عالمِ اسلام میں آپ کا مقام ومرتبہ مُسلَّم اور آپ کا وجود مُغتَنَم ہے، آپ کی خدمات کا دائرہ ملک وملَّت، علم وادب، تصوُّف وسلوک، نظم وانتظام، تحریر وتقریر، تعلیم وتبلیغ، دعوت وارشاد کے مختلف میدانوں میں پھیلا ہوا ہے، عرب وعجم، ایشیا ویورپ نے آپ کے کمالات واوصاف کا لوہا مانا ہے، آپ کے لیے اظہارِ حق کی راہ میں کبھی حکومت وسطوَت اور منصب رُکاوٹ نہ ڈال سکے۔

گذشتہ دنوں ہندوستانی مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے اسلام دشمن لابی کی طرف سے جو پروگرام شروع کیا گیا تھا، اُس کے خلاف دِینی تصلُّب سے کام لے کر اُمَّتِ مسلمۂ ہندیہ کی جو رہنمائی فرمائی، اُس سے بھُنّا کر اُس لابی نے آپ کی کردار کُشی کے لیے ایک مستقل مُہم چلائی، اُس کا ایک حصہ وہ جھوٹی خبر ہے جو میڈیا کی وِساطت سے آپ کے متعلّق پھیلائی گئی، اِس کی ابتداء دہلی کے اخبار ''جنتا'' نے کی، اور اِسی کا چَربہ گجرات کے روزناموں نے اُتار کر غیر مسلموں کے ساتھ بہت سے مسلمانوں کے قلوب میں بدگمانی کا بیج بویا، اِس

سازش کا ایک مقصد قومی مُنافرت پھیلانا بھی تھا، حالاں کہ آپ نے پیامِ انسانیت کے اسٹیج سے قومی یک جہتی کا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔

''مجلسِ تحفُّظِ مدارس'' کا آج کا یہ اجلاس میڈیا کی اِس شرارت پر اپنے غم وغصہ کا اظہار کرتا ہے، اور اربابِ حکومت کے ساتھ سیکولر ذہن کے برادرانِ وطن سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اِس نوع کی شرارتوں کو پنپنے کا موقعہ نہ دیں''۔

۱۴۱۶ھ میں مفتی صاحب کا آپریشن ہوا، مولانا کی خدمت میں حسبِ معمول دعا کے لیے عریضہ ارسال فرمایا، جس کا جواب آیا:

باسمہ تعالیٰ

لکھنؤ: ۱/ ۷/ ۱۴۱۶ھ

فاضلِ گرامی قدر جناب مفتی صاحب! زادہ توفیقاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا مکتوب مؤرخہ ۲۹/ ذی الاخریٰ موصول ہوا، اُمید ہے کہ آپریشن بہ خیر وخوبی کامیابی کے مرحلے سے گذر چکا ہوگا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحّت، سلامتی اور تندرستی عطا فرمائے، اور زیادہ سے زیادہ اپنی مرضی کا کام لے۔

ہم چوں کہ اِس مرحلے سے گذر چکے ہیں؛ اِس لیے اِس راہ کی دشواریوں اور نزاکتوں سے واقف ہیں، آپریشن کے بعد کی کیفیت سے بھی مطّلع کریں گے؛ تاکہ تشویش وتردُّد دُور ہو جائے۔ والسلام۔

مخلص: ابوالحسن علی ندوی

دن بہ دن یہ تعلُّقِ محبت بڑھتا رہا، اور جیسا کہ محبت کا قاعدہ ہے کہ وہ حصولِ قُرب کے لیے کوئی نہ کوئی تقریب پیدا کر ہی لیتی ہے۔

۱۹۹۵ء میں ''آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ'' کا بارہواں اجلاس احمد آباد میں طے ہوا، اجلاس کی ''مجلسِ استقبالیہ'' کی صدارت کے لیے حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ اور حضرت مفتی عبدالرحیم لاجپوری صاحبؒ کی نظرِ انتخاب نے آپ کو منتخب فرمایا (جس کا ذکر خود حضرت مفتی صاحب مدظلہ کی تحریر میں آگے آرہا ہے) اِس اجلاس کے لیے ''خطبۂ استقبالیہ'' بھی تحریر فرمایا، اجلاس اور خطبہ دونوں ذمّے داری کو آپ نے خوب اچھی طرح نبھایا، واقعہ یہ ہے کہ اجلاس اور خطبے کی مقبولیت کے پسِ پردہ دو عظیم الشان سادات بزرگ (حضرت سید مولانا علی میاں اور حضرت مفتی سید عبدالرحیم لاجپوریؒ) کی دعا و توجُّہ شاملِ حال تھی۔

حضرت سید مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ نے ہمت اَفزائی پر مشتمل ایک تحریر مفتی صاحب مدظلہ کے نام تحریر فرمائی:

باسمہ تعالیٰ

محترم المقام حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب مدظلہم

السلام علیکم و رحمة الله و برکاته

بعد سلام مسنون! مزاج گرامی بہ خیر ہوگا، عرض ایں کہ ''مسلم پرسنل لا بورڈ'' کے اجلاس کے لیے ایک پیغام اِرسال کیا ہے، اِس کی فوٹو کاپی آپ کی خدمت میں ارسال ہے، آپ نے خطبۂ استقبالیہ تیار فرما لیا ہوگا، اللہ پاک غیب

سے باتیں اِلقاء فرمائیں اور مدد فرمائیں، دعا کرتا ہوں: اللہ پاک آپ کی خوب لاج رکھے اور خوب خوب مدد فرمائے، اجلاس کو ہر اعتبار سے کامیاب فرمائیں، دعاؤں میں فراموش نہ فرمائیں۔ فقط والسلام۔

(بحکم حضرت اقدس حضرت مفتی عبد الرحیم صاحب لاجپوری مدظلہ)

سامعین نے خطبۂ استقبالیہ کو خوب خوب پسند کیا، بعض اربابِ بصیرت نے اجلاس کا ''لُبِّ لُباب'' قرار دیا۔

یہ خطبۂ استقبالیہ ماہنامہ الفرقان (دسمبر ۱۹۹۵ء) میں ''اسلام کا مستقبل یقیناً روشن ہے؛ مگر ہمارا مستقبل؟'' کے عنوان سے زیورِ طبع سے آراستہ ہے، اُس کے شروع میں بہ طورِ تعارُف مدیرِ رسالہ مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی مدظلہ رقم طراز ہیں:

گجرات کے تاریخی شہر احمد آباد میں ۷/ ۸/ اکتوبر ۹۵ء کو ''مسلم پرسنل لا بورڈ'' کا بارہواں اجلاس منعقد ہوا تھا، اجلاس کی ''مجلسِ استقبالیہ'' کے صدر حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب مدظلہ (صدر مفتی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل) تھے، جو نہ صرف صوبہ گجرات؛ بلکہ ملک کے بالغ نظر اور فقیہ النفس اہلِ علم میں ممتاز مقام رکھتے ہیں، اُنھوں نے جو خطبۂ استقبالیہ پیش کیا وہ اکثر حاضرین کے خیال میں پورے اجلاس کا حاصل تھا، اور اُسے ملّتِ اسلامیہ کے نام ''مسلم پرسنل لا بورڈ'' کے پیغام کی حیثیت دی جاسکتی ہے۔

ذیل میں ہم اپنے قارئین کے لیے وہ خطبۂ استقبالیہ بعینہ پیش کر رہے ہیں، اِس خطبے کے لیے؛ نیز اجلاس کے شاندار انتظامات کے لیے ہم مولانا محترم کو

اور اُن کے توسُّط سے تمام ارکانِ استقبالیہ کو مبارک باد بھی پیش کرتے ہیں۔

مدیر: خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی

۲۰۰۰ء میں مفکرِ اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ کے وصال کے بعد ڈیوز بری کے سمپوزیم کے لیے مفتی صاحب نے ''مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ کی عظمت ومقبولیت کا راز'' کے نام مقالہ پیش فرمایا تھا، جو درحقیقت ''درحدیثِ دیگراں'' یا ''درحدیثِ علی میاں'' پر مشتمل ہے، مقالہ نہایت ہی اہم ہے، مادّیت اور زَرق و برق کے اِس دَور میں علمِ دین سے وابستہ حضرات کو اِس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے، یہ مقالہ چند سال قبل ''فرید بک ڈپو دہلی'' سے طبع ہوا تھا، عرصۂ دراز سے یہ گوہرِ نایاب دستیاب نہیں تھا، بہ الفاظِ دیگر مقبولیت کا یہ راز صیغۂ راز میں تھا، ضرورت تھی کہ اِس کو منصّۂ شہود پر لاکر اُس کا اِفادہ تمام کیا جائے، اللہ تعالیٰ ''ادارۃ الصدیق ڈابھیل'' کے ذمّے داران کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ اُنھوں نے اِس کی طرف توجُّہ فرما کر اُس کو حیاتِ نو بخشی۔

فجزاهم الله عني و عن سائر أرباب المحبة.

عبدالقیوم راجکوٹی

معین مفتی دارالافتاء جامعہ اسلامیہ ڈابھیل گجرات

۲۳/ رجب المرجب ۱۴۳۲ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائیہ

آج کی مجلس جس میں وقت کے بڑے بڑے عُلَما اور اصحابِ قلم حضرات رونق افروز ہیں، مجھ جیسے بے بِضاعت طالبِ علم کا اِن سُطور کو پڑھنا اِن حضرات عُلَما کی شان میں بے ادبی اور گستاخی کے ساتھ اِس بابرکت وعظمت مجلس کی ناقدری وتوہین کے مُترادِف ہے؛ لیکن اِس مجلس کے داعی محترم جناب الحاج ظفر بھائی کے تعلُّق ومحبت نے اِس کے لیے مجھے مجبور کیا، اِنھوں نے جب از راہِ کرم وذرَّہ نوازی مجھے اِس میں شرکت کی دعوت پیش کی تو مَیں نے صاف صاف بتلادیا کہ مجھے مضمون نگاری اور مقالہ نویسی سے کوئی مناسبت نہیں، نہ اِس لائن کا آدمی ہوں؛ اِس لیے آپ مجھے اِس شرکت سے معذور رکھیں؛ مگر اُن کو جو تعلُّق ومحبت احقر کے ساتھ ہے جس کی بنیاد بھی ایک اعتبار سے حضرتؒ کی ذات بابرکات ہی ہے۔

مسلم پرسنل لا بورڈ کا بارہواں اجلاسِ عام ''احمد آباد'' میں منعقد کرنا جب تجویز ہوا تو اُس اجلاس کے لیے زمین تیار کرنے کے لیے حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب مدظلہم احمد آباد تشریف لے گئے، اُس موقع پر ایک مجلس میں ''مجلسِ استقبالیہ'' کی صدارت کے لیے قحطُ الرجال کے نتیجے میں احقر کا نام پیش فرمایا، جس کو مجلس میں موجود تمام احباب نے منظور فرمالیا، اُس مجلس میں احقر خود موجود نہیں تھا، بعد میں جب مختلف ذرائع سے اِس کا علم ہوا تو اِس بارِ گراں کے تحمُّل سے اپنے ضعف وناتوانی، اور اِس ذمَّے داری کی ادائیگی سے اپنی نااہلی کی بنا پر

احقر نے صاف معذرت وانکار کیا؛ لیکن احقر کی یہ معذرت قبول نہ ہوئی، اور حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب نقویؒ (سابق ناظم کتب خانہ ندوۃ العلماء اور متعمد خصوصی حضرت مولاناؒ) کے ایماء پر خود حضرت مولانا نے اِس خدمت وذمّے داری کے قبول کرنے اور انجام دینے کے لیے ایک گرامی نامہ اَحقر کے نام اِرسال فرما کر عزت افزائی فرمائی، مزید برآں احقر کے مُربِّی وسرپرست حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب دامت برکاتہم کے نام ایک گرامی نامہ تحریر فرما کر اُن سے گذارش کی کہ وہ مجھے اِس کا حکم دیں، چنانچہ اِن ہر دو اکابر کے ارشاد کے بعد تو میرے لیے تعمیلِ ارشاد کے سِوا کوئی چارۂ کار نہ تھا۔

اِس ذمّے داری سے سبکدوشی میں جن حضرات نے احقر کا بھرپور تعاون کیا اُن میں محترم الحاج ظفر بھائی بھی ہیں کہ اِنھوں نے اُس زمانے میں حضرتؒ کے ساتھ اپنی محبت وعقیدت اور تعلُّق کا پورا پورا حق ادا کیا، اُسی زمانے سے یہ محبت وعنایت کا معاملہ احقر کے ساتھ برابر فرماتے چلے آرہے ہیں، اور آج کی اِس مجلس کا انعقاد بھی اِن کی حضرتؒ کے ساتھ محبت وعقیدت اور تعلُّق ہی کا نتیجہ ہے، ہمارے جس تعلُّق محبت کی ابتدا حضرتؒ کی نسبت پر ہوئی تھی اُسی تعلُّقِ محبت کی مناسَبت سے اُن کی طرف سے بہ اِصرار پیش کی جانے والی اِس دعوت نے آخر مجھے اِس گستاخی کا موقع فراہم کیا ہے:

امیدست کے بیگانگیٔ عرفی را	بہ دوستی سخنہائے آشنا بخشند

یہ موضوع کیوں منتخب ہوا؟

محترم داعی صاحب کے اصرار پر جب احقر نے یہاں حاضری کا قصد کرلیا تو اب یہ فکر لاحق ہوئی کہ حضرت مولاناؒ جیسی ظاہری وباطنی اوصاف وکمالات کی حامل وجامع، عظیم المرتبت، ہمہ جہتی اور تاریخ ساز شخصیت پر مَیں کیا پیش کروں؟ جب کہ مجھے حضرتؒ کی خدمت میں رہنے کا بھی موقع مُیسَّر نہیں آیا، خصوصاً جب کہ مضمون نگاری یا مقالہ نویسی کے کوچے سے بھی نابلد ہوں، بڑے شش وپنج اور کشمکش کے بعد اِس نتیجے پر پہنچا کہ حضرت کے بے شمار اوصاف اور کمالات میں سے چند ایسی چیزیں پیش کروں جس کی طرف اِس دَورِ مادِّیت میں اہلِ علم کو خصوصی توجُّہ دینے کی ضرورت ہے کہ کسی بھی بزرگ وعظیم شخصیت کے انسانی اخلاق، علمی وعملی کمالات، تعلیم وتدریس یا تصنیف، مُعاصِرین کے ساتھ تعلُّقات، روز مرَّہ کے معمولات، اُن کی وسیعُ النَّظری، وسیع القلبی، حقیقت پسندی، اسلام کے لیے فکرمندی اور اہل اسلام کے لیے دردمندی ہی وہ قابلِ تقلید وقابلِ اتِّباع اُمور ہیں، جن کو علمی وفکری ذوق رکھنے والا متجسِّس طبقہ اُن کی زندگی میں تلاش کرتا ہے؛ تاکہ اُن کو اُن بزرگ کے کمالات، اُن کی جامعیت، اُن کے علمی وتصنیفی مرتبہ، اُن کی اخلاقی بلندی، اُن کی دینی کوششوں اور تعلیمی اداروں سے گہرے تعلق، فکرمندی ودل سوزی، علومِ دینیہ، عقائدِ حقَّہ اور مسلکِ حق کی اشاعت سے دلی شغف، مسلمانوں کے حال اور مستقبل کی فکر اور انابت ورجوع الی اللہ، اور اتباعِ شریعت وسنت کی دعوت اور اِس کے لیے جدَّ وجُہد کا اندازہ ہو، اور

اُن میں عمل کا جذبہ بیدار ہو، اپنی خامیوں اور کمزوریوں کا احساس ہو، ہمت میں بلندی، قلب ونظر میں وسعت اور وقت کی قیمت اور زندگی کی کوتاہی کو شعور، عمل نافع اور باقیات صالحات کے ذخیرے کا شوق اور آرزو پیدا ہو۔

حضرتؒ کے ظاہری و باطنی اوصاف، علمی و عملی کمالات، دعوتی و تصنیفی اور تحریری وتقریری کارناموں کی فہرست تو بڑی طویل ہے:

از فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم	کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

لیکن آج اہلِ علم کو اپنی علمی و دینی، تعلیمی وتبلیغی سرگرمیوں کی انجام دہی کے لیے جس اخلاص وللّٰہیت، حیاتِ قلبی وحرارتِ باطنی کی اَشد ضرورت ہے، اور جس کے بغیر دِین کی کوئی گاڑی چلتی نہیں ہے، اُس کے حصول کی طرف سے جو غفلت و بےتوجُّہی برتی جارہی ہے، اور اُس کے ساتھ تساہُل وتجاہُل کا جو معاملہ کیا جارہا ہے اُس نے ہماری اُن خدمات ومَساعی کو بے روح بنا کر رکھ دیا ہے، یہ حرارتِ باطنی: تعلق مع اللہ، عشقِ رسول ﷺ، لقائے رب اور جنت کا شوق، ایمان کی قوت اور حق بات کہنے کی جُرأت کا نام ہے، اِس کے لیے ضروری ہے کہ آدمی تقویٰ وطہارت، زہد وتوکل، تواضع و بےنفسی، دنیا سے بے رغبتی، آخرت کی رغبت جیسی صفات سے آراستہ ہو۔

ظلم، تکبُّر اور غرور سے ڈر معلوم ہونے لگا

حضرت مولاناؒ جس خاندان سے تعلُّق رکھتے تھے، اور جس گھرانے میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی، اور جس ماں کی آغوشِ تربیت میں آپ نے

پرورش پائی، اُس کا قدرتی نتیجہ ہوتا ہے کہ آپ اُن صفات سے بھی بہرہ ور ہوں، والدہ محترمہ کی تربیت ونگرانی کے سلسلے میں خود حضرتؒ تحریر فرماتے ہیں:

''گھر میں کسی بڑے مرد کے نہ ہونے کی وجہ سے والدہ صاحبہ ہی میری نگرانی، اخلاقی ودینی تربیت کی ذمّے دار تھیں، مجھے قرآن کی بڑی بڑی سورتیں اُنھوں نے اُسی زمانے میں یاد کرائیں، باوجود اِس کے کہ اُن کی شفقت خاندان میں ضرب المثَل تھی، اور والد صاحب کے انتقال کی وجہ سے وہ میری دل داری اور ایک حد تک ناز برداری قدرتاً دوسری ماؤں سے زیادہ کرتی تھیں؛ لیکن دو باتوں میں بہت سخت تھیں: ایک تو نماز کے بارے میں مطلقاً تساہُل نہیں برتتی تھیں، مَیں عشاء کی نماز پڑھے بغیر کبھی سو گیا، خواہ کتنی ہی گہری نیند ہو، اُٹھا کر نماز پڑھواتیں، اور نماز پڑھے بغیر ہرگز نہ سونے دیتیں، اِسی طرح فجر کی نماز کے وقت جگا دیتیں اور مسجد بھیجتیں، اور پھر قرآن مجید کی تلاوت کے لیے بیٹھا دیتیں۔ دوسری بات -جس میں وہ قطعاً رعایت نہ کرتیں، اور اُس میں اُن کی غیر معمولی محبت وشفقت حارج نہ ہوتی- یہ تھی کہ اگر مَیں خادم کے لڑکے یا کام کاج کرنے والے غریب بچوں کے ساتھ کوئی زیادتی، ناانصافی کرتا، یا حقارت اور غرور کے ساتھ پیش آتا، تو وہ نہ صرف مجھ سے مُعافی منگواتیں؛ بلکہ ہاتھ تک جُڑواتیں، اُس میں کتنی ہی اپنی ذلّت اور خِفَّت محسوس ہوتی؛ مگر وہ اُس کے بغیر نہ مانتیں، اِس کا مجھے اپنی زندگی میں بہت فائدہ پہنچا، اور ظلم وتکبُّر وغرور سے ڈر معلوم ہونے لگا، اور دل آزاری اور دوسروں کی تذلیل کو کبیرہ گناہ سمجھنے لگا، اِس کی وجہ سے مجھے اپنی غلطی کا اقرار کر لینا

ہمیشہ آسان معلوم ہوا''۔

بیٹا! یہ تمھارے کھانے کا نہیں

والدہ صاحبہ کی تربیت کے اِس انداز کا ذکر کرتے ہوئے ایک تجرَ بے اور مشورے کے طور پر اِس کا بھی ذکر کر دینے کو جی چاہتا ہے کہ بچوں کی مذہبی و اخلاقی اُٹھان اور اُن کے اِس قابل ہونے میں کہ اللہ تعالیٰ اُن سے اپنے دین کی کوئی خدمت لے یا قبولیت عطا فرمائے، دو چیزوں کا بڑا دَخل ہے: ایک کہ (وہ اپنی عمر کے مطابق) ظلم اور دل آزاری سے محفوظ رہیں، اور کسی دُکھے دل کی آہ یا مظلوم کی کَراہ اُن کے مستقبل پر اثر نہ ڈالے، دوسرے یہ کہ اُن کی غذا غَصَب و حرام اور مشتبہ مال سے پاک رہے، بہ ظاہر اللہ تعالیٰ نے اِس عاجز کے ساتھ اِن دونوں چیزوں کا انتظام فرمایا، میرا ددیہال جائداد و اَملاک اور مُشترک مال و حقوق سے عرصے سے محفوظ تھا، والد صاحب کی آمدنی خالص طِبّی پیشے کی رہینِ مِنَّت تھی، ویسے بھی اللہ تعالیٰ نے نہ صرف مشتبہ مشکوک مال سے بچایا؛ بلکہ بدعات ورُسوم کے کھانوں سے بھی، اِس سلسلے میں ایک واقعہ یاد آ گیا: مَیں اپنے گھر کی ایک بڑی بوڑھی اَنَّا کے ساتھ- جو پڑھی لکھی نہ تھیں- اپنی پھوپھی کے پاس ''خالص ہاٹ'' (رائے بریلی کا ایک محلّہ) جا رہا تھا، راستے میں کہیں غریبوں کو کھانا کھلایا جا رہا تھا (جو چالیسویں یا صدقے کا کھانا تھا) بڑی بی نے -جن کے ساتھ مَیں جا رہا تھا- وہ کھانا لیا اور وہیں بیٹھ کر کھانے لگیں، مَیں بچہ تھا، میرے بھی منھ میں پانی بھر آیا، مَیں نے بھی شرکت کرنا چاہی، اُنھوں نے کہا: بیٹا! یہ تمھارے کھانے کا نہیں، اور اُنھوں نے

مجھے کھانے نہیں دیا، یہ غالباً گھر کے ماحول اور احتیاط کی اُس فضا کا نتیجہ تھا جس کو وہ دیکھا کرتی ہوں گی۔

بچپن کی دل چسپی

''اُسی زمانے میں ہمارے خاندان میں ایک بڑا اچھا دستور تھا کہ جہاں کوئی ایسا غم ناک واقعہ پیش آتا، دل دُکھے ہوئے ہوتے یا کوئی پریشانی کی بات ہوتی، تو ''صمصام الاسلام'' سنی جاتی، یہ مشہور مؤرِّخ واقدیؒ کی مشہور کتاب ''فتوح الشام'' کا پچیس ہزار اشعار میں ترجَمہ ہے، یہ ترجَمہ اور نظم ہمارے ہی خاندان کے ایک بزرگ، میرے والد صاحب کے حقیقی پھوپھا منشی سید عبدالرزاق صاحب کلامی کی لکھی ہوئی ہے، جوش وخروش سے بھری ہوئی، درد واثر میں ڈوبی ہوئی، جنگ کا نقشہ ایسا کھینچتے کہ دل جوش میں اُچھلنے لگتے ہیں اور نبض تیز ہوجاتی ہے، شہادت کا ذکر اِس طرح کرتے ہیں کہ خود راہِ خدا میں جان دینے کے لیے دل بے تاب ہوجاتا ہے، اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور مجاہدین کے غم کے سامنے آدمی اپنا غم بھول جاتا ہے، میری بڑی خالہ مرحومہ صالحہ بی- جو قرآن مجید کی حافظ بھی تھیں- یہ منظوم فتوح الشام بڑے پُر اثر اور دل کش لہجے میں پڑھتی تھیں، اور پڑھتے پڑھتے کتاب اُن کو بہت رواں ہوگئی تھی، عموماً عصر کے بعد یہ مجلس ہوتی، بچے بھی کبھی اپنی ماؤں کے پاس کھیلتے کھیلتے یا کسی پیغام کے لیے آجاتے اور بے ارادہ کچھ دیر ٹھہر کر سنتے، کبھی بااِرادہ بیٹھ جاتے اور کبھی مائیں اپنے پاس بٹھا کر سننے کا موقع دیتیں، پھر جب اُس میں لطف آنے لگتا تو کھیل چھوڑ کر اُس مجلس میں شریک ہوتے''۔ (کاروانِ زندگی ۱/۸۱تا۸۳)

بڑے بھائی صاحب نے بھی کمی نہ رکھی

والد ماجد کی وفات کے بعد آپ کے بڑے بھائی ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب سرپرستِ خاندان تھے، اور اِن کی محبت میں پدرانہ شفقت جَلوہ گر تھی؛ مگر وہ ابھی تعلیم کے آخری مرحلے میں تھے، نواب نورالحسن صاحب کی کوٹھی میں اُن کا قیام تھا، وہاں اُنھوں نے حضرت مولانا کو بھی اپنے پاس بُلا لیا، اُن کی تربیت کا بھی نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔مولانا لکھتے ہیں:

''اِس ماحول میں (یعنی نوابی ٹھاٹھ باٹھ اور ریاست کی اِمارت وشوکت اور بڑے نامور افراد کی آمد ورفت کے ماحول میں) بھائی صاحب دو باتوں کا خاص اہتمام رکھتے تھے: ایک یہ کہ نماز جماعت کے ساتھ پابندی سے پڑھتا ہوں، کبھی ایسا ہوا کہ وہ میڈیکل کالج سے واپس آئے، واپسی بالعموم مغرب کے بعد ہوتی تھی، اور پوچھا: ظہر، عصر، مغرب کی نمازیں پڑھی تھیں؟ مَیں نے اثبات میں جواب دیا، اُن کو کچھ شبہ ہوا تو تینوں نمازیں دوبارہ پڑھوائیں، دوسرے یہ کہ مَیں کوٹھی کے ملازموں کے پاس (جن کی بڑی تعداد تھیں) زیادہ نہ بیٹھوں اور بے تکلُّف نہ ہوں؛ نیز یہ کہ کوئی ناول وغیرہ کسی سے لے کر نہ پڑھوں، وہ ہمارے اُس ذاتی کتب خانے میں سے خود کتابیں انتخاب کر کے دیتے اور مطالعہ کرواتے، اُن کتابوں میں سب سے پہلی جو کتاب اُنھوں نے پڑھنے کو دی ''سیرتِ خیر البشر'' تھی، اِس کے بعد غالباً ''رحمۃٌ للّعالمین'' مطالعے میں آئی''۔(کاروانِ زندگی ۱/ ۸۷)

عرب استاذ

آپ کی جب باقاعدہ تعلیم شروع ہوئی تو شیخ خلیل عرب آپ کے استاد مقرّر ہوئے، جو قرآن مجید کا بڑا پاکیزہ ذوق رکھتے تھے، اُن کو اِس کا بڑا شغف تھا، اللہ تعالیٰ نے اُن کو رِقّت اور اثر پذیری کی دولت سے حصۂ وافر عطا فرمایا تھا، مسجد میں اکثر صبح کی نماز وہی پڑھاتے تھے، قرآن مجید پڑھتے وقت قابو میں نہیں رہتے تھے، آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو جاتے، آواز گُلوگیر ہو جاتی، فجر کی نماز میں وہ آخری پاروں کی کوئی بڑی سورۃ شروع کرتے؛ لیکن فرطِ تأثُّر اور شدَّتِ گِریہ سے اُس کو مکمل کرنے کی نوبت کم آتی، اور سامعین کو حسرت رہ جاتی کہ پوری سورۃ نہیں سن سکے، حضرت مولاناؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''میری تعلیمِ قرآن کا آغاز اِن ہی کے یہاں ہوا، شیخ پر توحید کا بڑا غلبہ تھا، اور وہ بڑا کھرا اور صاف عقیدہ رکھتے تھے، اور اپنے شاگردوں کو بھی اِس عقیدے کا قائل بنانا چاہتے تھے، یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اُس نے ایسے صحیح العقیدہ آدمی سے پڑھنے کا موقع عنایت فرمایا۔ سورۂ زمر- جس میں توحید کی بڑی صاف اور طاقتور تعلیم ہے- اُن کی محبوب اور منتخب سورۃ تھی، جب ہم عربی میں کچھ چلنے لگے تو اُنھوں نے اِس سورۃ کا درس شروع کیا''۔ (میر کارواں: ۴۰)

حضرت مولاناؒ کی ادبِ عربی کی تکمیل اِن ہی کے پاس ہوئی، اور اِس طرح عقیدۂ توحید کی پختگی جو آپ کے خاندان اور گھرانے کی خصوصیت اور امتیازی وصف تھا، جہاں آپ نے آنکھیں کھولیں، اور گھر کے باہر جو پہلے استاد

ملے اُن کو بھی اللہ تعالیٰ نے اِس دولت سے حصہ وافر عطا فرمایا تھا، اِس طرح ابتدا ہی سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اِس نعمتِ عظمیٰ سے بہرہ وَر ہونے کا موقع فراہم کیا۔

شیخ خلیل عرب صاحب سے پڑھنے اور ادب کی تکمیل کرنے کے بعد حدیث کی کتابیں حضرت مولانا حیدر حسن خاں صاحبؒ سے پڑھیں، جو حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قُدِّسَ سِرُّہٗ کے مجاز تھے، اُن کی سیرت سلفِ صالحین کے اخلاص وصداقت کی نمائندہ تھی، اِس کے بعد مولانا احمد علی لاہوریؒ سے رُجوع کیا۔

تفسیر، بیعت وریاضت

لاہور میں حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ کی خدمت میں آپ کا قیام ۱۹۳۰ء سے لے کر ۱۹۳۲ء کے درمیانی زمانے میں تین قسطوں میں رہا، اور اِس مدت میں حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ سے قرآن کی تفسیر وترجمہ کے عِلاوہ ''حجۃ اللہ البالغۃ'' کا درس بھی لیا، اور دونوں کا امتحان دے کر اعلیٰ کامیابی حاصل کرنے کے ساتھ اُن سے بیعت واِرادت کا تعلُّق بھی قائم فرمایا، اِس کے بعد ۱۹۳۴ء میں حضرت مولانا کی ہدایت واِیماء پر کچھ دن اُن کی صحبت اور تربیت میں رہنے اور یکسوئی کے ساتھ ذکر وشغل کرنے کے لیے حاضر ہوئے، آپ کا یہ قِیام تین ماہ کا تھا، اِس مدتِ قیام میں حضرت مولانا احمد علیؒ نے آپ سے ریاضتیں بھی کرائیں، خود حضرت مولاناؒ اپنے اِس قیام کا اِجمالی حال بتلاتے ہوئے ''کاروانِ زندگی'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''گویا میرا گھر موجود تھا؛ لیکن مولانا (احمد علیؒ) نے ہدایت فرمائی کہ مَیں

شاہی مسجد کے کسی حجرے میں علاحدہ رہوں، کھانا بھی گھر سے آجایا کرے، مطالعہ اور علمی اشتغال سے بھی حتی الامکان احتراز کروں"۔ (کاروانِ زندگی ۱/۱۳۴)

یہ کوئی معمولی بات نہیں

کیا کیا ریاضتیں تھیں جو اُس خلوت گزینی کے زمانے میں کرائی گئیں؟ اُن کا حال تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے؛ البتہ ذکر اللہ کی کثرت تو اِس کا ایک لازمی حصہ ہے، جس کی برکات کی طرف خود حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ نے اپنے ایک مکتوب میں- جو آپ کے نام بھیجا گیا تھا- ارشاد فرمایا تھا:

"اللہ کے مبارک اسم میں اِنقِطاع عَنِ الخَلق اور اِحتیاج اِلی اللہ کا زبردست اثر ہے؛ ورنہ آپ جانتے ہیں کہ بارہ تیرہ سو کی ماہوار رقم کا حَسبۃً للہ چھوڑ دینا یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے، یہ اُس پاک نام کی ہزاروں برکتوں میں سے ایک برکت ہے، اللہ تعالیٰ اپنے مبارک نام کی اَور برکتوں سے آپ کو مالا مال فرمائے"۔

کہیے مولانا علی میاں صاحب!

۱۹۳۲ء میں آپ نے اپنے بھائی ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحبؒ (جو حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد اور حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے مجاز تھے) کی ہدایت پر چار ماہ کا عرصہ حضرت مدنیؒ کی خدمت میں بھی گزارا، اُس زمانے میں بخاری و ترمذی کے درس میں شرکت کے عِلاوہ قرآن مجید کی بعض مشکل آیات کے سمجھنے کے لیے خصوصی اوقات میں علمی استفادہ بھی کیا، اور خود حضرت مولاناؒ کے

الفاظ میں:

''دار العلوم کے اِس چار ماہ کے قیام میں میری دل بستگی کے سامان اور میرے اُنس وعقیدت کا مرکز مولانا مدنیؒ کی ذات تھی، اور اصل مناسَبت اِن ہی سے تھی، مجھے یاد ہے کہ صبح کبھی اپنے خاص لہجے میں مجھ سے مخاطب ہوتے اور فرماتے: کہیے مولانا علی میاں صاحب! آج اخبار میں آپ نے کیا پڑھا؟ تو مجھے دن بھر اِس کا مزہ آتا رہتا، اور دل مسرت سے معمور؛ بلکہ مخمور رہتا۔ بہ قول شاعر:

بہر تسکینِ دل رکھ لی ہے غنیمت جان کر		جو بہ وقتِ ناز کچھ جنبش ترے اَبرو میں تھی

(کاروانِ زندگی ۱/۱۳۰)

کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

اِس خلوت وریاضت کے نتیجے میں اَوراد وتلاوت، سحر خیزی، آہِ نیم شبی کی دولت - جو کسی کو آخر عمر میں ملتی ہے- آپ کو ابتدائی عمر سے حاصل رہی، حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

(حضرت مفکر اسلام نے) ۱۹۴۰ء میں مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے تبلیغی کام کا ذکر سنا، تو اُس کے لیے دلی کا سفر کیا، اور وہاں سے واپس آکر ندوہ کے جمالیہ ہال میں اِس کام کی اہمیّت پر ایک تقریر کی اور اِس پر طلبا کو ابھارا، اُن کی تقریر کے بعد پانچ یا چھ طالب علم اِس کام کے لیے تیار ہوئے، چناں چہ لکھنؤ کے آس پاس کی بستیوں میں طلبا کا ایک قافلہ جمعرات کو ملہور، جگلور، اور علی گنج وغیرہ بستیوں میں پیدل جاتا، اور جمعہ کے بعد وہاں سے واپس آتا، ایک دو سفر کے بعد

راقم الحروف بھی اُس میں شریک ہونے لگا، پہلے ہی سفر میں ''ملہور'' جانے کا اتِّفاق ہوا، گرمیوں کے زمانے میں عشاء بعد ہم لوگ مسجد کے صحن میں سوئے ہوئے تھے، میری بغل میں مولانا آرام فرما رہے تھے، تین بجے رات میں استنجے کے لیے نیند کھلی تو دیکھا کہ مولانا اپنی جگہ پر نہیں ہیں، لوٹا لے کر کھیت کی طرف استنجے کے لیے گیا تو دُور سے کچھ رِقَّت آمیز آواز آ رہی تھی، قریب گیا تو دیکھا کہ مولانا مصلیٰ بچھا کر تہجد کی نماز ادا کر رہے ہیں، اور آواز میں ایک رِقَّت ہے، مولانا مسجد کے صحن میں ایک طرف یہ نماز ادا کر سکتے تھے؛ مگر دو وجہ سے اُنھوں نے ایسا نہیں کیا: ایک یہ کہ لوگوں کی نیند میں خلل نہ پڑے، اور دوسرے یہ کہ نوافل کی روح یعنی اِخفا بھی باقی رہے، یہ بالکل اُسوۂ نبوی ﷺ کی تعمیل تھی، حدیث میں حضور ﷺ کے بارے میں آتا ہے کہ تہجد کے وقت جب حضور ﷺ نماز میں قرآن کی تلاوت فرماتے، تو ''لَهُ أَزِيزٌ كَأَزِيزِ الْمِرْجَلِ'' یعنی: آپ کے سینے سے رِقَّت کی ایسی آواز آتی جیسے ہانڈی کے اُبلنے کی آواز ہوتی ہے۔ (ماہنامہ الرشاد، شمارہ: ۲۲۵)

پھل دار درختوں کے سائے میں

غرض بچپن سے لے کر نوجوانی تک کا پورا زمانہ اولیائے صالحین کی صحبت میں گزارا، اور انسان کی زندگی کا یہی زمانہ اُس کی شخصیت کی تعمیر کا بنیادی زمانہ ہے، اِسی میں آدمی کے ذہن کا سانچہ بنتا ہے، اِس عمر میں جو مزاج بن گیا وہ زندگی بھر نہیں بدلتا، یہ سنتِ الٰہی ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں، آپ کی زندگی کا یہ زمانہ ولی صفت والدہ صاحبہؒ، برادرِ معظّم مولانا ڈاکٹر عبدالعلی صاحبؒ، مولانا خلیل عربؒ،

حضرت مولانا حیدر حسن خاں صاحبؒ، حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ اور حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی نگرانی وسرپرستی، اُن کی تربیت وتعلیم، اُن کی شفقتوں اور محبتوں کے سائے میں گزرا، اِس کے بعد حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی خدمت میں آپ نے جو زمانہ گزارا اُس کے متعلّق آپ کا یہ جملہ- جو آپ نے حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ سے متعلق ایک مضمون میں لکھا ہے- بہت کچھ اشارہ کرتا ہے:

''میری زندگی کے دو بڑے موڑ ہیں جہاں سے زندگی نے نیا راستہ (جہاں تک خیال ہے بہتر اور مبارک راستہ) اختیار کیا: پہلا موڑ جب مولانا احمد علی صاحبؒ سے تعلق پیدا ہوا، دوسرا موڑ اُس وقت پیش آیا جب خدا نے مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے پاس پہنچایا''۔ (پُرانے چراغ ۱/۱۳۴)

حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی توجّہ وعنایت نے آپ کے دل کی اَنگیٹھی کو خوب گرما دیا، پھر حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کی صحبتِ بابرکت اور توجُّہاتِ عالیہ نے آپ کے کمالاتِ باطنی کو جِلا بخشی۔

بحرِ مادّیت کا جزیرۂ رُوح

حضرت رائے پوریؒ کے ساتھ رَبط وتعلُّق کی ابتدا کو حضرت مولاناؒ نے اِن الفاظ میں ذکر فرمایا:

''حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے درجے اللہ تعالیٰ بلند فرمائے کہ وہ مجھے برابر حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ سے ربط

بڑھانے اور اِستفادہ کرنے کی تاکید فرماتے رہے، اور لکھتے رہے کہ: ’’اب یہی ایک دکان رہ گئی ہے جس سے اخلاص، تعلُّق باللہ اور تربیتِ نفس کا سودا ملتا ہے، اور وہاں اِس کے سِوا کسی اَور چیز کا ذکر وفکر نہیں‘‘۔

تقسیم کے بعد سے پاکستان جانے اور قدیم مرکزِ روحانی سے تعلُّق پیدا کرنے کی راہ میں جو دشواریاں پیدا ہوگئی تھیں، اُنھوں نے اَور بھی اِس کی ضرورت پیدا کردی کہ دل کی انگیٹھی کو گرم رکھنے، نفس واخلاق کی کمزوریوں پر مُطَّلع ہونے اور جس سفر کا مَیں مسافر تھا (دعوت وتصنیف) اُس کے لیے زادِ سفر لیتے رہنے کے لیے ایک ایسی ہی جگہ اور ایسی ہی شخصیت کی ضرورت تھی جہاں یہ جنس ملتی ہو، رائے پور جاکر یہ محسوس ہوتا تھا کہ مادِّیت وعقلیت کے بحرِ ظلمات میں- جو چاروں طرف پھیلا ہوا ہے، یہی ایک جزیرہ ہے، جہاں ذکر وفکر کے عِلاوہ کوئی موضوعِ گفتگو اور مشغلۂ زندگی نہیں، اور جہاں پتّے پتّے سے اللّٰہُ، اللّٰہُ کی آواز آتی ہے‘‘۔

(کاروانِ زندگی ۱/۳۵۳)

بے نگاہے از خداوندانِ دل

اِس کے بعد بھی اکابر اہل اللہ اور علمائے ربانیین کے ساتھ رَبط وتعلُّق آپ کا زندگی بھر کا معمول رہا، اور اُن حضرات کی طرف سے بھی آپ کی طرف خصوصی توجُّہ واِلتفات، محبت وشفقت کا معاملہ برابر رہا، جس کی تفصیل مولانا شمشاد علی قاسمی کی تالیف ’’اکابر ومشاہیرِ اُمَّت کی نظر میں‘‘ دیکھی جاسکتی ہے، خود حضرت مولاناؒ ’’کاروانِ زندگی‘‘ (۱/۴۴۲) میں تحریر فرماتے ہیں:

''مشائخِ عصر کی خدمت میں اپنے مُرشد و مُربِّی حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائے پوریؒ اور اپنے اوَّلین شیخ حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ کے ماسِوا تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد مُستَرشِدانہ اور خادمانہ حاضری ہوتی رہتی''۔

اِس کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ، حضرت مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب مجدِّدیؒ، حضرت مولانا وصی اللہ صاحب فتح پوریؒ، حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھیؒ وغیرہ اکابر کی خدمت میں حاضری اور اُن کے ساتھ دلی رَبط وتعلُّق کا اِجمالی حال تحریر فرما کر آخر میں رَقم طَراز ہیں:

''یہ تفصیل اِس لیے لکھ دی کہ مصر وشام اور تُرکی کے ترقی یافتہ ملکوں اور وہاں کے؛ نیز ہندوستان کے اعلیٰ سے اعلیٰ ادبی حلقوں میں شریک ہونے اور خود اپنے مطالعہ اور تصنیف اور اپنے اُس پیچ وتاب زاری کے ساتھ جس نے کبھی ساتھ نہیں چھوڑا، دوائے دل بیچنے والوں اور عشق واخلاص کی دکانوں سے برابر رابطہ رہا کہ اِس دَورِ مادِّیت اور اِدِّعائے علم میں یہی چیز کسی درجے میں حفاظت کرنے والی ہے''۔ بہ قول اقبال:

می نہ روید تخمِ دل از آب وگل		بے نگاہے از خداوندانِ دل

(کاروانِ زندگی ۱/ ۴۴۷)

بڑا سبق

حضرت مولاناؒ کی خودنوشت سرگذشتِ حیات یعنی ''کاروانِ زندگی'' میں جگہ جگہ ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ آپ زندگی کے مختلف اَدوار میں بے شمار معاملات اور

حالات میں اپنے لیے ایک صاحبِ دل بزرگ شخصیت کی سرپرستی اور مشورے کی ضرورت واہمّیت محسوس فرماتے رہے، اہلِ علم اور خواص کے طبقے کے لیے اِس میں بڑا سبق موجود ہے۔

مَیں سمجھتا ہوں کہ حضرت مولاناؒ کی تعلیم وتربیت سے متعلّق یہ تمام تفصیلات جو احقر نے عرض کیں، آپ میں سے بہت سے حضرات کے علم میں ہوں گی؛ لیکن میرا مقصد اِسی آخری نکتے کی طرف حضراتِ سامعین کی توجُّہ مبذول کرانا تھا۔

اب مَیں مولانا کی زندگی میں سے چند واقعات پیش کرتا ہوں، جن سے حضرت کی تواضع وبے نفسی، تعلُّق مع اللہ، عشقِ رسول ﷺ، زُہد وتوکل، جاہ ومال کی محبت سے دُوری کا پتہ چلتا ہے، دَورِ حاضر میں اہلِ علم خواص کے طبقے میں اِن ہی صفات کا فُقدان ایک وبائے عام کی صورت اختیار کرتا جارہا ہے، جس نے اِس طبقے کی تمام مَساعی وخدمات کو بے جان لاشہ بنا رکھا ہے، ہمتیں پَست ہوچکیں اور قلب ونظر میں تنگی آگئی، وقت کی قدر وقیمت نہ رہی، اپنی خامیوں اور کمزوریوں کے احساس میں کمی؛ بلکہ بے حِسی پیدا کر رکھی ہے۔

”إِنْ لَّمْ تَكُنْ سَاخِطاً عَلَيَّ فَلاَ أُبَالِيْ“ کی جھلک

تعلق مع اللہ کی قوت ہی کے نتیجے میں آدمی میں اِنقطاع عَنِ الخَلق اور اِحتیاج اِلی الخالق کی کیفیت راسخ ہوتی ہے، حضرت مولاناؒ کے قلب میں اِس کیفیت کے رُسوخ کا حال تو آپ کے مُرشد پاک حضرت لاہوریؒ کے آپ کے

نام مکتوبِ گرامی کے حوالے سے ہم پہلے بتا چکے ہیں، حضرت مولاناؒ اپنے احوال وکوائف کو عموماً اپنی تحریروں میں ظاہر ہونے نہیں دیتے؛ لیکن کہیں کہیں اِس کی جھلک محسوس ہوجاتی ہے، جون ۱۹۹۸ء میں دیوبند کے ڈاکٹر شکیل احمد نامی نے حضرت مولانا اور بعض دیگر حضرات (جن کا مجلس مُشاوَرت سے رَسمی تعلُّق باقی تھا) کے خلاف مقامی عدالت میں مقدَّمہ دائر کرکے اُن لوگوں کے خلاف تعزیراتِ ہند کی دفعہ ۴۰۶/ کے ماتحت کارروائی کا مطالَبہ کیا تھا، اُنھوں نے الزام لگایا تھا کہ اِن لوگوں نے میرٹھ اور دیگر مقامات پر فسادات سے متأثّرہ خاندانوں کی امداد کے لیے دس لاکھ روپئے چندہ جمع کیا تھا؛ مگر متأثّرہ خاندانوں کو یہ رقم تقسیم نہیں کی گئی، اِسی سلسلے میں عدالت نے اپریل ۱۹۹۸ء میں اِن حضرات کے خلاف غیرضَمانتی وارنٹ جاری کردیے تھے، جس کی خبر ملک کے تمام اَخباروں میں سرخیوں میں دی گئی، اِس پورے واقعے کا تذکرہ ''کاروانِ زندگی'' حصہ ہفتم میں کرنے کے بعد حضرت مولانا آخر میں رقم طراز ہیں:

''اِس اَلمیہ کو جو اِضطراری طور پر بیان کیا گیا ہے کہ اِس سے ملتِ ہندیہ اسلامیہ کی اُس آزمائشی اور اخلاقی اِنحطاط کی صورتِ حال پر نظر پڑتی ہے، جس کا بیان کرنا بہرحال ایک مؤرِّخ اورسوانح نگار کا فرض ہے، اُسے اِس عربی قطعے پر ختم کیا جاتا ہے جو بہت سے عارفین کی زبان پر رہا ہے، اِس میں تسکین وتسلی کا ایک سامان اوراُمیدورجا کی ایک نمائندگی ہے:

فَلَيْتَکَ تَحْلُوْ وَالْحَيَاةُ مَرِيْرَةٌ	۱	وَلَيْتَکَ تَرْضىٰ وَالْأَنَامُ غِضَابٌ

وَلَيْتَ الَّذِيْ بَيْنِيْ وَبَيْنَکَ عَامِرٌ	۲	وَبَيْنِيْ وَبَيْنَ الْعَالَمِيْنَ خَرَابٌ
إِذَا صَحَّ مِنْکَ الْوُدُّ فَالْکُلُّ هَيِّنٌ	۳	وَکُلُّ الَّذِيْ فَوْقَ التُّرَابِ تُرَابٌ

(۱) کاش! کہ آپ اپنے اِس بندے کے حق میں شیریں اور مہرباں ہوں خواہ زندگی تلخ اور بدمزہ ہو، اور کاش! کہ آپ راضی ہوجائیں اور سارے لوگ ناراض رہیں۔

(۲) اور کاش! کہ اِس عاجز اور آپ کے درمیان جو ربط وتعلُّق ہے وہ مُستحکم اور آباد ہو، اور میرے اور تمام عالَم کے درمیان جو علاقہ اور رِشتہ ہے وہ ویران اور شِکستہ ہو۔

(۳) اگر آپ کی طرف سے محبت اور رحمت کا جو رشتہ ہے وہ درست اور مربوط رہے تو پھر کسی چیز کی پرواہ نہیں، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اس جہانِ خاکستر پر جو کچھ ہے وہ خاک اور خاکستر ہے''۔ (کاروانِ زندگی ۷/ ۱۰۷)

پیوستہ رہ شجر سے

''کاروانِ زندگی'' کی تالیف کا سلسلہ شروع کرتے وقت اُس کی افادیت کے پہلوؤں میں سے ایک کی تفصیل آپ نے جس انداز سے فرمائی ہے، اُس سے بھی آپ کے تعلق مع اللہ کی کیفیت کا پتہ چلتا ہے:

''اپنی زندگی کے واقعات اور اپنے ساتھ خدا کا معاملہ دیکھ کر بے ساختہ قرآن مجید کی آیت یاد آتی ہے، ارشادِ خداوندی ہے:

﴿سَنُرِيْهِمْ آيَاتِنَا فِيْ الْآفَاقِ وَفِيْ أَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ

الْحَقُّ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾ (حم السجدۃ:۵۳)
(ترجمہ): ہم عن قریب اُن کو اَطراف (عالَم) میں بھی اور خود اُن کی ذات میں بھی اپنی نشانیاں دِکھائیں گے، یہاں تک کہ اُن پر ظاہر ہوجائے گا کہ وہ حق ہے، کیا تم کو یہ کافی نہیں ہے کہ تمھارا پروردگار ہر چیز سے خبردار ہے؟

حقیر، ذہنی وعلمی صلاحیتوں، محدود ماحول، ناسازگار حالات اور قلیل وسائل کے ساتھ رحمتِ الٰہی کی جو کرشمہ سازی اور مُربیِ مُطلَق کی جو بندہ نوازی دیکھی، اُس سے والدین کی دعاؤں کی تاثیر، نیک نیت وسراپا شفقت سرپرستوں کی تعلیم وتربیت، شفیق ولائق اساتذہ کی محنت، خدا کے مقبول بندوں کی نظرِ شفقت، اُن کی دلی مَسرَّت اور قلبی اطمینان کا فائدہ، اور اُن سے اِنتساب اور اُن پر اعتماد کی برکت ظاہر ہوئی، صحیح مقاصد ومشاغلِ زندگی کے انتخاب (جو توفیقِ الٰہی کے بغیر ممکن نہ تھا) حد درجے کی کمزوری، ہمت کی پستی اور طبیعت کی اَفسُردگی کے باوجود چند اصولوں کی پابندی اور ع ’’پیوستہ رہ شجر سے اُمیدِ بہار رکھ‘‘ پر عمل کی کوشش کا ثمرہ کھلی آنکھوں دیکھا، خیال آیا کہ اپنی زندگی کی حقیر کہانی کے ذیل میں اگر یہ حقائق پڑھنے والوں کے سامنے آئیں، تو مَوعِظت وعبرت کا سامان بھی ہوں گے، اور حوصلہ وہمت کی بلندی اور خدا سے اچھی امیدیں رکھنے کا سبب بھی‘‘۔ (کاروانِ زندگی ۱/۱۰)

اسپتال تیماردار کے لیے دارالشفاء

اچانک پیش آنے والے حوادث وواقعات سے فائدہ اُٹھا کر اُن کو تعلُّق باللہ کی تقویت کا ذریعہ بنانا بھی اُسی ماحول کا اثر ہے جس میں آپ کی تربیت ہوئی

تھی، اپنے ایک کم سِن عزیز کے آپریشن کے موقعہ پر تیمارداری کی غرض سے رمضان کے مبارک اَیام میں اسپتال رہنا پڑا، اُس وقت آپ کی عمر پندرہ یا سولہ سال کی تھی؛ لیکن آپ نے اِس قیام سے کیا فائدہ اُٹھایا؟ خود آپ کی زبان سے سنیے:

''رات کو مریض کے پاس ہی رہنا ہوتا تھا، عزیز موصوف سب سے زیادہ مجھ سے مانوس تھا؛ اِس لیے مجھ ہی کو آواز دیتا اور تکلیف کی شکایت کرتا، بعض اوقات رات کا بڑا حصہ جاگنے اور نرسوں کو بلانے میں گزر جاتا، اسپتال کا سارا ماحول انسانی کمزوری، صحت کی بے وفائی اور زندگی کی بے ثُباتی کا منظر اور قوی دلائل پیش کرتا تھا، اِس سے طبیعت میں - جو ابھی پڑھنے لکھنے اور اَدبیات سے مانوس تھی - ایک تغیُّر پیدا ہوا، جس کو ''اِنابت'' سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے، اِس قیام نے - جو ایک طرح کا مُجاہدہ بھی تھا - ایک خانقاہی ماحول اور بزرگوں کی صحبت کا کام دیا، طبیعت میں اپنی اصلاح وترقی اور تعلُّق باللہ کا ایک ہلکا سا شعور پیدا ہوا، اِسی حالت میں عید آئی جو بڑی مسافرانہ حالت میں گزری، اِن سب حالات نے قلب ودماغ پر گہرا اثر ڈالا۔ عزیز موصوف الحمد للہ صحت یاب ہوکر تو نکلے ہی، اسپتال خود تیماردار کے لیے ایک دار الشفاء بن گیا۔ (کاروانِ زندگی ۱/ ۱۱۵)

کیفیاتِ باطنی کا حظِّ وافِر

اِسی تعلُّق مع اللہ کے نتیجے میں اِنابت اِلی اللہ، توکُّل علی اللہ، زُہد اور دنیا سے بے رغبتی کی کیفیت قلب میں پیدا ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اِن کیفیات باطنی کا حظِّ وافر حضرت مولاناؒ کو عطا فرمایا تھا، ۱۹۴۷ء میں تبلیغ ودعوت کی غرض سے آپ کا

قِیام چھ ماہ کے لیے حجاز میں رہا، آپ کا یہ سفر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے مشورے سے طے پایا تھا، اِس سفر میں آپ کے ساتھ آپ کی والدہ صاحبہ، آپ کی اہلیہ محترمہ، آپ کے بڑے بھانجے مولانا محمد ثانیؒ، اور آپ کی ہمشیرہ صاحبہ اَمۃُ اللہ تسنیم صاحبہ تھیں، اِس زمانۂ قیام میں حج وزیارت کی سعادت کے ساتھ آپ کا پورا وقت دعوت وتبلیغ میں گزرا، اِسی زمانۂ قیام کی مختصر روئیداد ''کاروانِ زندگی'' حصہ اول صفحہ ۳۳۸ تا ۳۴۰ میں آپ نے تحریر فرمائی ہے، حجاز کے اہلِ علم اور اکابر سے اُس زمانے میں رَبط وتعلُّق پیدا ہوا، جن میں علامہ سید علوی مالکیؒ، شیخ امین کتبیؒ، شیخ حسن مَشّاطؒ، شیخ ابن عربیؒ، شیخ محمود شوبلؒ، شیخ عبدالرزاق حمزہؒ وغیرہ ہیں، اِن میں ایک شخصیت شیخ عمر بن الحسن آل شیخ کی بھی ہے، اِس کی تفصیل خود حضرت مولانا کے الفاظ میں سنیے:

''مکۂ معظّمہ کے طویل قِیام کا ایک بڑا ثمرہ شیخ عمر ابن الحسن آل الشیخ سے تعارُف اور اُن کے اُنس واعتماد کا حصول ہے، جو دعوت وجماعت کے حق میں بہت مفید ثابت ہوا، وہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کی اولاد میں تھے، قاضی القُضاۃ اور شیخ الاسلام مملکتِ سعودیہ شیخ عبداللہ بن الحسن (جو مملکت کی سب سے بڑی دینی شخصیت تھے) کے وہ حقیقی بھائی اور ''ریاض'' کی ہیئتِ امر بالمعروف اور نہی عن المنکَر کے رئیس تھے، وہ ولی عہد مملکت امیر سعود کے بڑے مُعتَمد اور مُشِیر تھے، اور اُن کو مِن جانب اللہ مجھ سے ایک خاص تعلُّق پیدا ہو گیا، میرے رسائل پڑھتے اور پڑھوا کر سنتے، اُن کے اِس تعلُّق اور اعتماد نے اُن لوگوں کی باتوں کو بے اثر بنا دیا

(جو مختلف اسباب کی بنا پر) جماعت کے بارے میں بدگمانی اور شکوک پیدا کرتے تھے، اور مختلف اَفواہیں اڑاتے تھے، شیخ عمر کو اِس بارے میں اِتنا اطمینان پیدا ہو گیا کہ اُنھوں نے کھل کر جماعت کی حمایت اور بارہا اُس کی طرف سے مُدافعت کی، ظاہری اَسباب کے لحاظ سے اگر شیخ عمر کا یہ طرزِ عمل نہ ہوتا تو شاید جماعت کے لیے آزادی سے وہاں کام کرنے اُس وقت موقع جاتا رہتا، اُن کا یہ تعلُّق اُن کی آخر عمر تک قائم رہا''۔ (کاروانِ زندگی ۱/ ۳۳۹)

لاتَزَالُ أُمَّةُ مُحَمَّدٍ عَلَى الْخَيْرِ

اِن ہی شیخ عمر آل الشیخ کے ساتھ پیش آیا ہوا ایک واقعہ حضرت مولانا عبداللہ عباس صاحبؒ کی زبان سے سنیے، فرماتے ہیں:

''اُنھوں نے ایک روز مجھ سے حَرم میں فرمایا کہ صبح میرے پاس آنا، اُن کے حکم کے مطابق حاضر ہوا، تو ایک تھیلی سونے کی گِنّیوں سے بھری دی، اور کہا کہ شیخ ابوالحسن کو پہنچادو، اُس زمانے میں نوٹ کا چلن نہیں ہوا تھا، یا تو چاندی کے رِیال چلتے تھے یا چالیس رِیال قیمت کی ایک طَلائی گِنّی (جس کو ''جُنَیَہ سعودی'' کہا جاتا تھا) مَیں نے ایک تھیلی سونے کی اشرفیوں سے بھری ہوئی زندگی میں پہلی بار دیکھی تھی، اُس کو لے کر ایک طرح کی خوشی کے ساتھ ''رَباط'' آیا، حضرت مولانا کی خدمت میں پیش کی، غالباً ۴۵/ منٹ یا ایک گھنٹہ بعد مولانا نے ایک خط لکھا، اور تھیلی کے ساتھ مجھ کو دیا کہ شیخ کو دے آؤ، اُس خط میں شکریے کے جذباتِ احترام کے اظہار کے بعد لکھا تھا کہ ''ہدیہ قبول ہے، اور مَیں نے ایک گنی اپنے ذاتی خرچ کے لیے رکھ

لی ہے، بقیہ واپس کررہا ہوں‘‘ (بقیہ ۳۹ گنیاں) مَیں یہ رقم اور خط لے کر گیا تو شیخ ظہر کے بعد آرام کررہے تھے، ملاقات نہ ہوسکی، بعد عصر گیا تو وہاں پورا ہال بھرا تھا، قہوہ کا دَور چل رہا تھا، سلام کرکے خط اور رقم کی تھیلی حاضر کی، شیخ نے پہلے خط پڑھا، پھر آواز سے اُسے پڑھ کر سب کو سنایا، ایک صاحب نے کہا کہ ’’عُلمائے سَلَف کے نمونے ہر زمانے میں مل جاتے ہیں‘‘ ایک اَور صاحب بولے: ﴿لا تَـــزَالُ أُمَّةُ مُـحَـمَّـدٍ عَـلَى الْخَيْر﴾ (رسول اللہ ﷺ کی اُمّت میں ہمیشہ خیر رہا ہے) پچاس برس پہلے کی بات ہے، اُن لوگوں نے نجدی لہجے میں اَور کیا کہا؟ یاد نہیں؛ لیکن اِتنا یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ مولانا کے اِس اِستغناء سے ہندوستان کے عُلما کا وَقار بڑھ گیا، اور محسوس کیا گیا کہ سب یکساں نہیں ہوتے، مَیں سمجھا تھا کہ بات ختم ہوگئی؛ مگر عرصۂ دراز کے بعد شیخ عمر بن حسن کے برادرزادہ شیخ حسین بن عبداللہ آل شیخ (جو بعد میں وزیرِ تعلیمِ اعلیٰ ہوئے) سے بیروت میں اُستاذ عبداللہ الغنیم کے مکان پر ملاقات ہوئی، تو اُنھوں نے مولانا کی خیریت معلوم کی، اور اِس واقعے کو میری موجودگی میں عبداللہ الغنیم کو سنایا‘‘۔ (میر کارواں: ۵۵)

وہ تھیلی بھی واپس کی گئی

اُسی زمانے کا ایک اَور واقعہ ڈاکٹر صاحب مدظلہم کے الفاظ میں سنیے:

’’اُسی زمانے کا دوسرا واقعہ امیر سعود الکبیر (بادشاہ کے چچا) کے ہدیے کا ہے، موصوف نے مولانا اور اُن کے مُرافقین کی دعوت کی، کھانے اور چائے کے بعد واپس آنے لگے، تو مولوی رضوان علی صاحب (حال ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی

مقیم کراچی) کو اشارے سے روک لیا، اور اُن کے ساتھ چاندی کے ریالوں کی بڑی تھیلی جس میں پانچ سو ریال تھے اُن کے حوالے کی، اور کہا: اپنے شیخ کو دے دینا، وہ تھیلی بھی واپس کی گئی"۔ (میر کارواں: ۵۵، ۵۶)

قلندرانہ فیصلہ

دِمشق یونیورسٹی میں جب "کُـلیة الشـريـعة" کھلا، تو اُس کا پرنسپل عالمِ عرب کے معروف عالم ومحقِّق ڈاکٹر مصطفیٰ السَّباعی کو مقرَّر کیا گیا، اُس موقع پر اُنھوں نے حضرت مولانا کے نام ایک خط لکھا، جس میں آپ کو اُس میں بہ حیثیتِ استاذ تدریسی ذمّے داری سنبھالنے کی دعوت پیش کی گئی، دعوت اور اُس کا جو جواب آپ نے دیا وہ آپ ہی کے الفاظ میں پیش ہے:

"اُنھوں نے اُس خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ کالج کی کمیٹی نے میرے ذمّے یہ خدمت سپرد کی ہے کہ مَیں آپ تک اُس کی یہ خواہش ودرخواست پہنچا دوں کہ آپ دو سال یا ایک سال کے لیے اِس میں تدریس کی ذمّے داری قبول کرلیں اور یہاں آنا منظور کرلیں، اِس سلسلے میں آپ کے جو شرائط ومُطالَبات ہوں اُن سے مُطّلع کریں، اُس خط پر ۲۲/ شوال ۱۳۷۴ھ، ۱۲/ جون ۱۹۵۵ء کی تاریخ اور "عميدِ كُـلِّية الشريعة" (شریعت کالج کے پرنسپل) کی حیثیت سے اُن کے دستخط تھے، مَیں نے اُس خط کے جواب میں اُن کو اِس کامیابی پر مبارک بادی اور بہ حیثیتِ باضابطہ استاذ کے اُس اسٹاف میں شریک ہونے اور سال دو سال اپنے مُستقر (ہندوستان) سے (جہاں کام کا بڑا میدان اور مسلمانوں کی بڑی ذمّے داری

ہے) دُور رہنے سے تو معذرت کی‘‘۔(کاروانِ زندگی ۱/۴۱۹)

اِس واقعے پر تبصرہ فرماتے ہوئے مولانا ممشاد علی قاسمی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

’’حضرت مولانا کا دمشق یونیورسٹی کی ملازمت سے انکار اِس لیے اَور بھی تعجب خیز ہے کہ حضرت کا وہ معاشی تنگی کا دَور تھا، ندوۃ العلماء سے تنخواہ لینی مدت سے بند کی ہوئی تھی، دوسرا بھی کوئی مستقل آمدنی کا ذریعہ نہ تھا، معاشی حالات کی سنگینی کا کچھ اندازہ اِس واقعے سے بھی ہوسکتا ہے جو کچھ دنوں پہلے گزر چکا تھا، اور خود حضرت مولانا نے اُس کو اپنے قلم سے اِن الفاظ میں نقل کیا ہے کہ:

’’مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ امین آباد کے چوراہے پر نظیر آباد جانے والی سڑک کے کنارے پر کھڑے ہوکر مَیں نے جیب سے کئی مرتبہ گھڑی نکالی کہ اِس کو کسی گھڑی کی دکان پر آدھے پونے دام پر بیچ دوں، اُس سے کچھ دن کام چلے؛ لیکن پھر اِس خیال سے ہمت نہیں ہوئی کہ کہیں دکان دار چوری کی نہ سمجھے‘‘۔(کاروانِ زندگی ۱/۳۲۴)

اِس تنگی اور پریشانی کے دَور میں اِتنی بڑی تنخواہ (جو تیرہ سو روپئے مع دیگر جملہ سہولیات تھی، جو حضرت کے ذرا سے اشارے سے اُس سے کہیں زیادہ بھی ہوسکتی تھی، ۱۳۰۰/ روپئے ۱۹۵۵ء میں خاصی رقم تھی) آرام اور آسائش پر مدرسے کی سادہ زندگی اور رَضاکارانہ دینی، تبلیغی ودعوتی خدمات کو ترجیح دینا، ایک ایسا قلندرانہ فیصلہ تھا جس کی توجیہ اِس کے عِلاوہ اَور کوئی سمجھ میں نہیں آتی کہ یہ کوئی غیبی

طاقت اور اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت اور راہنمائی تھی جس نے آپ کو یہ جُرأت وحوصلہ دیا‘‘۔ (حضرت مولانا سید ابوالحسن علی الندوی اکابر ومشائخ کی نظر میں ص:۱۷۶)

مدینہ یونیورسٹی کی پیش کش

مدینہ یونیورسٹی کا جب قِیام عمل میں آیا اُس وقت بھی اِسی نوع کا ایک واقعہ آپ کے ساتھ پیش آیا، حضرت مولاناؒ تحریر فرماتے ہیں:

’’مارچ ۱۹۶۲ء کی آخری تاریخوں میں علی گڑھ موتیابندھ (CATARACT) کے ایک چھوٹے آپریشن کے لیے گیا ہوا تھا، اور گاندھی ہاسپٹل میں داخل تھا کہ مملکت سعودیہ کے سفیر عالی مَرتبت شیخ یوسف الفوزان ملنے کے لیے آئے؛ لیکن صحیح رہبری نہ ہونے کی وجہ سے مجھ تک نہ پہنچ سکے، جب مَیں فارغ ہوکر لکھنؤ آیا تو اُن کا خط ملا کہ آپ کے لیے ایک اہم اور محترم پیغام ہے، آپ یا تو دہلی آنے کی تکلیف کریں یا اپنا کوئی معتَمَد بھیج دیں، مَیں نے عزیزی محمد رابع سلّمہٗ کو اِس کام پر مامور کیا، سفیر صاحب نے بتایا کہ مملکت سے مولانا کی دعوت کا خط آیا ہوا ہے، مدینۂ طیبہ میں جامعہ اسلامیہ کا قیام عمل میں آیا ہے، ہماری حکومت چاہتی ہے کہ مولانا وہاں تدریسی خدمت قبول کریں‘‘۔ (کاروانِ زندگی ۱/۴۷۲،۴۷۳،۴۷۴)

اِس کے حاشیے میں حضرت مولاناؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

’’کئی سال بعد جامعہ اسلامیہ کے امینِ عام (رجسٹرار) شیخ محمد ناصر العبودی نے بتایا کہ یہ شاہ سعود کا ذاتی خط تھا جو اُنھوں نے میرے نام لکھا تھا، وہ عام طور پر کسی کو ذاتی خط نہیں لکھتے؛ لیکن اُنھوں نے اِس موقع پر یہ خصوصیت برتی

تھی‘‘۔(ایضاً)

اِس کا جواب بھی حضرت مولاناؒ نے وہی دیا جو دمشق یونیورسٹی کی پیش کش کے موقع پر دیا تھا؛ البتہ جزوی وعارضی خدمت کے لیے آمادگی ظاہر فرمائی، کچھ عرصے کے بعد آپ کو اِطّلاع دی گئی کہ آپ کو جامعہ اسلامیہ کی مجلس اِستشاری کا رُکن بنایا گیا ہے، اُس کا پہلا اِجلاس ذوالحجہ کے تیسرے ہفتے ’’مدینہ‘‘ میں ہوگا، اِس کے متعلّق حضرت مولاناؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

’’مَیں نے اِس کو لطیفۂ غیبی اور اپنے حق میں ایک نعمت اور بشارت سمجھا، سب سے پہلے تو حضرت شیخ الحدیث (مولانا محمد زکریا صاحبؒ) سے مشورہ اور حضرت رائے پوریؒ سے اجازت لی، حضرت نے بہ خوشی اجازت دی، مَیں نے اپنی منظوری کی اطلاع دے دی‘‘۔(کاروانِ زندگی ۱/۳۷۴)

یہاں یہ چیز بھی قابلِ توجُّہ ہے کہ اِس پیش کش کی منظوری کے لیے بھی حضرت مولاناؒ نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے مشورے اور اپنے شیخ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کی اجازت کو ضروری سمجھا، حضرت مولاناؒ کے اِس طریقۂ کار میں طبقۂ اہلِ علم کے لیے بہت بڑا درس ہے۔

فیصل ایوارڈ اور مولانا کی بے نیازی

۱۹۸۰ء میں حضرت مولانا کو فیصل ایوارڈ کا اعزاز ملا، اِس کی تفصیل خود حضرت مولاناؒ کے الفاظ میں سنیے:

’’مَیں اپنے مردانہ قِیام گاہ (دائرۂ شاہ علم اللہ، رائے بریلی) کے بالاخانے

پر بیٹھا ہوا اپنے معمول کے مطابق تحریری تصنیفی کام کر رہا تھا کہ عزیزی محمد رابع سلّمہٗ لکھنؤ سے آئے، اور اُنھوں نے اطّلاع دی کہ آپ کے لیے فیصل ایوارڈ کا اعلان ہوا ہے، اور اطلاع اور مبارک باد کے یہ تار آئے ہیں، اُن میں ایوارڈ کمیٹی کے صدر امیر خالد فیصل بن عبدالعزیز کی طرف سے اطّلاع کا تار اور ریاض آ کر اُس کو وصول کرنے کی دعوت تھی، مبارک باد کے تاروں میں سب سے پہلا تار حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کا تھا، اُن کو جب ریڈیو کے حوالے سے مدینۂ طیبہ میں ایک صاحب کے ذریعے اِس کی اطلاع ملی تو فرمایا کہ علی میاں کو فوراً مبارک باد کا تار دے دو کہ اُن سے اندیشہ ہے کہ وہ اِس کے قبول کرنے سے معذرت نہ کر دیں، وہ میرے اِس تار سے میرا اِیماء سمجھ لیں گے‘‘۔ (کاروانِ زندگی ۲/۲۹۴)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب (نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ) کے اِس جملہ ’’اُن سے اندیشہ ہے کہ وہ اِس کے قبول کرنے سے معذرت نہ کر دیں‘‘ سے حضرت مولاناؒ کے مزاج اور ایسے اُمور سے آپ کی بے رغبتی کا اندازہ ہوتا ہے، اہلُ اللہ دلوں کے باطنی اَمراض واَحوال سے بہ خوبی واقف ہوتے ہیں، ایک شیخِ وقت کا یہ جملہ حضرت مولانا کے قلب میں حُبِّ جاہ کا شائبہ تک نہ ہونے کی شہادت دیتا ہے، اِسی مزاج کا نتیجہ تھا کہ اُس ایوارڈ کو وصول کرنے کے لیے خود تشریف لے جانے کے بہ جائے اپنے ایک معتَمَد ڈاکٹر عبداللہ عباس صاحب ندویؒ کو اپنا قائم مقام بنا کر بھیجا، حالانکہ مملکتِ سعودیہ کے وزیرِ تعلیم معالی الشیخ حسن عبداللہ آل الشیخ کا ایک خصوصی اور پُر زور تار آپ کے نام گیا تھا کہ آپ میری خاطر اِس جلسے میں ضرور

شریک ہوں، اِس موقع پر انتخاب کمیٹی کے صدر کے نام آپ نے جو خط لکھا، اُس میں تحریر فرماتے ہیں:

''بہتر تو یہ تھا کہ دین کی خدمت کرنے والوں کو اُن کا انعام دنیا سے جانے کے بعد ملے؛ لیکن میری لاعلمی میں اِس کا اعلان ہوا، اب میرے لیے ملک فیصل مرحوم (جن سے اِس انعام کا انتساب ہے) کی عظیم اسلامی خدمات کے اعتراف واحترام میں اِس کے سِوا کوئی چارہ نہیں کہ اُس کو قبول کرلوں''۔

اِسی خط میں آگے تحریر فرمایا کہ:

''یہ ایوارڈ دو پہلوؤں کا حامل ہے: ایک اُس کی معنوی قیمت یعنی اعزاز واعتراف، اِس کو میں شرمندگی کے ساتھ قبول کرتا ہوں، دوسرا اُس کا مالی پہلو، یعنی وہ رقم جو اِس کے ساتھ ملے گی، اُس کے لیے مَیں آپ سے اجازت چاہتا ہوں کہ مَیں اُس کو اپنی صواب دید کے مطابق اسلام کے مَفاد اور دینی خدمات کے میدان میں صَرف کروں، جس کا اعلان مولوی عبداللہ عباس ندوی کریں گے''۔

چنانچہ اِس کے لیے جو اجلاس خصوصی طور پر منعقد کیا گیا تھا اُس میں ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی نے ایوارڈ وصول کیا، اور آپ کا خط بھی پڑھ کر سنایا، اور اعلان کیا کہ نصف رقم اَفغان پناہ گزینوں کے لیے، ایک رُبُع جماعتِ تحفیظ القرآن الکریم کے لیے جس کے شیخ صالح القزّاز (سابق سکریٹری جنرل رابطۂ عالَمِ اسلامی) نگراں ہیں، اور دوسرا رُبُع مدرسہ صولتیہ مکۃ المکرّمہ کے لیے ہے، دوسرے انعام پانے والے (جن میں علمی وادبی خدمات اور تحقیقی کاموں پر ایوارڈ وصول کرنے والے

تھے) بہ ذات خود موجود تھے، اور اُنھوں نے انعام وصول کیے۔

(ماخوذ از: کاروانِ زندگی ۲/ ۲۹۵، ۲۹۶)

اِس ایوارڈ کی رقم دو لاکھ سعودی ریال تھی، جس میں سے ایک حَبَّہ بھی آپ نے نہیں لیا، ایسے واقعات تاریخِ انسانی میں خال خال نظر آتے ہیں۔

ایک عظیم ایوارڈ

۱۹۹۸ء میں دُبئی کے بین الاقوامی جائزۂ قرآن کے سرکاری ادارے جس کی صدارت ولی عہد دبئی و وزیرِ دِفاع، اِماراتِ عربیہ متّحدہ محمد بن راشد آلِ مکتوم کرتے ہیں، اِس سال کی عالمِ اسلام کی ممتاز علمی و اسلامی شخصیت کی حیثیت سے حضرت مولاناؒ کو یہ گراں قدر ایوارڈ دینے کا فیصلہ کیا، اور اِس کا اعلان بینَ لاقوامی سطح پر کر دیا گیا، حضرت مولاناؒ کو پہلے سے اِس کا علم نہیں تھا، اور اِس کا اعلان بینَ الاقوامی سطح پر ہو جانے کی وجہ سے انکار کی بھی گنجائش نہیں تھی، ایوارڈ پیش کرنے کے لیے جائزہ کمیٹی کا بینَ الاقوامی سطح پر اجلاس طے ہوا، تو حضرت مولاناؒ نے اِس ہنگامہ خیز وپُرشوکت مجلس سے بچنے کے لیے سفر سے معذرت کر دی اور اپنی خرابی صحت کا بہانہ بھی پیش کیا، وہاں سے جواب دیا گیا کہ سفر کی سہولت کے لیے مملکت کا ایک مخصوص ہوائی جہاز لکھنؤ کے ہوائی اَڈے پر بھیجا جائے گا، اور ایک ڈاکٹر بھی ہمراہ بھیجا جائے گا، پھر بھی حضرت مولاناؒ نے اپنی معذرت جاری رکھی؛ لیکن جب حکومتِ دبئی کی طرف سے یہ کہا گیا کہ حضرت مولاناؒ کے نہ آنے سے حکومت کی بدنامی اور بے عزتی ہوگی، تو مجبوراً آپ نے سفر کا فیصلہ کیا، وہاں ایوارڈ دینے کے

لیے ایک عظیم الشان اجلاس کا اہتمام کیا گیا، جس کی صدارت ولیٔ عہد دبئ شیخ محمد بن راشد نے کی، اور ایوارڈ دینے کے لیے جب آپ کا نام پکارا گیا تو تمام حاضرین نے احتراماً اپنی نشستوں سے اُٹھ کر خیر مَقدم کیا، ایوارڈ کا جب اعلان کیا گیا تو حضرت مولانا نے اُس کی پوری رقم ہندوستان اور مختلف اسلامی ممالک میں دینی تعلیم کے لیے مشغول ومخصوص اداروں کو بہ طورِ عطیہ واِعانت صَرف کرنے کا اعلان کیا۔ (ماخوذ از: کاروانِ زندگی ۲۲۱/۷)

انعام کی یہ رقم ایک مِلین (دس لاکھ) درہم کی تھی، جس کی قیمت ہندوستانی سکے میں ایک کرڑوڑ ہوتی ہے، حضرت مولاناؒ نے اُس میں سے ایک پائی بھی اپنے یا افرادِ خاندان کے لیے نہیں رکھی۔

کہ شاہیں بناتا نہیں آشیانہ

حکومتِ ہند کا اعزازی خطاب ''پدم بھوشن'' دینے کی خواہش کا اظہار دو دومرتبہ وقت کے وُزرائے اعظم کی طرف سے کیا گیا، اور اُس کو قبول کرنے کے لیے آپ سے درخواست کی گئی؛ لیکن ہر مرتبہ آپ نے یہ کہہ کر معذرت فرمادی کہ مجھے اِس سے مُعاف رکھا جائے، یہ میرے اصول اور روایات کے خلاف ہے۔

(کاروانِ زندگی ۶۴/۵)

ع کہ عَنقا را بلند ست آشیانہ

آپ کی مبارک زندگی ایسے حالات وواقعات سے بھری پڑی ہے، جو آپ کی دنیا سے بے رغبتی اور زہد وقناعت کے شاہدِ عدل ہیں، یہ تو چند بڑے

واقعات نمونے کے طور پر پیش کیے گئے ہیں۔

بے نفسی

کمالات و اوصاف کا مجموعہ ہونے کے باوجود کبھی اپنے کسی وصف اور کمال پر غرور اور عجب تو کیا معنیٰ؟ کسی مناسب موقع پر اُس کا اظہار کرنے سے بھی عموماً آپ بچتے رہے، تواضع و انکساری اور خاکساری و بے نفسی بھی آپ میں کُوٹ کُوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ع ''نہد شاخِ پُر میوہ سر بر زمین'' کے آپ حقیقی مصداق تھے۔

حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب نے بڑے پتے کی بات لکھی ہے کہ:

''ہم معمولی معمولی اعزازات ملنے پر آپے سے باہر ہو جاتے ہیں؛ بلکہ بسا اوقات اُس کے حصول کے لیے اپنے ضمیر و دِین و ملّت کا سودا کر لیتے ہیں؛ مگر مولاناؒ کے دل و دماغ پر اِن اعزازات کا نہ تو کوئی منفی اثر پڑا، اور نہ اُن کی فقیرانہ زندگی پر کوئی اثر دِکھائی دیا، اور نہ اِس کے ذریعے کسی وَجاہت حاصل کرنے کا وَہم اُن کے حاشیۂ خیال میں پیدا ہوا؛ بلکہ وہ اِن اعزازات کے تذکرے کو بھی زیادہ پسند نہیں کرتے تھے۔ (ماہنامہ الرشاد، شمارہ: ۲۲۵)

شیخ التفسیر کی سند

آپ کے اِس وصفِ خاص کی شہادت آپ کے اوَّلین شیخ و مرشد حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ نے آپ کے نام اپنے ایک مکتوب میں دی ہے،

پہلے اُس کو نقل کرتا ہوں، اِس کے بعد چند واقعات پیش کروں گا:

از احقر الانام احمد علی عفی عنہ

محترم المقام مولوی ابوالحسن صاحب بارك الله في اخلاصكم وأعمالكم

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

آپ کا ملفوف وصول پایا، حالات سے اِطلاع پاکر سرور حاصل ہوا، آپ کا خط پڑھ کر ایک حدیث شریف یاد آئی: ﴿اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ فِيْ عَيْنِيْ صَغِيْراً وَّفِيْ أَعْيُنِ النَّاسِ كَبِيْراً﴾ (اے اللہ! مجھے میری نظر میں چھوٹا اور لوگوں کی نظروں میں بڑا بنا دے)۔

الحمدللہ ثم الحمدللہ آپ کی تحریر سے اِس حدیث پر عمل کی توفیق کی خوشبو آرہی ہے، چوں کہ مَیں آپ کو اپنا سمجھتا ہوں؛ اِس لیے مجھے اِس خوشبو سے بے حد سرور ہورہا تھا، میرے دل میں آپ کی جو عزت ہے اُسے ضبطِ تحریر میں لانے کی ضرورت نہیں سمجھتا، اِسی محبت اور عزت کا یہ نتیجہ ہے کہ مَیں نے حج کی رات مسجدِ خَیف میں آپ کے درجات کی ترقی کے لیے بارگاہِ الٰہی سے اِستدعا کی، اور الحمدللہ اُس نے بارگاہِ الٰہی میں قبولیت پائی، مَیں آپ کی اَور زیادہ خدمت کرنا چاہتا ہوں، خدا کرے کہ میری یہ آرزو پوری ہوجائے، اپنے حالات سے وقتاً فوقتاً مُطّلع فرماتے رہیے۔ فقط۔ ۲۴/فروری ۱۹۴۷ء

(حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اکابر ومشاہیرِ اُمّت کی نظر میں: ۸۴)

اَیاز قدرِ خود را بشناس

حضرت مولاناؒ کے لیے جب فیصل ایوارڈ کا اعلان کیا گیا، اُس کے کچھ ہی دن کے بعد ''دارالمُصنِّفین'' کی انتظامیہ کمیٹی کا ایک اجلاس ہوا، ناظمِ دارالمصنفین مولانا سید صَباح الدین عبدالرحمٰن صاحب نے اِس موقع پر ایک تہنیتی جلسہ منعقد فرما کر حضرت مولاناؒ کی خدمت میں سِپاس نامہ پیش کرنے کا پروگرام بنالیا، جس کا علم آپ کو اعظم گڑھ پہنچ کر ہوا، اِس کا حال بیان کرتے ہوئے حضرت مولاناؒ رقم طراز ہیں:

''جب مَیں وہاں پہنچا تو مجھے یہ دیکھ کر شرمندگی ہوئی کہ اُنھوں نے اَز راہِ محبت وتعلُّق اِس کا خاصا اہتمام کیا ہے، اور قُرب وجَوار کے عُلَما اور معزّزینِ شہر کو دعوت دی ہے، سپاس نامے میں بھی اُنھوں نے اپنے اَدیبانہ اور پُر زور قلم سے وہ سب کچھ لکھا جو اُن کے خلوص ومحبت نے لکھوایا۔

مَیں شکریہ ادا کرنے کے لیے کھڑا ہوا تو مَیں نے اپنی تقریر کا آغاز محمود واَیاز کے اُس قصے سے کیا جس کا ایک فِقرہ ''ایاز قدرِ خود را بشناس'' ضربُ المثل کی طرح مشہور ہوگیا ہے، مَیں نے کہا کہ جب سلطان محمود غزنوی کے اہلِ دربار ومُقرَّبانِ خاص نے دیکھا کہ بادشاہ کا ایاز پر (جو ایک غلام تھا) وہ اِلتِفات اور نظرِ خصوصی ہے جو اُن میں سے کو حاصل نہیں، تو اُن کو حسد پیدا ہوا، اور اُنھوں نے موقع دیکھ کر سلطان سے عرض کیا کہ جہاں پناہ اِس غلام پر بہت اعتماد فرماتے ہیں اور اِس کو بارگاہِ سلطانی میں تقرُّبِ خاص حاصل ہے، ہم کو اُس کی وفاداری میں

شک ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ وہ مجلسِ شاہی سے اُٹھ کر اپنے خَلوت خانے میں جاتا ہے اور کچھ دیر وہاں ٹھہر کر چلا آتا ہے، جہاں پناہ کو اِس کی تحقیق کر لینی چاہیے کہ وہ خلوت میں کیا کرتا ہے؟ بادشاہ کو بھی بار بار کہنے سے خَیال پیدا ہو گیا، ایک مرتبہ ایاز خلوت خانے میں جانے لگا تو بادشاہ بھی اُس کے پیچھے پیچھے پہنچا، دیکھا کہ وہاں ایک پُرانی گدڑی (دَلق فقیرانہ) رکھی ہوئی ہے، ایاز اُس کے سامنے کھڑا ہوا اور کئی بار یہ فِقرہ کہا: ''ایاز! قدرِ خود رابشناس، اَیاز! قدرِ خود رابشناس''، جب وہ اِس وظیفے سے فارغ ہوا تو بادشاہ نے اُس سے پوچھا کہ تم یہاں کیوں آتے ہو؟ اور اِس فِقرے کا کیا مطلب ہے؟ اَیاز نے عرض کیا کہ ولی نعمت! مَیں جب دربارِ عالی میں آیا تھا تو گدایانہ وفقیرانہ آیا تھا، اور یہی گدڑی میرے جسم پر تھی، مَیں چاہتا ہوں کہ اپنی حقیقت نہ بھولوں اور مجھے یاد رہے کہ مَیں کس حال میں آیا تھا اور نگاہِ خسروانہ نے مجھے کہاں تک پہنچا دیا؟ اِس لیے مَیں اِس کے سامنے کھڑا ہو کر اپنا ماضی اور اپنی اصل حیثیت یاد کر لیتا ہوں؛ تاکہ میرا دماغ نہ بہکے اور مَیں خود فریبی میں مبتلا نہ ہوں۔

مَیں نے کہا کہ مَیں نے بھی اپنی پُرانی گدڑی (ابتدا کی بے نوائی اور بے حقیقتی) محفوظ رکھی ہے، اور مَیں بھی اُس کو سامنے رکھ کر ''ایاز! قدرِ خود رابشناس'' کہہ لیا کرتا ہوں، یہ گدڑی یہ ہے کہ مَیں ۱۹۳۱ء میں جب اپنے استاذ علامہ تقی الدین الہلالی کے ساتھ خادمانہ یہاں حاضر ہوا تھا، تو مَیں نے اُن کے ذریعے اپنی اِس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ مجھے یہاں کم سے کم مُشاہَرے پر (جس کی مقدار

میرے نزدیک ۲۵،۳۰ روپیے بھی ہوسکتی تھی) رکھ لیا جائے، اور مَیں کوئی خدمت انجام دوں؛ لیکن مَیں اُس وقت اِس کا بھی اہل نہیں سمجھا گیا، آج اُسی عظیم ادارے کی طرف سے میری یہ پذیرائی اور عزت اَفزائی ہورہی ہے؛ لیکن الحمدللہ مَیں اپنی حقیقت سے واقف ہوں، مجھے اپنا ماضی یاد ہے، اور مَیں اپنے بارے میں کسی فریب میں مبتلا نہیں؛ اِس لیے اپنے نفس کو مخاطَب کر کے مَیں اب بھی کہہ رہا ہوں: ''ایاز! قدرِ خود را بشناس، ایاز! قدر خود را بشناس''، اور اِسی میں اپنی حفاظت اور سلامتی سمجھتا ہوں۔ (کاروانِ زندگی ۲/ ۲۹۷ تا ۲۹۹)

ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ

دبئ کے بین الاقوامی جائزۂ قرآن کے سرکاری ادارے کی طرف سے جو ایوارڈ آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا، اُس میں بہ درجۂ مجبوری آپ کو شرکت کرنی پڑی، تقسیم جوائز کے اجلاس میں آپ کے نام کا اعلان ہوا، اُس کے جواب وشکریہ میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

''یہ ایوارڈ مجھے اِس لیے نہیں ملا کہ مَیں اِس کا حق دار تھا؛ بلکہ یہ مجھ پر اللہ عزوجل کا کرم ہے کہ ہندوستان کے ایک چھوٹے ضلع ''رائے بریلی'' کے رہنے والے اور برطانیہ کی حکومت اور اُس کے نظامِ تعلیم وفکر کے مُروَّج اور مؤثّر ہونے کے زمانے میں پرورش پانے والے کے لیے کوئی یہ پیشن گوئی نہیں کرسکتا تھا، کہ یہ بچہ کبھی اِس بینَ الاقوامی اور جزیرۃُ العرب سے اِنتساب رکھنے والے ملک کے عالمی انعام کا مستحق ہوگا، ﴿ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَاءُ، وَاللّٰہُ ذُوۡ

الْفَضْلِ الْعَظِيمِ﴾ (کاروانِ زندگی ۱۲۲/۷)

بانیٔ تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکاتیب میں حضرت مولاناؒ کو جن عظیم خطابات سے مخاطَب فرمایا ہے، اُس کے متعلِّق تحریر فرماتے ہیں:

''اِس کے بعد پے در پے مولانا کے شفقت نامے جلد جلد آنے لگے، اور اُن میں ایسے خطابات سے نوازا جانے لگا جن کا نقل کرنا بھی دوسروں کے لیے غلط فہمی اور اپنے بارے میں فریبِ نفس پیدا ہونے کا موجِب ہوسکتا ہے؛ اِس لیے جب دسمبر ۱۹۵۲ء میں مکاتیب کا یہ مجموعہ شائع ہوا تو مَیں نے اُن خطابات کو حذف کر دیا، کہ ایاز! قدرِ خود را بشناس''۔ (کاروانِ زندگی ۲۸۲/۱)

اِس مجموعۂ مکاتیب کا پیش لفظ پڑھیے، تواضع اور بےنفسی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

غلط اندیشی کا شکار نہیں ہوا

دمشق یونیورسٹی کی طرف سے اوَّلاً تدریس اور اُس سے معذرت وانکار پر مُحاضَرات پیش کرنے کی جو پیش کَش کی گئی تھی، اُس کا تذکرہ کرتے ہوئے ''کاروانِ زندگی'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''مَیں اِس حقیقت کو چھپانا نہیں چاہتا کہ مجھے ایک ترقی یافتہ عرب ملک (شام) کی ایک مؤقَّر دانش گاہ کی طرف سے ایسی دعوت آنے پر بڑی مَسرت ہوئی، اور مَیں نے اُس کو ایک علمی اعتماد واعزاز کے مُرادِف سمجھا، مَیں اپنی محدود علمی وذہنی صلاحیت اور اپنی سطح اور حیثیت سے ناواقف نہ تھا؛ اِس لیے الحمدللہ اِس

بارے میں کسی خود فریبی اور غلط اندیشی کا شکار نہیں ہوا، مَیں نے اِس کو محض اللہ تعالیٰ کا انعام، والدہ کی دعاؤں کی قبولیت، بھائی صاحب کی شفقت اور اساتذہ کی محنت کا ثمرہ ہی سمجھا؛ لیکن فطری طور پر اِس سے جو خوشی ہونی چاہیے تھی اُس سے انکار نہیں کرتا، اہلِ تعلّق کو بھی اپنے اپنے تعلّق کی بہ قدر اِس سے مسرت ہوئی، اور اُنھوں نے مبارک باد دی، یہاں صرف مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کے ایک خط کا اقتباس (مؤرخہ ۹/ جنوری ۱۹۵۶ء) نقل کیا جاتا ہے، جو اُنھوں نے اخباروں میں اِس خبر کے شائع ہونے پر تحریر فرمایا، اِس کے لفظ لفظ سے اُن کی محبت وخلوص، بے نفسی اور اخلاقی بلندی کا اظہار ہوتا ہے:

''اخبار ''الجمعیۃ'' اِسی کے بعد ''مدینہ'' میں بھی اِس تاریخی امتیاز کی خبر پڑھی جو صدیوں کے بعد ہندوستان کو حاصل ہوا، علامہ صفی الدین بدایونی کے بعد شاید آپ دوسرے ہندی عالم ہیں جن کو شام میں پڑھانے اور اپنے علوم سے شامیوں کو فائدہ پہنچانے کا موقع ملا؛ بلکہ صفی ہندی تو خود گئے تھے، اور آپ کو تو وہاں کی حکومت اور جامعہ نے طلب کیا ہے ﴿وَشَتَّانِ بَيْنَهُمَا﴾ یہ امتیاز آپ کی شخصیت تک ہی محدود نہیں ہے؛ بلکہ سارے ہندی علماء کے لیے سرمایۂ افتخار ہے۔ **يَالَيْتَ كَثَّرَ اللّٰهُ أَمْثَالَكُمْ فِيْنَا**''. (کاروانِ زندگی ۱/۴۲۲)

اِس تحریر میں کہیں بھی عُجب واِدِّعاء کا شائبہ تک نہیں ہے؛ بلکہ محض اللہ تعالیٰ کا انعام ہونے کا صاف صاف اقرار کیا جارہا ہے۔

اِفْتَحِ البَابَ بِیَدِکَ لِنَتَبَرَّکَ

۱۹۹۶ء میں سعودی حکومت کے ذریعے بیت اللہ شریف کی تعمیرِ جدید ومَرمّت کا جو کام ہوا، اُس کی تکمیل پر عالَمِ اسلام کے منتخب عُلمائے کرام اور قائدینِ ملّت کی موجودگی میں اُس کی افتتاحی تقریب ہوئی، اِس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ شرف آپ کو عطا فرمایا کہ کعبۃ اللہ کا دروازہ آپ کے ہاتھوں کھولا گیا، مولانا ممشاد قاسمی نے اِس واقعے کی تفصیل اپنی معلومات کے مطابق اِن الفاظ میں تحریر فرمائی ہے:

''حضرت مولانا شوقِ زیارت میں حَرم شریف میں حاضر تو ہو گئے؛ لیکن اِژدِحام کی کثرت کے باعث پہلے تو کعبہ سے کچھ دُور کھڑے رہے، اِس کے بعد جو عارضی زِینہ اندر داخلے کے لیے درِ کعبہ پر لگایا جاتا ہے حضرت اُس زینے میں آ کر بیٹھ گئے؛ کیوں کہ شَیبی صاحب (کلید بَردارِ کعبہ) تشریف نہیں لائے تھے، یہ شیبی خاندان حضرت عثمان ابن طلحہ رضی اللہ عنہ کا خاندان ہے جن کو خود رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خانۂ کعبہ کی کنجی سپرد فرمائی تھی، اور آج تک یہ مقدّس ومحترم امانت اور عظیم شَرف نسلاً بعد نسلٍ اِسی خاندان میں چلا آ رہا ہے، کوئی بڑے سے بڑا بادشاہ ہو یا عام زائر، جب وہ خانۂ کعبہ میں داخل ہونا چاہتا ہے تو کعبۃ اللہ کا قُفل اور دروازہ کھولنے کی سعادت وعزت اِنھیں کو حاصل ہوتی ہے، اور یہ موروثی اور دائمی سعادت اِن کو براہِ راست دستِ نبوّت سے عطا ہوئی تھی، تھوڑی دیر کے بعد شیبی صاحب تشریف لائے، اور سلام دعا کے بعد حضرت مولانا مدظلہم کو (کمر کے پیچھے

سے دوسری طرف کی بغل میں ہاتھ ڈال کر) سہارا دے کر احترام سے اوپر لے گئے، اُس وقت تک بھی حضرت کو یہ اندازہ نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اِس سعادتِ کُبریٰ اور شرفِ عظیم کے لیے قبول فرمالیا ہے؛ حتیٰ کہ زینے کی آخری سیڑھی پر پہنچ کر اور درِ کعبہ کے سامنے کھڑے ہوکر شیبی صاحب نے اچانک خانۂ کعبہ کی مقدّس چابی حضرت مولانا کو پیش کرتے ہوئے فرمایا: ”أَنتَ شَیخُ العَالَمِ وَشَیخُ الحَرَمِ أَیضاً، اِفتَحِ البَابَ بِیَدِکَ لِنَتَبرَّکَ“ اور یہ کہتے ہوئے چابی کعبہ کی چوکھٹ پر رکھ دی، اور حضرت کو اشارہ کیا کہ دروازہ کھولیں، حضرت مولاناؒ نے یہ مقدّس امانت اپنے امین ہاتھوں میں لی، بلاشبہ اُس وقت سعادت وخوش بختی سوسو بار آپ کی بَلائیں لے رہی ہوں گی، بلند اقبالی اور نصیبہ وری دَست بوسی؛ بلکہ قدم بوسی کے لیے بار بار اور ہزار بار مچل رہی ہوگی، یہ مسعود ومبارک ساعت اسلامی تاریخ کے دَرخشاں اور لازوال اَوراق کا باب بن کر ایک ایسے واقعے کی شکل میں محفوظ ہوگئی جس پر خود تاریخ ناز کرتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ ایسی ہی شخصیتوں سے تاریخ کا سُہاگ باقی رہتا ہے، اور ایسے ہی واقعات سے تاریخ کا احترام قائم ہے۔ (حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اکابر ومشاہیرِ امت کی نظر میں، ص: ۲۰۵)

اِس عظیم الشان اور اہم واقعے کو حضرت مولاناؒ کی روایتی تواضع وبے نفسی کس انداز سے پیش فرمارہی ہے، یہ بھی ”کاروانِ زندگی“ کے حوالے سے سن لیں:

”راقم اپنے رُفقاء: بھائی عثمان صاحب، حاجی عبدالرزاق اور عزیزی بلال کے ساتھ حَرم شریف میں حاضر ہوگیا، وہ پہلے بیت اللہ شریف سے کچھ دُور

کھڑا رہا، پھر داخلے کے مشتاق ومُنتظر مجمع میں شامل ہو گیا، اُس کو برابر خیال رہا کہ اِس اِژدِحام اورادب واحترام کے مقام میں وہ کیسے یہ سعادت حاصل کر سکے گا؟ اچانک کلید بردارِ کعبہ شیبی صاحب آئے، اور اُنھوں نے راقم کو اشارہ کیا کہ وہ زینے پر چڑھے، راقم اوپر پہنچا تو اُنھوں نے کلیدِ کعبہ درِکعبہ پر رکھ دی، اور اشارہ کیا کہ مَیں دروازہ کھولوں، راقم نے یہ شرف حاصل کیا، اور بیت اللہ میں پہلے داخل ہوا، وہاں شاہ سعود کے پوتے سموُ الامیر مشعل بن محمد بن سعود نے راقم سے کہا: دعا کیجیے، راقم نے اپنی بِساط کے مطابق یہ شرف حاصل کیا، جس میں داخل ہونے والوں کا مجمع شامل تھا، یہ شرف وسعادت جو اِس ناچیز گنہ گار کو حاصل ہوئی اُس کا مقابلہ دنیا کے بڑے بڑے اعزاز نہیں کر سکتے۔ ﴿وَذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَاءُ، وَاللّٰہُ ذُوۡ الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ﴾ (کاروانِ زندگی ۶/ ۳۳۸)

اِس کے حاشیے پر جو اِضافہ ہے اُس کو بھی سَماعت فرمالیں:

''یہاں اِس کا بھی اظہار کر دینا ضروری اور مناسب ہے کہ راقم کی بے خبری میں اُس کے ایک کرم فرمانے اِس کو ایک بڑا اشرف سمجھتے ہوئے مکۂ مکرمہ سے لکھنؤ کے ایک مشہور صحافی محترم حسین امین صاحب کو بہ ذریعۂ ٹیلی فون اِس کی اِطّلاع کر دی، اور یہ خبر ''قومی آواز'' لکھنؤ میں نمایاں طریقے پر شائع ہوگئی، معلوم ہوا کہ مشہور انگریزی اخبار ''ہندوستان ٹائمز'' (HINDUSTAN TIMES) میں بھی یہ خبر غالباً پہلے ہی صفحے پر شائع ہوئی، اِس کے نتیجے میں راقم کو اُس کی واپسی پر مختلف مقامات سے احباب وقدر دانوں کے مبارک باد کے خطوط ملے، جن کو

پڑھ کر وہ شرمندہ بھی ہوا اور اِس عزت پر شکر گزار بھی۔ (کاروانِ زندگی ۶/ ۳۳۸)

تاکہ ہم لوگ اپنی خامیوں پر غور کرسکیں

حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب ندویؒ اپنے ساتھ پیش آیا ہوا، ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں، جس سے حضرت مولاناؒ کے کردار کی بلندی اور انتہائی درجہ تواضع کا پتہ چلتا ہے:

''۱۹۷۰ء میں ندوہ میں طلبا نے کچھ لوگوں کی شہ پر اسٹرائک کی، مولانا ناظم تھے؛ شاید اِس لیے اُن کی ذات کو نشانہ بنایا گیا تھا، مَیں بھی طلبا کا حامی تھا، چنانچہ ہنگامی طور پر مجلسِ انتظامیہ کی میٹنگ بلائی گئی، مجھ تک جو اِطلاعات ملی تھیں اُن کی بنا پر مَیں طلبا کا حامی تھا؛ اِس لیے اعظم گڑھ سے ایک سخت تحریر لکھ کر ساتھ لے گیا کہ اِسے مجلس انتظامیہ میں پڑھوں گا؛ مگر جب مجلسِ انتظامیہ ہوئی اور مولانا نے ایک طویل تحریر پڑھی، اور اُس کا پورا پسِ منظر بیان کیا، تو مجھے پھر اپنی تحریر پڑھنے کی جُرأت نہیں ہوئی؛ مگر جب مجلس ختم ہوئی تو اِس کے بعد مجھ سے تنہائی میں مولانا نے کسی ناگواری کے بغیر فرمایا کہ ''سنا ہے آپ کوئی تحریر پڑھنے والے تھے؛ مگر نہیں پڑھی، تو اب مجھے دے دیجیے؛ تاکہ ہم لوگ اپنی خامیوں پر غور کرسکیں'' اِس جملے سے خَجالت وشرمندگی سے شرابور ہوگیا، اور تحریر دینے کی ہمت نہیں ہوئی''۔ (الرشاد، شمارہ: ۲۲۵)

خلوص

اپنے رفیقِ محترم مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ کی وفات پر جو تعزیتی تقریر فرمائی، اُس میں فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے اُن سے بہت کام لیا، حضرت رائے پوریؒ سے بیعت کا تعلّق تھا، وہ فرماتے تھے کہ قِیامت میں جب اللہ تعالیٰ سوال کرے گا کہ کیا لائے؟ تو مَیں دو آدمیوں کا نام لوں گا: پہلا نام مولانا محمد منظور نعمانیؒ کا لیا۔

(کاروانِ زندگی ۷/ ۳۵)

یہاں پر بھی آپ نے بر بنائے تواضع دوسرا نام ذکر نہیں فرمایا؛ کیوں کہ وہ آپ کا تھا، حالاں کہ لوگ بزرگوں کے اِس نوع کے کلمات (جو اپنے سلسلے میں ہوں) موقع بے موقع نقل کرتے رہتے ہیں؛ لیکن حضرت مولاناؒ نے موقع اور ضرورت کے وقت بھی اپنا نام حذف فرمادیا۔

فِروتنی کا سانچہ

ڈاکٹر مولانا عبداللہ عباس صاحبؒ نے بالکل درست تحریر فرمایا کہ:

''بڑوں کے اعترافات اور اُن کی تحسین وتوصیف سے مزاج کے اعتدال میں کبھی فرق نہیں آیا، اور نہ اُن کے کہے ہوئے الفاظ کو دہرایا، آپ ''کاروانِ زندگی'' کے تمام حصے پڑھ جائیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اُن الفاظِ تحسین واعتراف کو مولانا نے دعا اور فالِ نیک سمجھا، حضرت مولانا محمد الیاسؒ، حضرت مولانا شاہ عبدالقادرؒ، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ، حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ؛ وقت کے اَساطینِ رُشد وہدایت نے آپ کو بلند ترین الفاظ سے یاد کیا؛ لیکن بجائے اِس کے کہ طبیعت میں اپنی بَڑائی کا احساس ہو، مزاج کے اندر مزید فِروتنی اور شکستگی پیدا ہوگئی، ایسا نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو سمجھتے ہی نہ ہوں، وہ اپنی

مقبولیت، شہرت اور مقام سے بھی واقف ہیں؛ مگر طبیعت کا سانچہ ایسا بنا ہے کہ عزت ومقبولیت نے آپ کے اندر عُجب، خود پسندی، خودستائی، خودنمائی کے بجائے فروتنی، رحم دلی، دوسروں کے احساسات کے احترام کا جذبہ پیدا کردیا، کثرتِ ذکر وتلاوت ومعمولات کی پابندی نے سیر چشمی کے ساتھ ساتھ دل شکستگی اِس درجہ پیدا کردی جس سے اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کی حِس ہی ختم ہوگئی۔ (میر کارواں: ۵۱،۵۲)

تفسیرِ خازن میں راسخ فی العلم کی چار علامات بتلائی گئی ہیں:

دشوار ومشکل ضرور ہے

اَلرَّاسِخُ فِي الْعِلْمِ مَنْ وَجَدَ فِي عِلْمِهٖ أَرْبَعَةَ أَشْيَاءَ: اَلتَّقْوٰى فِيمَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اللّٰهِ تَعَالٰى، وَالتَّوَاضُعُ فِيمَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ النَّاسِ، وَالزُّهْدُ فِيمَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الدُّنْيَا، وَالْمُجَاهَدَةُ فِيمَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ النَّفْسِ. (خازن: ۱/۲۵۹)

یعنی اپنے اور اللہ تعالیٰ کے معاملے میں تقویٰ، اور اپنے اور لوگوں کے معاملے میں تواضع، اور اپنے اور دنیا کے معاملے میں زُہد و بے رغبتی، اور اپنے اور اپنے نفس کے معاملے میں مجاہدہ۔

حضرت مولاناؒ کی زندگی میں یہ چاروں اَوصاف علیٰ وجہ الاتم نظر آتے ہیں، اور اِن ہی اوصاف نے آپ کو شُہرت ومقبولیت اور عظمت ومحبوبیت کے بامِ عروج پر پہنچایا، حضرت مولاناؒ کی مبارک زندگی پر بہت کچھ لکھا اور کہا گیا، اور آئندہ بھی یہ سلسلہ جاری رہے گا؛ لیکن یہ بات شک وشبہ اور تردُّد سے بالاتر ہے کہ ہر طرح کی عزت وشہرت اور مقبولیت ومحبوبیت کی جس فضا اور ماحول میں حضرت

مولاناؒ نے زندگی گزاری، اُس میں کسی بڑے سے بڑے آدمی کا جاہ ومال سے اِس درجہ دست کش اور بے رغبت رہنا، اور تواضع وبے نفسی کے صراطِ مستقیم پر اِس مضبوطی سے جمے رہنا ناممکن ومُحال نہیں، تو دشوار ومشکل ضرور ہے۔

حضرت مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی مدظلہم کی یہ بات مجھے بہت پسند آئی جو آپ نے یہیں ''باٹلی'' میں منعقد ایک تعزیتی اجلاس میں کہی تھی کہ:

مولاناؒ نے ایک ''تاریخِ دعوت وعزیمت'' اپنے قلم سے لکھی، اور ایک دوسری ''تاریخِ دعوت وعزیمت'' اپنے عمل سے لکھی۔ ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ، فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ، وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا﴾ (الأحزاب:۲۳)

بہر حال! اِس مضمون کو طویل کر کے کہاں تک آپ کا وقت لوں!

ع سفینہ چاہیے اِس بحرِ بیکراں کے لیے

تجاہُل سا کر کے ٹال گئے

آخر میں حضرت مولانا عبد الماجد صاحب دریابادیؒ نے آپ کا جو سراپا تحریر فرمایا ہے، اُس پر مضمون ختم کرتا ہوں، یہ یاد رہے کہ مولانا دریابادیؒ کی یہ تحریر ۱۹۷۳ء (یعنی حضرت مولاناؒ کی وفات سے ۲۶/ سال قبل) کی ہے، اِس کے بعد تو اللہ تعالیٰ نے حضرت مولاناؒ کو دِین ودنیا کے بڑے بڑے اعزازات سے نوازا، اگر آج مولانا دریابادیؒ ہوتے تو نہ معلوم یہ سراپا کس انداز سے تحریر فرماتے؟

''علی میاں مرحوم نہیں، ماشاء اللہ زندہ سلامت ہیں، اور خدا کرے

خدمتِ دِین وملّت کے لیے مدّتوں اِس خاکداں کو زندہ وسرسبز رکھیں، عمر میں مجھ سے کہیں چھوٹے ہیں؛ لیکن علم وفضل میں، سنجیدگیٔ فکر میں، اِخلاص میں، اَخلاق وتقویٰ میں، عبادت میں، ریاضت میں، خشیّت وطاعت میں میرے بڑوں میں شامل ہونے کے قابل، رائے بریلی کے سیدزادے خاندان کے اَور لوگوں سے بھی واقف ہوں، باپ اور بھائی کا کیا کہنا! دونوں نورٌ علیٰ نورٍ، پاک، صاف، طاہر، مُطہّر مٹی (جو تیمّم کے قابل ہو) سے بنے ہوئے، دوسرے اَعزّہ بھی اپنی جگہ قابلِ قدر وقابلِ فخر، یہ اُن تاروں کے جھرمٹ میں آفتاب، ندوہ اور دیوبند ماشاء اللہ دونوں کے اکابر سے علمِ دین حاصل کیا، اور اپنے خاندان کے بزرگوں سے (اور اِنھیں میں مائیں اور دادیاں بھی شامل ہیں) اخلاق وروحانیت کا سبق لیا، ذَکاوت وفطانت کے پتلے پہلے سے تھے۔ چندے آفتاب چندے ماہتاب بن کر رہے، انگریزی بھی بہ قدرِ ضرورت تحصیل کرلی، اور عربی ادب وانشاء میں تو ہندوستان اور عالَمِ اسلام میں نام پیدا کرلیا ہے۔ خود اردو وشعر وادب کا اعلیٰ مذاق رکھتے ہوئے شامی ومصری صحافت پر بھی سَیر حاصل نظر کرلی، تقریر وحکایت میں ملکۂ روانی تحریر سے بھی زائد، میری طرح کاہل وجامد نہیں، ندوہ جیسے بڑے دارالعلوم کا انتظام بھی کرتے ہیں، اور سارے ہندوستان کا دورہ الگ: ابھی یہاں، ابھی وہاں۔ اور مقالات وتصانیف ہیں کہ ساتھ ہی ساتھ کھٹا کھٹ نکلتی چلی آرہی ہیں، اردو اور عربی کے عِلاوہ انگریزی میں بھی؛ بلکہ کسی حد تک ترکی میں بھی، زندگی قابلِ داد بھی، قابلِ رشک بھی۔

خود مجھے اپنے معاملے میں بُخل یا تواضعِ بے جا کی شکایت البتہ ہے، ایک بار نہیں، شاید دوایک بار، اوراشارۃً کنایۃً نہیں، منھ پھوڑ کر پوچھا: حضرت! شاندار مصطلحاتِ تصوُّف کا مفہوم کچھ تو ہم نیاز مندوں پر کھولیے، اور تنازُلِ ستّہ کے چہرے سے نقاب ذرا توسَرکایئے، توجُّہِ باطن سے قلب کوگرمایئے! کچھ جواب نہ ملا، تجاہُل سا کرکے ٹال گئے، ایسا تجاہُل جو دانستہ تغافُل سے کم نہیں۔ اِتنے کام مختلف قِسم کے اپنے سر لے رکھے ہیں کہ کوئی اُن کی مفصَّل فہرست ہی بنالے تو یہی ایک کمال ہے۔ (معاصرین:۲۱۷،۲۱۸)

آخر میں پھر معزَّز سامعین سے اِس سَمع خَراشی پر بہ صد ادب ونِیاز مُعافی اور دَرگزر کی درخواست کے ساتھ رُخصت ہوتا ہوں۔

تمت وبالفضل عمت

خطبۂ استقبالیہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُلِلّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِيۡنَ، وَالصَّلاَةُ وَالسَّلاَمُ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوۡلاَنَا مُحَمَّدِنِ النَّبِيِّ الرَّسُوۡلِ الۡأَمِيۡنِ، وَعَلٰى اٰلِهٖ وَأَصۡحَابِهٖ أَجۡمَعِيۡنَ، وَعَلٰى كُلِّ مَنۡ تَبِعَهُمۡ بِإِحۡسَانٍ إِلٰى يَوۡمِ الدِّيۡنِ.

جنابِ صدر، باوقار ومعزّز حضرات عُلمائے کرام، رہنمایانِ قوم وملّت اور مسلمان بھائیو!

آج کے اِس بابرکت اور پُرمَسرّت اِجلاس میں تمام مسلمانانِ گجرات خصوصاً اَہالیانِ احمد آباد اور اراکینِ مجلسِ استقبالیہ کی طرف سے آپ تمام حضرات کا خلوصِ دل سے خیر مَقدم کرتا ہوں۔ أَهۡلاً وَّسَهۡلاً وَّمَرۡحَباً.

آج کا دن ہمارے لیے مَسرّت وسعادت کا دن ہے کہ، ملتِ اسلامیہ ہند کی مقتدَرا اور رہنما ہستیوں اور عُلما وقائدین کے اِس کاروان نے ہماری سرزمین کو اپنے قدومِ مَیمنت لزوم سے نوازا ہے:

کلاہ گوشۂ دہقاں بہ آفتاب رسید		کہ سایہ برسرش اَنداخت چوں تُو سلطانے

ساتھ ہی صمیمِ قلب سے شکر گزار ہوں کہ، آپ حضرات نے اپنی گوناگوں اور قیمتی مصروفیتوں اور گراں قدر ذمّے داریوں سے وقت نکال کر یہاں تشریف آوری کی زحمت گوارا فرمائی، اور سفر وموسم کی صعوبتوں اور عمر وصحت کے تقاضوں اور کاموں کے تنوُّع کے باوجود ہمیں میزبانی کا شرف عطا فرما کر اجلاس کی رونق کو دوبالا فرمایا۔ حق تعالیٰ آپ کی اِس تشریف آوری کو ہندوستان کی اُمّتِ

مسلمہ کے لیے مفید سے مفید تر بنائے۔ آمین

سرزمینِ گجرات میں قدومِ میمونت

محترم حضرات! اِس وقت ہم جس سرزمین پر جمع ہیں اُس کا بھی کچھ ذکر ہو جائے یہ ضروری ہے: اللہ تعالیٰ نے سرزمینِ گجرات کو بہت سی خوبیوں اور امتیازی اوصاف سے نوازا ہے، گجرات صدیوں تک علم وفن کا مرکز، اربابِ ہنر کا گہوارہ، ارشاد وتلقین کا سرچشمہ، اقتصادی زندگی کی شہ رگ اور ایک سرگرم تجارتی منڈی رہا تھا، رُوحانی اور مادِّی زندگی کی ساری نعمتیں یہاں جمع ہوگئی تھیں، بعض اعتبار سے تو قُرونِ وُسطیٰ کی تاریخ میں اِس کو پورے ملک میں ایک امتیازی حیثیت حاصل تھی، ہندوستان کا یہی وہ علاقہ تھا جس کے سرسبز پہاڑوں پر سب سے پہلے مسلمانوں کی نگاہ پڑی تھی۔ ارضِ ہند سے عربوں کے تعلُّق کی ابتدا حقیقتاً اِسی خطۂ زمین سے ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں مسلمانوں نے سَواحلِ گجرات پر قدم رکھا، کوئی تعجب نہیں کہ کچھ صحابہ بھی یہاں آئے ہوں اور اِس سرزمین میں آسودۂ خواب ہوں، مؤرِّخِ شہیر حضرت مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ ’’یادِ ایام‘‘ میں تحریر فرماتے ہیں:

’’یہ تاریخی واقعہ ہے کہ، ۱۵ھ میں (یعنی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے رِحلت فرمانے کے صرف پانچ سال بعد) فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بحرین وعُمان کی حکومت پر عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ عنہ کو نامزد فرمایا، جن کا شمار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں تھا، اِنھوں نے عِنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لینے کے ساتھ اپنے بھائی حَکَم بن

ابی العاص رضی اللہ عنہ کو بحرین کی حکومت پر نامزد کرکے حُکم دیا کہ: وہ ہندوستان پر فوج کَشی کریں، حَکَم رضی اللہ عنہ نے کشتیوں کے ذریعے سے دریائی سفر کی سخت منزلیں طے کیں، اور اپنی فوج کو لیے ہوئے سب سے پہلے سواحلِ گجرات پر قدم رکھا۔ یا یوں کہنا چاہیے کہ: ہندوستان کی سرزمین میں سب سے پہلے گجرات کو یہ شرف حاصل ہوا کہ، اُس خدائے یکتا پر ایمان لانے والوں کا اور اُسی ایک ہستی کو وَحدَہٗ لَاشَرِیكَ لَہٗ جاننے اور اُسی کو قادرِ مطلَق اور مُصرِّف الامور ماننے والوں کا پاک قدم پہلے اِسی سرزمین پر پڑا، اور اِسی سرزمین کے دَشت وجَبل ہندوستان میں سب سے پہلے اللّٰہ أکبر کے نعروں سے گونجے۔ اِس حملے میں جن سعادت مندوں کو مرتبۂ شہادت نصیب ہوا اُن میں غالبًا وہ اَنفاسِ قُدسیہ بھی تھے جنھوں نے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا جمالِ جہاں آرا دیکھا تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ صحبت اور رُوحانی تعلیم سے بھی مستفید ہوچکے تھے، اُن فدائیانِ اسلام کی قدسی صورتیں اِسی سرزمین کے آغوشِ محبت میں گنجِ بے رنج کی طرح مدفون ہوئیں، اگرچہ ہم کو اُس کنزِ مخفی کا پتہ نہیں ہے؛ مگر یہ یقینی ہے کہ، بمبئی اور بھروچ کے گرد ونواح میں یہ خزانہ سپرِ دِخاک ہوا ہوگا''۔ (یادِ ایام ص:۴۴،۴۵)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد یہ علاقہ عربوں کی توجُّہ کا مرکز بن گیا تھا، ۱۵۹ھ میں عباسی خلیفہ نے یہاں جو فوج بھیجی تھی اُس میں ابوبکر رَبیع بن صَبیح بصریؒ بھی شامل تھے، وہ نہ صرف تابعی تھے؛ بلکہ حدیث کی پہلی کتاب اُنھوں نے ہی تیار کی تھی۔ اُن کے حلقۂ تلامذہ میں امام سفیان ثوریؒ، امام عبدالرحمٰن بن مہدیؒ، امام

وکیع بن جرّاحؒ اور امام علی بن عاصم جیسے ائمۂ فن شامل تھے۔ اِس طرح گجرات میں علمِ حدیث کی داغ بیل ایسی مبارک ہستی کے ہاتھوں پڑی جن کے خرمنِ کمال کے خوشے میں اُس عہد کے مشاہیر علُما تھے۔ دہلی کا مرکزِ حدیث گجرات کے بہت بعد مَنصّۂ شہود پر آیا، شیخ عبدالحق محدِّث دہلویؒ نے ابھی اپنی مسندِ درس نہیں بچھائی تھی کہ گجرات علمِ حدیث کا مرکز بن چکا تھا، صحیح بخاری کی دو شرحیں- جو غالبًا ہندوستان میں بخاری کی سب سے قدیم شرحیں ہیں- اِسی سرزمین پر لکھی گئی تھیں، یہاں علامہ شمس الدین سخاویؒ اور علامہ ابنِ حجر مکیؒ وغیرہ کے تلامذہ نے علمِ حدیث کی ترویج واشاعت میں اپنی زندگیاں گزاردی تھیں، یہاں کی درس گاہیں اور خانقاہیں ہندوستان ہی نہیں؛ بلکہ بیرونِ ہند سے تشنگانِ علم ومعرفت کو کھینچتی تھی، سولہویں اور سترہویں صدی میں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دِینی اور ثقافتی زندگی کا مرکزِ ثقل گجرات کی طرف منتقل ہوگیا ہے، اور شاید ہی کوئی دِینی یا علمی شعبہ ایسا ہو جس کے متبحّر عالم یہاں موجود نہ ہوں۔ علمِ حدیث کی سرگرمی کے ساتھ ساتھ یہاں فقہ میں بھی شاندار کارنامے انجام پائے تھے، روحانی خانوادے بالخصوص: چشتیہ، سَہروَردِیہ، مغربیہ، شطّاریہ سلسلوں کی عظیم الشان خانقاہیں اور جماعت خانے یہاں قائم ہوئے، اور یہاں سے ملک کے دوسرے علاقوں میں اُن کے ذریعے سلسلوں کا دَورِ تجدید واِحیاء شروع ہوا۔ مؤرِّخوں نے گجرات کی اقتصادی خوش حالی، اُس کی عمارتوں کی خوب صورتی اور اُس کی صحت بخش آب وہوا کی تعریف کی ہے، اِس کی بندرگاہوں نے تمام ایشیائی ممالک سے رشتے قائم کرلیے تھے، ہندوستان کے حاجیوں کے قافلے

اِسی سرزمین سے گزرتے تھے۔ (جناب پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب)

اسلامی فتوحات سے قبل ہندوستان کے جس علاقے سے عرب سب سے زیادہ متعارَف تھے وہ گجرات تھا، عرب سیّاحوں اور جغرافیہ نویسوں نے اِس کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔

مسعودی (م ۳۴۶ھ، ۹۵۷ء) ”مروج الذہب ومعادنُ الجوہر“ میں گجرات کے راجہ ”بلہرا“ کے متعلّق لکھتا ہے: سندھ اور ہندوستان کے راجاؤں میں راجہ بلہرا کی طرح مسلمانوں کو اَور کسی حکومت میں عزت حاصل نہیں ہے، اسلام اِس راجہ کی سلطنت میں محفوظ اور معزَّز ہے، اُس کے ملک میں مسلمانوں کی نمازِ پنج گانہ کی مسجدیں اور جامع مسجد ہیں، جو آباد ہیں۔ گجرات کے راجہ نے عرب تاجروں کے لیے- جو ساحلی علاقوں میں بس گئے تھے- مسلمان قاضی مقرَّر کیے تھے، جو ”ہنرمن“ کہلاتے تھے۔ تاریخی شہادتوں سے ثابت ہے کہ، گجرات میں مسلمانوں کا سیاسی اقتدار قائم ہونے سے پہلے مسلم آبادی اور اُس کے ثقافتی ادارے وُجود میں آ گئے تھے۔ (ایضاً)

احمد آباد کے مدارس، مساجد، خانقاہیں

محترم سامعین! اِس شہر احمد آباد کی بنیاد سلطان احمد شاہ نے ڈالی، اِس کی تعمیر کا آغاز ذوالقعدہ ۸۱۳ھ میں اور تکمیل ۸۱۶ھ میں ہوئی۔ چار سو پچاس- اور ایک روایت کے مطابق پانچ سو- عالی شان مسجدیں بنائی تھیں، جو دُور دُور سے سنگِ خارا لاکر اُس کے ذریعے تعمیر کی گئی تھیں، یہاں کے مدارس، مساجد اور خانقاہیں

پورے ملک میں شہرت رکھتی تھی۔ ابوالفضل لکھتا ہے کہ: احمد آباد میں ایک ہزار مساجد ہیں جن کے مینار اور کتبے بے حد شان دار اور دِل کش ہیں۔ اُس کا خیال تھا کہ، احمد آباد کی زینت کا سبب اُس کی مساجد ہی تھیں، یہاں کے مدارس صدیوں تک تشنگانِ علم کی پیاس بجھاتے رہے، محمود شاہ اول کے زمانے میں یہاں متعدّد ''مدارس بہشتِ آگیں'' قائم کیے گئے تھے۔ حضرت مولانا وجیہ الدین علویؒ کا مدرسہ مدّتوں درس وتدریس کا مرکز رہا، اور ملک کے بڑے بڑے عالم یہاں علمی پیاس بجھانے کے لیے آتے رہے، اُن مدارس میں طَلَبا کو وظائف کثیر تعداد میں ملتے تھے، اور اُن کے کھانے اور رہنے کے لیے حیرت انگیز سہولتیں فراہم کی گئی تھیں، اِس سلسلے میں عثمان کا مدرسہ، خان سرور کا مدرسہ، سرخیز کا مدرسہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، ہندوستان کی کوئی علمی تاریخ اِس کو نظر انداز نہیں کرسکتی۔ احمد آباد کا ''حوضِ قطب'' (جو اِس وقت کانکریہ کہلاتا ہے) ہندوستان کا سب سے بڑا حوض ہے۔

محترم حضرات! یہ تو گجرات اور احمد آباد کی تاریخِ ماضی کے چند اَوراق آپ کے سامنے پیش کیے، اِس وقت صوبہ گجرات کے مختلف حصوں میں بحمد اللہ تعالیٰ بڑے علمی ودینی مدارس اور ادارے موجود ہیں؛ البتہ شہر احمد آباد میں مدتوں کے جُمود وتعطُّل کے بعد پچھلے چند سالوں سے پھر علمی ادارے وجود میں آرہے ہیں، جن میں سے ایک ''مدرسہ عربیہ اسلامیہ جوہاپورہ'' ہے، جس کے صحن میں اِس وقت ہم اور آپ جمع ہیں۔ یہ نومولود ادارہ پچھلے ڈھائی سال سے وُجود میں آیا ہے، اور بحمد اللہ تعالیٰ صُوَری ومعنوی ترقی کی راہوں پر گامزن ہے، اور اپنی علمی ودینی خدمات

کے ذریعے لوگوں کے دلوں میں اپنا مقام بنا رہا ہے۔ اِس کے عِلاوہ دوسرا جامعہ ''فیضان القرآن پترے والی مسجد'' ہے، جہاں مجلسِ استقبالیہ کا دفتر قائم ہو کر اجلاسِ ہٰذا کی پیشگی تیاریوں میں مصروف رہا، جس کی بنیاد ایک ولی صفت بزرگ حضرت مولانا فضل احمد صاحب دامت برکاتہم نے ڈالی، جس کی ۲۶/ شاخیں شہر احمد آباد میں قرآنِ پاک کی خدمت میں مصروف ہیں، اور خود جامعہ فیضان القرآن میں ۳۲۵/ طلبہ مقیم ہیں، جن کو حِفظ و ناظرہ، تجوید اور فارسی کی معیاری تعلیم دی جارہی ہے، اور پچھلے سالوں میں ۸۰/ حُفَّاظِ کرام قوم کی خدمت میں پیش کر چکا ہے۔

سعیٔ پیہم کی ضرورت

بزرگانِ محترم! ہمارا فرض ہے کہ ماضی کے تجرَبوں سے مستقبل کے لیے سبق لیں، اور حال کے سرمایے سے استقبال کے لیے توشہ فراہم کریں، ہم اِس آزاد مملکت میں باعزت شہری بن کر رہیں یا پس ماندہ، از پا اُفتادہ، خود فراموش ومعاذ اللّٰہ خدا فراموش بن کر زندگی گزاریں، یہ ہمارے فکرِ صَحیح، بیدار مغزی اور ہمارے عمل وکردار پر موقوف ہے۔ کوئی بھی صحیح الحواس پس ماندگی کو پسند نہیں کرسکتا، ہر ایک سلیمُ الفطرت پس ماندگی کی ذلّت کو موت سے بدتر سمجھتا ہے؛ مگر محترم حضرات! جب تک سعیٔ پیہم اور جِدّ وجُہد کی روشنی نمایاں نہ ہو پس ماندگی کی تاریکی کو چھانٹا نہیں جاسکتا، پس ماندگی ظلمت وتاریکی ہے اور جِدّ وجُہد نور اور روشنی، جب بھی کوشش اور سعیٔ پیہم کی روشنی دھیمی پڑتی ہے پس ماندگی کی تاریکی اُبھر آتی ہے۔ آپ اگر پس ماندگی کی تاریکی ختم کرنا چاہتے ہیں تو صراطِ مستقیم پر جِدّ وجُہد کی

روشنی تیز کر دیجیے، دنیا کا کام ہو یا دِین کا، اجتماعی ہو یا انفرادی؛ ہر ایک کے لیے قانونِ قدرت یہی ہے: ﴿لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعٰى﴾ (انسان کو صرف وہی ملتا ہے جو اپنی کوشش سے حاصل کرے)۔ آج کے اِس اجتماع میں ہمارے غور وفکر کا بنیادی نقطہ یہی ہونا چاہیے کہ، ہمارا عمل اور کردار کیا ہو؟ دِینی لحاظ سے جو پستی ہم میں ہے، یا دنیاوی پس ماندگی جو موجود ہے یا جس کے دامن گیر ہونے کا خطرہ ہے، اُس کے دفع کرنے کی تدبیریں کیا ہوں؟ قوتِ عمل کس طرح متحرِّک ہو اور جذباتِ خوابیدہ کس طرح بیدار ہوں؟۔

مذہبی افتراق کی تاریخ

محترم حضرات! ہمارے ملک کا دستور جمہوری اور سیکولر ہے، اِس میں اپنے علوم، اپنے مذہب، اپنی روایات، اپنی تہذیب اور اپنے کلچر کی حفاظت ہمارا حق ہے اور ہمارا فرض بھی، اور اِس فریضے کو ہمیں ہی انجام دینا ہے، سیکولر جمہوریہ کا امانت دارانہ فریضہ یہ ہے کہ وہ ہماری کوشش میں رُکاوٹ نہ ڈالے۔

اِفتراق اور فرقہ وارانہ مُنافَرت جو آج پائی جا رہی ہے، یہ اُن زہریلے جراثیم کا نتیجہ ہے جو انگریز نے خاص قِسم کی تعلیم اور ڈپلومیسی سے ہندو اور مسلمانوں کے دماغوں میں پیوست کیے تھے۔ پنجاب ایگزکٹو کونسل کے بہت پُرانے ممبر ''سر جان مینارڈ'' نے خود اقرار کیا تھا کہ: ''شجرِ علم کا پھل چکھنے سے پہلے عوام میں مذہبی اِفتراق کا احساس نہ تھا''۔ نیز یہ کہ: ''ہندو مسلمانوں کے مابین عام مخالَفت برطانیہ کے عہد میں شروع ہوئی''۔ (اِن پیپی انڈیا، لالہ لاجپت رائے)

انگریز سے پہلے کے ہندوستان پر بھی ایک نظر ڈالیے:

سترہویں صدی عیسوی کے مشہور سیاح ایلگزانڈر ہملٹن نے سندھ کے پُرانے شہر ''ٹھٹھ'' کے متعلِّق لکھا تھا کہ:

''یہاں ریاست کا مسلَّمہ مذہب اسلام ہے؛ لیکن ہندؤں کے ساتھ مذہبی رَواداری پورے طور سے بَرتی جاتی ہے، وہ اپنے برت رکھتے ہیں اور تہواروں کو اُسی طرح مناتے ہیں جس طرح پہلے زمانے میں مناتے تھے، جب کہ راج خود ہندؤں کا تھا''۔

آگے چل کر لکھا ہے:

''صرف بنیوں کے ۸۵/ فرقے ہیں، اور اگرچہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ کھانا نہیں کھاتے؛ لیکن آپس میں مل جُل کر رہتے ہیں، پارسی بھی ہیں، اور وہ اپنے رسوم مذہبِ زردشت کے بہ موجَب ادا کرتے ہیں، عیسائیوں کو پوری اجازت ہے کہ وہ گرجے بنائیں اور اپنے مذہب کی تبلیغ کریں'' الخ۔

مختصر یہ کہ فرقہ واریت -جس کا رَقصِ برہنہ آج ہر اَمن پسند شہری اور ملک کے ہر ایک خیر خواہ کو پریشان کیے ہوئے ہے- ہندوستانیوں کی فطرت نہیں ہے؛ بلکہ ایک سکھایا ہوا سبق ہے جو فراموش بھی ہوسکتا ہے، بہ شرطے کہ تعلیم گاہیں -جہاں یہ سبق سب سے پہلے پڑھایا گیا تھا- اپنی اصلاح کے لیے آمادہ ہوں، اور کم از کم غلط تاریخوں کی تصحیح کرلیں۔

کوئی شک نہیں کہ، گلشنِ وطن کو فرقہ واریت کے کانٹوں سے صاف

کر کے انسانی بھائی چارے کی ہموار سطح تیار کرنا تمام اہلِ وطن کا مشترک فرض ہے؛ مگر یہ مشترک فرض مسلمان کا مخصوص فرض ہو جاتا ہے؛ کیوں کہ محض باشندۂ ملک کی حیثیت سے نہیں؛ بلکہ اِس حیثیت سے بھی کہ وہ اُس ذاتِ اقدس کا دامن سنبھالے ہوئے ہے جن کو مَکارمِ اخلاق کی تکمیل کے لیے تمام جہانوں کے واسطے رحمت بنا کر بھیجا گیا تھا، ایک مسلمان پر لازم ہوتا ہے کہ وہ اُن اِصلاحات کا عَلَم بَردار ہو۔

اسلام کا مستقبل روشن ہے مگر ہمارا مستقبل؟

محترم سامعینِ کرام! کسی مسلمان کے لیے اِس میں شک وشبہ کی قطعاً گنجائش نہیں کہ، اسلام کا مستقبل روشن ہے؛ کیوں کہ اسلام کسی خاص قوم کا کلچر نہیں؛ بلکہ وہ ایسے ہمہ گیر اُصول کا نام ہے جن کو فطرتِ سلیم اُس وقت سے تسلیم کیے ہوئے جب سے انسان نے خدا شناسی اور معرفتِ الٰہی کو نصبُ العین اور دِین داری و مذہبیت کو وظیفۂ عمل بنایا۔ إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الإِسْلَامُ.

موجودہ دنیا لفظِ اسلام سے خواہ کتنا ہی گُریز کرے؛ مگر اسلام کے اصول ونظریات غیر شعوری طور پر اختیار کرتی جارہی ہے، اور جیسے فلسفہ اور سائنس کی موشِگافیاں حقیقت سے قریب ہوتی جائیں گی اِن اصول کی صداقت وحقّانیت نکھرتی جائے گی، اور حقیقت پسند انسانوں کی گردنیں اِس کے تسلیم کرنے کے لیے جھکتی جائیں گی۔ اِن اصولوں کو منوانے کے لیے نہ کبھی قوت وحَشمت اور تیغ وسِنان کی ضرورت پڑی، نہ آج ضرورت ہے، نور کو نور اور روشنی کو روشنی تسلیم کرنے کے

لیے صرف چشمِ بینا کی ضرورت ہے، اور اِتنا انصاف درکار ہے جو ''روزِ روشن'' کو ''شبِ تار'' کہنے کی اجازت نہ دے سکے؛ البتہ ایک بات یاد رہے کہ، اسلام کا مستقبل اگر روشن ہے تو یہ ضروری نہیں کہ، ہم جیسے بدنام کنندگانِ اسلام کا مستقبل بھی روشن ہو، ہم اگر اپنا مستقبل روشن بنانا چاہتے ہیں تو شرط یہ ہے کہ اسلام کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وابستہ ہوں، داعیٔ اسلام حضرت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ کے دامنِ رحمت کو زیادہ مضبوطی سے سنبھالیں۔ ﴿وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (تم ہی سر بلند ہوگے بہ شرطے کہ صاحبِ ایمان ہو)۔

یہود ونصاری کو اُن کے اِس تصوُّر نے برباد کیا کہ: وہ خواہ کچھ ہوں، اُن کے اَخلاق واَطوار خواہ کیسے ہوں، وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور اُس کے لڑکے بالے ہیں ﴿نَحْنُ أَبْنَاءُ اللّٰهِ وَأَحِبَّاؤُهٗ﴾ ؛ مگر کتابُ اللہ نے بِلا کسی لاگ لپیٹ کے نہایت صفائی سے اعلان فرمایا: ﴿بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّأَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْئَتُهٗ فَأُولٰئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ (کیوں نہیں! جو بُرائی کا مُرتکب ہوا اور اُس کے گناہ اُس کو گھیر لیں، تو وہ دوزخ والے ہیں، ہمیشہ اُسی آگ میں رہیں گے) یعنی رنگ ونسل، قبیلہ اور خاندان کا کوئی امتیاز نہیں، امتیاز اخلاق وکردار کا ہے، اسلام کا جامہ پہن کر اگر ایمان واسلام کی حقیقت بھی اختیار کرتے ہو تو بے شک سربلندی تمھارا حصہ ہے؛ ورنہ اللہ کو اپنے دینِ حق کے لیے تمھاری حاجت نہیں ﴿إِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْا أَمْثَالَكُمْ﴾ (اگر تم نے منھ موڑا تو اللہ تعالیٰ تمھارے سِوا کوئی دوسری قوم بدل

دے گا، پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے)۔حفاظتِ اسلام کے نعرے بہت کچھ بلند کیے جاتے ہیں؛ مگر اُس کے عملی پہلو سے ہم خود گُریزاں رہتے ہیں، اسلام کوئی مُجسَّمہ نہیں جس کی حفاظت کے لیے لاؤلشکر کی ضرورت ہو، آپ اپنے اندر اسلام کو سمو لیجیے، آپ بھی محفوظ ہو جائیں گے اور اسلام بھی محفوظ ہو جائے گا، عمل سے گریز اور زبان پر دعوے! معاذ اللہ﴿ كَبُرَ مَقْتاً عِنْدَ اللّٰهِ أَنْ تَقُوْلُوْا مَالا تَفْعَلُوْنَ﴾.

محترم سامعین! شمع جہاں بھی ہو پروانے خود بہ خود قربان ہونے کے لیے دوڑتے ہیں، نہ لالچ دِلانے کی ضرورت ہے نہ ڈرانے دھمکانے کی ،صرف فطرت کی سلامتی درکار ہوتی ہے، اور یہ کہ نورِ شمع بے حجاب ہو۔ بدقسمتی سے آج ہمارے اعمال واخلاق شمعِ اسلام کے لیے حجاب بنے ہوئے ہیں، ہم اپنے اعمال واخلاق کو نورِ ایمان کا آئینہ دار بنالیں، پروانے خود بہ خود لپکیں گے۔

اتحاد اور پیچیدہ مسائل کے حل کی ضرورت

آج اِسی مقصد کے لیے ہندوستان کی مِلّتِ اسلامیہ ’’آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ‘‘ کے اسٹیج پر متحِد ہوئی ہے، اور دِین وملّت کے قائدین ورہنماؤں کا یہ کارواں زَین البلاد احمد آباد میں وارد ہوا ہے، مسلمانانِ گجرات واحمد آباد اپنے اِن اکابرین کو’’خوش آمدید‘‘ کہتے ہوئے فخر ومسرت محسوس کرتے ہیں، ہم اِس اجتماع کو -جس نے اُمتِ مسلمہ میں اِتّحاد کی ایک لہر پھونک دی ہے- اُمَّت کے لیے فالِ نیک سمجھتے ہیں۔

گذشتہ دنوں ہندوستان کی عدالتِ عالیہ نے ’’یونیفارم سِوِل کوڈ‘‘ کے

نِفاذ کے لیے حکومتِ وقت کو اُبھار کر پھر سے اِس مسئلے کو ہوا دی ہے۔

اِس وقت اولین فرصت میں یہ ضروری ہے کہ، اِس ملک میں بسنے والے تمام مسلمان عزمِ مصمّم کرلیں کہ: ہم اِن حالات کا مقابلہ کریں گے، اِس کے لیے آپسی اختلافات کو پسِ پُشت ڈال کر مُتّفق ومُتّحد ہوکر بورڈ کے پلیٹ فارم سے جمہوری طریقے اپنا کر اُس کا مقابلہ کریں، یہ ضروری ہے۔ ہم جلسے جلوس اور نعرہ بازی کو کافی سمجھ رہے ہیں، اور ایسا سمجھ رہے ہیں کہ بڑے بڑے اجلاسات میں حکومت کے خلاف اپنے جذبات کے جوشیلے اظہار سے مسائل حل ہوجائیں گے، اور ہم مذہب کی حفاظت کے بار سے سبک دوش ہوجائیں گے، یہ اندازِ فکر غیر مفید ہونے کے ساتھ ساتھ مِلّی وجود کے لیے بھی مُہلِک ہے۔ اہم بات تو یہ ہے کہ ہم پیچیدہ مسائل کے بارے میں جلد بازی کے عادی ہوچکے ہیں، کسی بھی مسئلے کی بنیاد کیا ہے؟ وہ کون سی کمی ہے جہاں سے یہ اُبھرا ہے؟ اِس کی تحقیق اور پھر اُس کے ازالے کی تدبیر کی طرف ہم بہت کم توجّہ کرتے ہیں۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ، قوموں کا عروج وزوال اُن کے اپنے حالات پر موقوف ہے، کوئی بھی حکومت کسی قوم کو ہلاک نہیں کرسکتی جب تک کہ خود اُس نے اپنی تباہی کا سامان مُہیّا نہ کیا ہو۔

اپنے معاشرے کی اصلاح

بڑے افسوس کا مقام ہے، کہ ہم اپنی زندگیوں پر نظر نہیں کررہے ہیں، کہ ہم روزانہ کتنے اسلامی اُصول توڑ رہے ہیں؟ ہم خود کو اور مُعاشرے کو کتنا بگاڑ رہے ہیں؟ ہم میں قدم قدم پر خرابیاں موجود ہیں، ضرورت تھی کہ ہم دوسروں کو کچھ کہنے

کے بہ جائے اپنے گھر کی خبر لیتے، اپنی اصلاح کرتے، مُعاشرے کو صحیح لائن پر لانے کی سعی کرتے، اور جو لوگ ہمارے دِین ومذہب میں دَخل اندازی کر رہے ہیں اُن کے ساتھ پورے یقین اور بھرپور اعتماد کے ساتھ گفتگو کرتے، ہم اپنے اعلیٰ اخلاق اور اسلامی مُعاشرے کی قوتِ عمل سے اُن کا منھ بند کر دیتے۔ آج ملّتِ اسلامیہ ''پرسنل لا'' کی نسبت سے پیدا شدہ بیداری سے فائدہ اُٹھا کر اصلاحِ مُعاشرہ کی تحریک شروع کر دے، اِس جوش کا رُخ مَنفی سَمت سے ہٹا کر مُثبَت سَمت کی طرف کر دیں، اور شہر شہر، قریہ قریہ، محلّہ محلّہ؛ ہر مسلم گھرانے میں اسلامی تعلیمات صحیح انداز میں پیش کی جائیں، اور اسلام کی خوبیوں کو اُجاگر کیا جائے، اور ہر فرد کو آمادہ کیا جائے کہ آج ہی سے وہ اپنی پوری زندگی اسلامی ہدایت کے مطابق گزارے گا۔ اگر ہم نے یہ کر لیا تو مجھے یقین ہے کہ، آج جو لوگ اسلام اور قرآن کے دشمن ہیں کل وہ اسلام کو اپنانے پر مجبور ہوں گے۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ ہمارا مُحافِظ صرف اللہ تعالیٰ ہے، اُسی کے ہاتھ میں عزت وذلّت ہے، محدُود وقت کے لیے کرسیٔ اِقتدار پر قابض لوگوں کے سامنے اپنے مسائل پیش کر کے ہم کسی حال میں مطمئن نہیں ہو سکتے۔ بالفرض اگر وہ ہم سے خوش بھی ہو گئے اور ہمارے مطالَبات منظور بھی کر لیے؛ لیکن ہم اپنے مُعاشرے کو اسلامی سانچے میں نہ ڈھال سکے، تو کیا ہمیں ملا ہوا اِقتدار کا یہ سہارا ہمارے لیے کار آمد ہوگا؟ اور کیا اللہ تعالیٰ اور اُس کے پاک رسول ﷺ کی طرف سے ہم پر ڈالا گیا فریضہ ختم ہو جائے گا؟ ظاہر ہے کہ اِس کا جواب نفی میں ہے، تو ہم اپنی تمام توانایاں حکومت سے ٹکّر لینے میں

کیوں صَرف کریں! حکومت کو اپنے نظریے سے آگاہ کر دینے کے بعد ہمیں اپنا رُخ اپنے بھائیوں کی اصلاح کی طرف کیوں نہیں موڑنا چاہیے؟ اگر ہم نے خود شریعت کی حفاظت نہ کی، اپنی عزت وآبرو کی حفاظت کا خود فکر نہ کیا، تو غیروں سے شریعت وعزت کی حفاظت کا مطالبہ کیوں!!!۔

آخر میں مکرّر ہدیۂ تشکُّر واِمتنان خدماتِ عالیہ میں پیش کرتا ہوں، کہ آپ نے قدم رنجہ فرما کر ہماری عزت افزائی فرمائی، اور ہمیں خدمت کا موقع دیا، اِس سلسلے میں اگر کوتاہی بھی ہو جائے تو درگزر کا معاملہ فرمائیں۔ ساتھ ہی شہر احمد آباد کی مختلف برادریوں، مختلف تنظیموں کے خصوصاً اور مسلمانانِ گجرات کے عموماً ہم شکرگزار ہیں، جنھوں نے دامے، دِرمے، قدمے، سُخنے اِس اجلاس کو ہر پہلو سے کامیاب بنانے میں اپنا ممکنہ اور پُرخلوص تعاون دیا۔ فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالىٰ خَيْراً.

ہم اللہ تعالیٰ کے حضور دست بہ دعا ہیں کہ: وہ تحفُّظِ شریعت کی اِس مقدّس تحریک کو نظرِ بد سے بچا کر اِس اجلاس کو ہر پہلو سے کامیاب بنائے۔ (آمین يَارَبَّ الْعَالَمِينَ) وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، وَالصَّلاَةُ وَالسَّلاَمُ عَلىٰ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ، مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الأَمِيْن، وَعَلىٰ اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ.

بحمد اللہ

بیعت ہونے والوں کو ہدایات

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور أنفسنا ومن سیئات أعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ، ومن یضللہ فلاھادي لہ، ونشھد أن لاإلٰہ إلا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ، ونشھد أن سیدنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ. أمابعد:

أعوذباللہ من الشیطان الرجیم. بسم اللہ الرحمن الرحیم.

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُاللہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ فَمَنْ نَکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلیٰ نَفْسِہٖ وَمَنْ اَوْفیٰ بِمَا عٰھَدَ عَلَیْہُ اللہَ فَسَیُؤْتِیْہِ اَجْرًا عَظِیْمًا.(الفتح:۱۰)

ترجمہ: بے شک جولوگ آپ سے بیعت کررہے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کررہے ہیں، اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے، سو جو کوئی عہد توڑے گا تو اُس کے عہد توڑنے کا وبال اُس پر پڑے گا، اور جو کوئی اِس چیز کو پورا کرلے گا جس کا اُس نے اللہ سے عہد کیا ہے، تو اللہ اُسے عنقریب بڑا اجر دے گا۔

بیعت کی حقیقت

اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام کو بجالانے یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا اُن پر عمل کرنے، اور جن چیزوں سے بچنے کا حکم دیا ہے اُن سے بچنے میں آج تک ہم نے جو کوتاہی اور غفلت کی اُس سے توبہ، اور آئندہ اِس طرح کی کوتاہی نہ کرنے کے عہد و پیمان کا نام ''بیعت'' ہے، یہی دو باتیں یعنی:

گزشتہ سے توبہ اور آئندہ کے لیے عہد و پیمان (ایگریمنٹ) بیعت کی حقیقت اور اِس کا خلاصہ ہے۔

توبہ کی حقیقت

توبہ کے صحیح ہونے کے لیے چار چیزیں ضروری ہیں:

(۱) گناہ چھوڑنا:

پہلی چیز یہ ہے کہ آدمی جس گناہ سے توبہ کر رہا ہے اُس کو چھوڑ دے، گناہ پر باقی رہتے ہوئے توبہ درست نہیں ہوسکتی، جیسے: کوئی آدمی ناپاکی: پیشاب و پاخانہ کے گڑھے میں گرا ہوا ہے، اب وہ پاک ہونا چاہتا ہے، تو پہلا کام یہ ہے کہ وہ گڑھے سے باہر آجائے، اِس کے بعد پانی کا استعمال کرے، اگر اندر رہتے ہوئے اُس پر ساری دنیا کا پانی بہا دیا جائے تب بھی وہ پاک نہیں ہوگا۔

(۲) ندامت:

دوسری چیز یہ ہے کہ جو گناہ سرزد ہوا ہے اُس پر ندامت اور افسوس ہو کہ "مَیں نے یہ کیا کیا؟ کس کا حکم توڑا؟ کس بڑی ذات کی نافرمانی کی؟"

(۳) آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ عزم:

تیسری چیز یہ ہے کہ دل میں یہ پکا ارادہ کرے کہ مَیں آئندہ گناہ نہیں کروں گا۔ (إن شاء الله العزيز)

(۴) حقوق کی ادائیگی:

چوتھی چیز یہ ہے کہ اِس پر غور کیا جائے کہ جس گناہ سے توبہ کی جارہی ہے

اُس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ یا کسی بندے کا حق تو نہیں مارا گیا؟ اگر کوئی حق مارا گیا ہے تو توبہ اُس وقت تک مکمل نہیں ہوگی جب تک وہ حق ادا نہ کیا جائے۔

گناہ دو طرح کے ہوتے ہیں: بعض گناہ وہ ہوتے ہیں جن میں کسی کا حق نہیں مارا جاتا، اِس سے توبہ کرنے میں مذکورہ چار چیزوں میں سے پہلی تین چیزیں انجام دے دیں تو توبہ مکمل ہوگئی، مثلاً: کسی آدمی نے بدنگاہی کی یا شراب پی لی، تو اِن گناہوں کی وجہ سے کسی کا حق ضائع نہیں ہوا، اب اِس گنہگار نے تین کام کر لیے یعنی: اِس نے بدنگاہی اور شراب چھوڑ دی، ندامت وافسوس بھی ہوا، اور آئندہ بدنگاہی نہ کرنے اور شراب نہ پینے کا پختہ ارادہ بھی کرلیا، تو توبہ مکمل ہوگئی۔

اور بعض گناہ وہ ہوتے ہیں جن کے نتیجہ میں کسی کے ہاتھوں کسی کا حق بھی ضائع ہوا ہے، تو توبہ کے صحیح ہونے کے لیے پہلی تین چیزوں کے ساتھ چوتھی چیز بھی ضروری ہوگی کہ ضائع شدہ حق ادا کر دیا جائے، مثلاً: کسی نے چوری کی، یا کسی کو مارا پیٹا، یا اَور کوئی حق ضائع کیا ہے، تو توبہ صحیح ہونے کے واسطے ضروری ہوگا کہ پہلے تین امور کے ساتھ حق دار کا حق بھی ادا کیا جائے، یعنی جس کی چوری کی ہے اُس کا مال واپس کر دیا جائے، اور جس کو مارا ہے اُس سے معافی تلافی کر لی جائے، اور صاحبِ حق کا حق ادا کر دیا جائے، اِس کے بغیر توبہ صحیح نہیں ہوگی۔

عام فہم مثال سے وضاحت

آپ کے گھر میں بجلی کا کنکشن ہے، آپ نے ''بِل'' ادا نہیں کیا، جس کی وجہ سے الیکٹرک بورڈ والوں نے کنکشن کاٹ دیا، اب آپ درخواست دے رہے

ہیں، معافی بھی مانگ رہے ہیں کہ ’’میری بھول ہوگئی، آئندہ ایسا نہیں کروں گا، دوبارہ مجھے کنکشن دے دو‘‘، اگر وہ آپ کی معافی مان بھی لیں تب بھی بجلی استعمال کرنے کی وجہ سے جو بِل باقی ہے، وہ تو ادا کرنا ہی پڑے گا، وہ معاف ہونے والا نہیں، اگر کسی درجہ میں رعایت کی بھی تو زیادہ سے زیادہ جُرمانہ (پینلٹی) معاف کریں گے، بِل کی اصل رقم تو دینی ہی پڑے گی، یہی حال توبہ کا بھی ہے، یعنی توبہ اُس وقت قبول ہوگی جب کہ حق داروں کے حقوق ادا کر دیے جائیں۔

حقوق کی قسمیں

ہم سے ضائع ہونے والے حقوق دو طرح کے ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کے حقوق (۲) بندوں کے حقوق۔

حقوق اللہ

آدمی کے بالغ ہوتے ہی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے وہ حقوق لازم ہو جاتے ہیں جو بالغ ہونے سے پہلے لازم نہیں تھے، مثلاً: نماز فرض ہو جاتی ہے، روزے فرض ہو جاتے ہیں، اگر کسی کے پاس نصاب کے بہ قدر مال ہے تو اُس پر زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے، قربانی اور صدقۂ فطر واجب ہو جاتا ہے، اور استطاعت ہو تو حج بھی فرض ہو جاتا ہے۔

مسئلہ: شریعت نے بلوغ کی کچھ علامتیں بتائی ہیں کہ آدمی کو احتلام ہو جائے، یا عورت سے صحبت کرے تو بالغ ہو جاتا ہے؛ ورنہ جہاں اسلامی پندرہ

سال پورے ہوئے آدمی بالغ ہو جاتا ہے۔

اگر بالغ ہونے سے لے کر اب تک کچھ نمازیں چھوٹ گئی ہیں اور اُن کی قضا نہیں کی، تو یہ نمازیں محض توبہ سے معاف نہیں ہوں گی؛ بلکہ اُن کی قضا کرنی ضروری ہے؛ ورنہ توبہ نامکمل ہوگی۔

مسئلہ: قضا صرف فرض وواجب نمازوں کی کی جائے گی، نفلوں اور سنتوں کی قضا نہیں کی جائے گی، ویسے وقت میں جب ہم نماز پڑھتے ہیں تو فرض کے ساتھ سنتیں بھی پڑھتے ہیں، مثلاً: فجر کی دو رکعت فرض سے پہلے دو رکعت سنت، اور ظہر کی چار رکعت فرض سے پہلے چار سنتیں پڑھتے ہیں؛ لیکن قضا تو صرف فجر کی دو فرض، ظہر کی چار فرض، عصر کی چار فرض، مغرب کی تین فرض، عشاء کی چار فرض اور وتر کی تین واجب کی ہوگی۔

اب چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضا کرنی ہے؛ لیکن قضا شروع کرنے سے پہلے یہ طے کر لینے کی ضرورت ہے کہ میرے ذمہ کتنی نمازیں باقی ہیں؟ یہ طے کیے بغیر بات پوری طرح قابو میں نہیں آئے گی۔

حقوق اللہ کی ادائیگی کا طریقہ

نمازوں کا اندازہ: چھوٹی ہوئی نمازوں کی تعداد صحیح طور پر معلوم نہیں کہ کتنی نمازیں چھوٹی ہوئی ہیں؟ اب اندازہ لگایا جائے گا، اِس طور پر کہ مثلاً اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بیس سال کی عمر میں نماز کی توفیق دی، پندرہ سے لے کر بیس سال تک کل پانچ سال تو مسلسل ایسے گذرے ہیں کہ جس میں ہم نے کوئی نماز نہیں پڑھی؛

لہٰذا ڈائری میں نوٹ کرلو کہ پانچ سال کی نمازیں میرے ذمہ باقی ہے، پھر بیس سال کی عمر سے نماز شروع کردی، اِس وقت عمر تیس سال ہے، اِس دس سال کے عرصہ میں ہماری نمازیں کبھی کبھار چھوٹتی رہیں اور اُن کی تعداد معلوم نہیں، تو اِس کا اندازہ لگا کر نوٹ کرلیں گے۔

اندازہ لگانا آسان ہے؛ اِس لیے کہ عام طور پر ہر آدمی اپنی عادت سے بخوبی واقف ہوتا ہے، ہفتہ کا پورا ٹائم ٹیبل معلوم ہوتا ہے، مثلاً: ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ ہر ہفتہ سنیچر کے دن فجر کے لیے تو اُٹھتے ہیں، اور ظہر بھی پڑھ لیتے ہیں؛ البتہ چار بجے اہل وعیال کے ساتھ گاڑی لے کر تفریح کے لیے ساحل پر یا کسی پارک میں چلے جاتے ہیں، جس کی وجہ سے عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں تفریح کی نذر ہوجاتی ہیں، پھر اتوار ہے، چوں کہ اُس دن دوکان پر تو جانا نہیں ہوتا، اُس دن دوستوں کے ساتھ آدھی رات تک بیٹھے رہتے ہیں، جس کی وجہ سے فجر کی نماز قضا ہوجاتی ہے، اور بدھ کا روز کلب کے لیے مخصوص ہے، اور دوستوں کے ساتھ بیٹھے رہنے کی وجہ سے ظہر کی نماز چھوٹ جاتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ ہفتہ بھر میں کون کون سی نمازیں چھوٹتی ہیں وہ عموماً ہمیں معلوم ہوتا ہے، اب اِن چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضا کرنی ہے تو اِس کا حساب لگاؤ کہ بیس سال کی عمر میں نماز شروع کی تھی، اور آج تیس سال کی عمر ہوئی ہے؛ چنانچہ ہم نے اندازہ لگایا کہ سنیچر کے روز تین نمازیں: عصر، مغرب اور عشاء؛ اتوار کے روز فجر کی اور بدھ کے دن ظہر کی قضا ہوتی ہیں؛ گویا ہفتہ بھر میں ایک فجر، ایک ظہر، ایک عصر،

ایک مغرب اور ایک عشاء کی قضا ہوئی، کُل دس سال کی قضا کرنی ہے، اور ایک سال کے باون (۵۲) ہفتے ہوتے ہیں؛ اِس لیے دس سالوں کے پانچ سو بیس (۵۲۰) ہفتے ہوتے ہیں، تو ۵۲۰ فجر کی نمازیں، اِتنی ہی ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں قضا ہوئی ہیں، جن کا کُل میزان (۵۲۰×۵=۲۶۰۰) ۲۶۰۰ ہے، گویا ہمارے ذمہ کل ۲۶۰۰/ نمازیں باقی ہیں، اگر ہر نماز ہفتہ میں دو دو چھوٹی ہیں، تو دو گنا (ڈبل) کر لیجیے؛ اِس حساب سے (۲۶۰۰×۲=۵۲۰۰) ۵۲۰۰ نمازیں قضا کرنی ہوں گی، اور اگر تین تین چھوٹی ہیں تو تین گنا کر دیجیے، اِس حساب سے دس سال کی نمازوں کا کُل میزان (۲۶۰۰×۳=۷۸۰۰) ۷۸۰۰ ہوتا ہے، اِس کو ڈائری میں تاریخ کے ساتھ نوٹ کر لیجیے، مثلاً: ۲۳ دسمبر سے قضا کرنا شروع کیا ہے۔

اِس طرح سے قضا کرنے کی صورت میں بہ آسانی حساب ہو سکے گا، اگر اندازہ لگائے بغیر اور ڈائری میں نوٹ کیے بغیر قضا شروع کر دی، تو ہمیں نفس دھوکہ دے گا اور سمجھائے گا کہ تُو مسلسل چھ مہینے سے قضا کر رہا ہے، اب تو پوری ہوگئی ہوگی، آخر تیری کتنی نمازیں چھوٹی ہیں؟ ہم نفس کے دھوکہ میں آ کر مطمئن ہو بیٹھیں گے، کہ ہمارے ذمہ کوئی نماز باقی نہیں؛ حالاں کہ حقیقت میں ہمارے ذمہ اَور بھی نمازیں باقی ہیں، اور اگر ہم نے پہلے سے نوٹ کر لیا ہے تو ڈائری نکال کر نفس کو بتائیں گے کہ تُو کہتا ہے کہ چھ مہینے سے قضا کر رہا ہے؛ اِس لیے قضا پوری ہوگئی؛ لیکن ہم نے ڈائری میں لکھ رکھا ہے کہ پانچ سال کی نمازیں مسلسل چھوٹی ہیں؛ اِس لیے پانچ سال تک روزانہ ایک ایک دن کی پڑھتا رہوں گا تب وہ پوری

ہوگی، ابھی تو وہ بھی مکمل نہیں ہوئی۔

رمضان کے روزوں کا اندازہ: اگر بالغ ہونے کے بعد رمضان کے روزے چھوٹ گئے ہیں تو اُن کا بھی اندازہ کیا جائے گا، مثلاً: آج تیس سال کی عمر ہے، اور ہر سال چار روزے چھوٹتے تھے، تو بالغ ہونے سے لے کر اب تک پندرہ سالوں کے روزوں کا کل میزان (۱۵×۴=۶۰) ۶۰ ہوا، اِس کو ڈائری میں نوٹ کر کے اِس کے مطابق قضا کرتے رہیں گے۔

زکوٰۃ کا اندازہ: اگر آپ نے پچھلے چند سالوں کی زکوٰۃ ادا نہیں کی، تو سال اور مال کا اندازہ لگا کر زکوٰۃ ادا کر دیجیے، مال کی مقدار عام طور پر آدمی کو معلوم ہوتی ہے، مثلاً: دس سال سے ۲۵/ تولہ سونا رکھا ہوا ہے؛ لیکن اب تک اُس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی ہے، تو کسی مفتی صاحب سے پوچھ کر اِتنے سالوں کی زکوٰۃ ادا کر دیجیے، اِسی طرح تجارت کے مال اور روپیوں پیسوں کا حساب لگا کر پچھلے سالوں کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

اگر قربانی واجب تھی وہ ادا نہیں کی، تو ہر سال کی قربانی کے بدلے میں درمیانی قسم کے بکرے کی قیمت کا صدقہ ضروری ہے۔ اور اگر صدقۂ فطر نہیں دیا تو ہر سال کے تقریباً پونے دو کیلو گیہوں کے حساب سے جتنے سال کا صدقۂ فطر واجب ہے اُتنے گیہوں یا اُس کی قیمت ادا کر دیجیے۔

یہ سب اللہ تعالیٰ کے حقوق ہیں، اِن کو مذکورہ طریقوں کے مطابق ادا کر دیا جائے۔

حقوق العباد

یہ حقوق کی دوسری قسم ہے، جن کو "حقوق العباد" یعنی: بندوں کے حقوق کہا جاتا ہے۔

بندوں کے ضائع کیے جانے والے حقوق دوطرح کے ہیں: (۱) جانی حقوق (۲) مالی حقوق۔

(۱) جانی حق تلفی کا مطلب یہ ہے کہ کسی بندے کو تکلیف پہنچائی جائے، مثلاً: کسی کو مارنا پیٹنا، کسی کو بے عزت و بے آبرو کرنا، گالیاں دینا، تہمت لگانا، بہتان باندھنا وغیرہ؛ یہ سب جانی حقوق ہیں۔

(۲) مالی حقوق کے ضائع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً: کسی کا مال چرانا، قرض لے کر واپس نہ دینا، شریک (پارٹنر) کا مال اُس کو بتائے بغیر دبالینا، بہنوں اور دوسرے رشتہ داروں کو حقِ میراث نہ دینا، پڑوسی یا کسی اَور کی کوئی چیز لے کر واپس نہ کرنا، کسی کی کوئی چیز توڑ کر اُس کی قیمت ادا نہ کرنا وغیرہ؛ یہ سب مالی حقوق ہیں۔

اِن حقوق کا تعلق بندوں سے ہے؛ اِس لیے اُن کی ادائیگی اور معافی کا تعلق بھی بندوں سے وابستہ ہے، یعنی بندہ جب تک معاف نہیں کرے گا اُس وقت تک یہ حقوق معاف نہیں ہوں گے، اگر کسی کو شبِ قدر بھی مل جائے اور وہ پوری رات: مغرب سے لے کر فجر تک اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے اِن حقوق کی معافی مانگتا رہے، اور روتا گڑگڑاتا رہے، تب بھی معاف نہیں ہوں گے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرمائیں گے کہ یہ تو بندے کا حق ہے اُس سے معاف کراؤ، وہ معاف کرے گا تو

میری طرف سے معاف ہے؛ ورنہ نہیں۔ یہ مضمون حدیثِ پاک میں وارد ہے، اور عقل کا بھی یہی فیصلہ ہے۔

مثال: آپ کا بیس تیس سال کا بیٹا ہے، مَیں نے اُس کی پٹائی کی، اب مَیں آپ کے پاس آکر معافی مانگوں کہ آپ کے بیٹے کو مَیں نے مارا ہے؛ اِس لیے مجھے معاف کر دیجیے، تو آپ کہیں گے کہ بھائی! اُس کا معاملہ ہے، اُس سے معافی مانگو، میرے پاس کیوں آئے ہو؟ اِسی طرح حقوق العباد کے معاملہ میں جب ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے توبہ کریں گے، تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرمائیں گے کہ اُسی بندے ہی سے معاملہ نمٹاؤ۔

بندوں کے حقوق کی ادائیگی کا طریقہ

جن لوگوں کے حقوق ذمہ باقی ہیں اُن کو ادا کرنا ضروری ہے؛ لیکن ہمیں معلوم نہیں کس کو کیا دینا ہے، کتنا دینا ہے؟ اُس کی ادائیگی کا طریقہ بھی آسان ہے: دنیا میں کروڑوں انسان بستے ہیں، تمام سے ہمیں کوئی واسطہ نہیں پڑتا، اُن میں سے ہمارا واسطہ رشتہ داروں، خاندان کے لوگوں، دوست، احباب، اڑوسی پڑوسی، تاجروں اور کاروباری حضرات سے پڑتا ہے؛ کم تعلقات والے کو بیس تیس لوگوں سے، اور زیادہ تعلقات والے کو سو، دوسو آدمیوں سے سابقہ پڑتا ہے، اُن میں سے جن جن کے حقوق ضائع کیے ہیں اُن کی فہرست بنائیے، مثلاً: عبداللہ بھائی سے دس سال سے تعلقات ہیں، اُن دس سالوں میں میرا اُن سے جھگڑا ہوا، فلاں دن گالیاں دیں، فلاں وقت لڑائی ہوئی تھی، مَیں نے اُن کی پٹائی کی تھی، تہمت لگائی

تھی، اُن کے ساتھ مَیں نے لین دین کی تھی، مثلاً: ۱۰۰۰/ روپیے لیے تھے جن میں سے ۹۰۰ تو لوٹا دیے تھے؛ لیکن ۱۰۰/ اب تک دینا باقی ہے؛ یہ ساری چیزیں نوٹ کر لیجیے، اگر آپ حقوق کی ادائیگی کی فکر رکھیں گے اور اِس کے متعلق سوچیں گے تو اللہ تعالیٰ کی مدد شاملِ حال ہوگی، اللہ تعالیٰ یاد دلا دیں گے، آدمی کی نیت صحیح ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد ہوتی ہے۔

الغرض مالی حق تو باقاعدہ حق دار کو دینا ہی ہے، وہ حق والے کے پاس لے جا کر ادا کر دو، اور کہو کہ میرے ذمہ آپ کے اِتنے روپیے اِتنے سالوں سے باقی ہیں، مَیں نے اِس سلسلہ میں غفلت برتی، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آج مجھے توفیق دی ہے؛ اِس لیے مَیں لے کر آیا ہوں، اللہ تعالیٰ کے واسطہ اِس کو قبول کر لیجیے اور حق کی ادائیگی میں مجھ سے جو تاخیر وکوتاہی ہوگئی ہے اُسے معاف کر دیجیے۔

اور جانی حق ہے تو صاحبِ حق سے جا کر کہو کہ مَیں نے فلاں روز آپ کو گالیاں دی تھیں، مارا پیٹا تھا، تہمت لگائی تھی؛ مَیں معافی مانگتا ہوں، اللہ تعالیٰ کے واسطے معاف کر دیجیے، بڑے سے بڑے دشمن کے سامنے چل کر اور اُس کے گھر جا کر معافی مانگتے ہیں، تو وہ بھی نرم دل ہو جاتا ہے اور عموماً معاف کر دیتا ہے۔

آخرت کا معاملہ سنگین ہے

آخرت کا معاملہ نہایت سنگین ہے، دنیا میں اگر ہم نے بات صاف نہیں کی تو آخرت میں رشتہ دار؛ بلکہ حقیقی باپ اور حقیقی بیٹا بھی حق معاف نہیں کرے گا، وہاں تو ہر کوئی یہی کہے گا کہ میرا حق لاؤ، اگر باپ کے ذمہ بیٹے کا کوئی حق ہوگا تو بیٹا

اُس حق کا مطالبہ کیے بغیر نہیں رہے گا، باپ بیٹے سے کہے گا: بیٹا! مَیں نے تجھے پالا پوسا تھا، یہ حق معاف کردے، بیٹا کہے گا: سب کچھ ٹھیک ہے؛ لیکن آپ کے ذمہ میرا حق باقی ہے؛ لہٰذا مجھے تو میرا حق چاہیے، اِسی طرح سب حق والے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دربار میں دعویٰ کریں گے، وہاں روپے پیسے تو ہیں نہیں، جو کچھ تھوڑی بہت نیکیاں کی ہیں اُسی سے ہمارا حساب کتاب صاف کیا جائے گا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرمائیں گے: ''اِتنی نیکیاں اُس کو دے دو اور اِتنی فلاں کو دے دو''، اِس طرح ساری نیکیاں ختم ہوجائیں گی تو پھر حق داروں کا حق پورا کرنے کی صورت یہ ہوگی کہ اُن کے گناہ اِس کے سر ڈال دیے جائیں گے۔

مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے ارشاد فرمایا: کیا تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ہمارے نزدیک مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس کوئی درہم (روپیے پیسے) اور کوئی سامان نہ ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت کا مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن بہت سی نمازیں، روزے اور زکوٰۃ لے کر آئے گا؛ مگر حال یہ ہوگا کہ اُس نے کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا پیٹا ہوگا، تو اُس کی نیکیوں میں سے ایک حق والے کو نیکیاں دی جائیں گی، ایسے ہی دوسرے حق والے کو اُس کی نیکیاں دی جائیں گی، پھر اگر دوسروں کے حقوق چکائے جانے سے پہلے اِس کی نیکیاں ختم ہوجائیں گی تو حق داروں کے گناہ اُن سے لے کر اُس شخص پر ڈال دیے جائیں گے، اور پھر اُس کو دوزخ میں

پھینک دیا جائے گا۔ (رواه مسلم في باب تحريم الظلم).

دنیا میں ہمارے نفس کو کسی کے سامنے جا کر معافی مانگنا بھاری معلوم ہوتا ہے؛ لیکن ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ معافی نہ مانگنے کے بعد جو سزا بھگتنی پڑے گی، وہ اِس سے زیادہ خطرناک ہے؛ اِس لیے اِتنی تکلیف برداشت کرلینا آسان ہے، معاملہ صاف ہوجائے گا، بہرحال یہ سب کچھ کیا جائے گا تو توبہ مکمل ہوگی۔

معمولات کا اہتمام

پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ بیعت کی حقیقت دو چیزیں ہیں: گذشتہ سے توبہ اور آئندہ کا عہد و پیمان؛ اب تک جو گذرا وہ گذشتہ کا معاملہ تھا، اور آئندہ پانچ معمولات کو اچھی طرح پورا کرنے کا اہتمام فرمائیں:

(۱): فرائض کی ادائیگی (۲): قرآن پاک کی تلاوت (۳): تسبیحات (۴): چالیس درود شریف (۵): **الحزب الاعظم**۔

(۱) فرائض کی ادائیگی: نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، صدقۂ فطر اور قربانی کی ادائیگی کا اہتمام کیجیے، اِن میں خاص طور پر پانچ وقت کی نمازیں جماعت کے ساتھ پڑھنے کا اہتمام رکھیے؛ کیوں کہ یہ ہر روز ادا کی جانے والی عبادت ہے، اور عموماً اِس کی ادائیگی میں ہم سے کوتاہی زیادہ ہوتی ہے۔

(۲) قرآن پاک کی تلاوت: حافظ حضرات روزانہ تین پارے، اور غیر حافظ ایک پارے کی تلاوت کا اہتمام رکھیں، اور اگر قرآن پڑھنا نہیں آتا تو نیت کرلیجیے کہ (إن شاء الله) ہم قرآن سیکھیں گے، جس مسجد میں آپ نماز پڑھتے ہیں

وہاں کے مولوی صاحب یا حافظ صاحب سے درخواست کیجیے، کہ مَیں نے قرآن پاک نہیں پڑھا، آپ سیکھا دیجیے، (إن شــاء الله) کوئی منع نہیں کرے گا، اور وقت طے کر لیجیے، مثلاً: عشاء کے بعد دس منٹ، یا فجر کے بعد دس منٹ، یا جو وقت بھی مناسب ہو متعین کر دیجیے، اگر اِس پر ہمیشگی اور پابندی رہی تو ایک وقت آئے گا کہ سال دو سال میں آپ قرآن پڑھنا سیکھ جائیں گے۔

(۳) تسبیحات: روزانہ صبح، شام تین تین تسبیحات کی پابندی کرنی ہے:

(الف) تیسرا کلمہ: روزانہ صبح، شام سو سو مرتبہ تیسرے کلمہ: "سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ" کی تسبیح کا اہتمام کرنا ہے، "فضائلِ ذکر" میں آپ نے اِن سب کلمات کی فضیلت پڑھی ہوگی: "سبحان الله" کی بڑی فضیلت وارد ہے، اور "الحمد لله" اور "الله أكبر" پڑھنے کے بڑے فضائل آئے ہیں، اِسی طرح "لَآ إِلٰــهَ إِلَّا اللّٰهُ" اور "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ" کے فضائل بھی کثرت سے حدیث پاک میں آئے ہیں، یہ سارے ہی کلمات تیسرے کلمہ میں آجاتے ہیں، تو گویا سب ہی کلمات کی فضیلت تیسرے کلمہ میں شامل ہو جاتی ہے؛ اِس لیے آپ صبح، شام اِس تسبیح کا اہتمام کریں۔

(ب) درود شریف: صبح، شام سو سو مرتبہ درود شریف کی تسبیح پڑھا کریں؛ اِس لیے کہ حضور ﷺ کے ہم پر بڑے احسانات ہیں، آپ ﷺ ہی کے صدقے الله سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں ایمان کی توفیق عطا فرمائی، اور آپ ﷺ کے واسطہ سے بے

شمار نعمتیں ملیں؛ اگر آپ ﷺ تاکید نہ بھی فرماتے تب بھی اِن نعمتوں کا تقاضا تھا کہ آپ ﷺ کا حق ادا کرنے کے لیے ہم درود شریف بھیجتے رہتے، جبکہ حدیث شریف میں حضور ﷺ نے خود تاکید فرمائی ہے کہ ''مجھ پر درود بھیجو، جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے، اللہ تعالیٰ اُس پر دس رحمتیں بھیجتے ہیں''، پھر تو اَور زیادہ اہتمام ہونا چاہیے۔

(ج) استغفار: ہم توبہ تو کرتے ہیں؛ لیکن پھر بھی چھوٹے بڑے گناہ چلتے پھرتے ہوتے ہی رہتے ہیں، جیسے ہم کپڑے بدلتے رہتے ہیں اور اُس پر دھول آتی رہتی ہے تو اُس کو جھاڑتے رہتے ہیں، جوتے پر گرد وغُبار آتا ہے تو اُس کو بھی صاف کر دیتے ہیں، اِسی طرح چھوٹے موٹے گناہوں کی وجہ سے دل پر جو غبار آجاتا ہے اُس کو دور کرنے کے لیے استغفار ہے، استغفار کے کئی کلمے حدیثِ پاک میں آئے ہیں، مثلاً: ''أَسْتَغْفِرُ اللهَ الَّذِيْ لَآإِلٰـهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ، وَأَتُوْبُ إِلَيْهِ'' یا ''أَسْتَغْفِرُ اللهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّأَتُوْبُ إِلَيْهِ'' یا ''أَسْتَغْفِرُ اللهَ'' یا ''رَبِّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ''. استغفر اللہ کا مطلب یہ ہے کہ: مَیں اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہوں، اِتنا جملہ بھی کافی ہے؛ لیکن اِس کے علاوہ جو کلمات ذکر کیے گئے ہیں اُن کی فضیلت زیادہ ہے۔

اِن تین تسبیحات کی صبح شام پابندی کرنی ہے، جس طرح ہم جسم کی حفاظت کے لیے دو وقت کھانا کھاتے ہیں، اِسی طرح روح کے لیے بھی غذا کی ضرورت ہے، یہ تسبیحات روح کی غذا ہے، اور تلاوت تو ناشتہ کی جگہ پر ہوگئی۔

صبح کی تسبیح کے لیے اچھا وقت فجر کی نماز کے بعد سے طلوعِ آفتاب تک کا

ہے، اِس وقت میں ذکر کی بڑی فضیلت آئی ہے؛ اِس لیے فجر کی نماز کے بعد وہیں بیٹھ کر تلاوت وتسبیحات پوری کر لیجیے، پھر سورج نکلنے کے بعد اشراق کی دو یا چار رکعت پڑھ لیں تو دن بھر کی ضمانت (گارنٹی) بھی اللہ تعالیٰ لے لیتے ہیں کہ جو شخص دو رکعت صبح میں پڑھ لے اُس کے کام اللہ تعالیٰ بنا دیں گے؛ لیکن بعض کاروباری لوگوں کے لیے کاموں کی مجبوری ہوتی ہے، اُن کے لیے فجر کی نماز کے بعد بیٹھنا ممکن نہیں ہوتا، تو اُن کے لیے چلتے پھرتے، یا فجر کی نماز سے پہلے، یا صبح اُٹھنے سے لے کر دس ساڑھے دس بجے تک پورا کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔

اور شام کی تسبیح عصر سے لے کر مغرب تک میں پڑھ لیں تو بہتر ہے؛ لیکن اگر موقع نہ ہو تو سونے تک میں آپ اِن تسبیحات کو پورا کر لیجیے۔

تسبیح ایک جگہ بیٹھ کر بھی پڑھ سکتے ہیں، اور چلتے پھرتے بھی؛ لیکن ایک جگہ بیٹھ کر پڑھنے میں جی زیادہ لگتا ہے اور فائدہ بھی زیادہ ہوتا ہے، چلتے پھرتے پڑھیں گے تو بھی (إن شاء اللّٰہ) فائدہ سے خالی نہیں رہے گا، کھانا ہم چلتے پھرتے بھی کھا سکتے ہیں؛ لیکن کیا کبھی کھاتے ہیں؟ ہاں! ضرورت کے موقع پر کھا لیتے ہیں؛ مثلاً: سفر کے وقت گاڑی میں جگہ نہیں ملی، کھڑے ہیں، تو کھڑے کھڑے بھی کھا لیتے ہیں؛ لیکن گھر پر تو روزانہ دسترخوان بچھاتے ہیں، پلیٹیں رکھتے ہیں، چٹنی، اچار اور پاپڑ وغیرہ رکھتے ہیں، اگر کوئی کہے کہ بھائی! کھانا تو چلتے پھرتے بھی کھا سکتے ہیں، تو ہم کہیں گے کہ ذرا اطمینان سے کھائیے تو اچھا ہے؛ بہر حال ہر چیز کا یہی حال ہے۔

(۴) چالیس درود شریف: درود شریف کی ایک کتاب ہے، جس میں درود وسلام کے وہ کلمات جمع کیے گئے ہیں جو صحیح احادیث میں وارد ہیں، یہ چالیس درود وسلام دن میں ایک مرتبہ پڑھ لیا کریں۔

(۵) الحزب الاعظم: یہ ایک دعا کی کتاب ہے، جس میں ایک بہت بڑے محدث اور عالم ''ملا علی قاریؒ'' نے حضور ﷺ کی تقریباً تمام دعاؤں کو جمع کیا ہے، دعا تو ہم مانگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجتوں کا بھی سوال کرتے ہیں کہ اے اللہ! روزی دے، کاروبار میں برکت دے، نیک اولاد دے، مجھے اور میرے گھر والوں کو تندرستی دے، مجھے پڑوسیوں اور دشمنوں کے شر سے بچا، بیماریوں سے حفاظت کر؛ دنیا اور آخرت کی تمام ضرورتیں حضورِ پاک ﷺ نے مانگ کر بتلائیں، وہ سب ''الحزب الاعظم'' میں موجود ہیں، ایک تو صورت یہ ہے کہ تندرستی ہم اپنے لفظوں میں مانگیں، اور ایک اُن الفاظ میں مانگیں جن الفاظ میں حضورِ پاک ﷺ نے مانگی ہے، اِس کی برکت کا اندازہ ہی نہیں لگایا جاسکتا، وہ تو گویا اللہ تعالیٰ کے یہاں مستند ہے، سرکار میں عرضی دینے کی ایک شکل تو یہ ہے کہ ہم اپنا مضمون پیش کریں، اور دوسری صورت یہ ہے کہ سرکار کے بتلائے ہوئے مضمون کے مطابق فارم بھر کر پیش کریں، تو اِس دوسری صورت میں قبولیت کی زیادہ امید ہے۔

''**الحزب الاعظم**'' میں حضورِ پاک ﷺ کی مانگی ہوئیں دعاؤں کو جمع کر کے سہولت کی غرض سے سات حصے کر دیے ہیں، اور ہر ایک حصہ پر دنوں: سنیچر، اتوار، پیر، منگل، بدھ، جمعرات اور جمعہ کے نام لکھ دیے ہیں، جس پر سنیچر لکھا ہے اُسے سنیچر

کے دن ہی پڑھنا ضروری نہیں؛ لیکن چوں کہ دعاؤں کا ذخیرہ اِتنا زیادہ ہے کہ آدمی ایک دن میں پوری نہیں پڑھ پاتا؛ اِس لیے آسانی کی غرض سے اِن سب دعاؤں کے سات حصے کر کے ہفتہ کے دنوں کے نام لکھ دیے ہیں؛ تا کہ کم از کم ایک ہفتہ میں ساری دعائیں پڑھی جاسکیں؛ اگر کوئی فارغ ہو تو وہ روزانہ پوری پڑھ لے۔

آپ اردو یا گجراتی ترجمہ والی کتاب میں پڑھیے، اور ساتھ ہی ساتھ ترجمہ بھی دیکھتے جایئے؛ تا کہ یہ معلوم ہو کہ کیا مانگا جا رہا ہے، یہ سمجھ میں آئے گا تو پھر جی اَور زیادہ لگے گا، اور اِن دعاؤں میں ہمارے حال کے مناسب کوئی دعا ہو تو اُس کو اُس کے مقررہ وقت کے علاوہ بھی چوبیس گھنٹے چلتے پھرتے دل ودماغ میں لے کر چلتے رہیے اور پڑھتے رہیے، مثلاً: کوئی خطرناک بیماری آگئی، اِن دعاؤں میں ایک دعا یہ بھی آئی ہے کہ ''اے اللہ! مجھے خطرناک بیماریوں سے بچا'' اِس کو یاد کر کے اپنی بیماری کو ذہن میں رکھتے ہوئے پڑھتے رہیے، روزی یا کاروبار کا کوئی مسئلہ اٹکا ہوا ہے تو آپ کو اِن دعاؤں میں کوئی دعا ایسی ملے گی جس میں آپ ﷺ نے روزی کی کشادگی اور برکت کی دعا مانگی ہے، تو آپ چلتے پھرتے دل ودماغ سے دعا مانگتے رہیے، دعا مانگنے کے لیے زبان سے بولنا ضروری نہیں ہے، دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا اور دل ہی دل میں اللہ سے مانگنا بھی دعا ہے۔ حاصل یہ کہ اپنے حال کے مناسب دعا اختیار کر کے چلتے پھرتے اُس کا اہتمام کیجیے، (إن شاء اللّٰہ) بڑی برکت ہوگی۔

مذکورہ پانچوں معمولات کو پابندی سے ادا کرتے رہیے، اِن میں سے تین

چیزوں: تلاوت، چہل درود اور الحزب الاعظم کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں، آپ اپنی سہولت سے دن، رات اور صبح، شام میں مناسب وقت میں پڑھ سکتے ہیں، ہاں! اِتنا ضرور کہوں گا کہ آپ اپنی سہولت کے لیے کوئی وقت مقرر کر لیجیے؛ اِس لیے کہ وقت مقرر کر لیں گے تو مقررہ وقت پر کام ہوجائے گا، وقت مقرر کیے بغیر پابندی مشکل ہے؛ کبھی کسی روز صبح میں پڑھا، کبھی شام میں، چار پانچ روز تو سلسلہ چلے گا، پھر ختم ہوجائے گا؛ اِس لیے وقت کی تعیین ہونی چاہیے۔

مسنون اوراد اور سنت طریقوں کا اہتمام

مذکورہ معمولات کے علاوہ اِن معمولات کا بھی اہتمام کریں:

(۱) ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھ لیا کریں، احادیث میں اِس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔

آیت الکرسی یہ ہے:

”اَللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ج اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ج لَاتَأْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَانَوْمٌ ط لَهٗ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ط مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗ إِلَّا بِإِذْنِهٖ ط يَعْلَمُ مَابَيْنَ أَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ج وَلَايُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ إِلَّا بِمَا شَآءَ ج وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ ج وَلَايَؤُدُهٗ حِفْظُهُمَا ج وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ“.

(۲) جن نمازوں کے بعد سنتیں اور نوافل ہیں اُن سے فارغ ہوکر، اور جن نمازوں کے بعد سنتیں اور نوافل نہیں ہیں اُن میں سلام کے بعد، ۳۳ مرتبہ

سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ أکبر پڑھنے کا اہتمام کیجیے، اِن کا نام ''تسبیحِ فاطمی'' ہے، یہ تسبیح حضور ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بتلائی تھی۔

(۳) سونے سے پہلے وضو کر لیجیے، اور تسبیح فاطمی، سورۂ فاتحہ، آیت الکرسی اور چاروں قُل پڑھ کر ہاتھوں پر دم کر کے جسم پر پھیر لیجیے، اور دائیں کروٹ پر دائیں رخسار کے نیچے دایاں ہاتھ رکھ کر سویا کریں، اور سونے سے پہلے پڑھنے کی بہت ساری دعائیں حدیثِ پاک میں آئی ہیں، اُن میں سے کوئی ایک دعا یا سب دعائیں پڑھ لیجیے، عام طور پر یہ چھوٹی سی دعا پڑھتے ہیں: ''أَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوْتُ وَأَحْيىٰ''۔

الغرض ہر کام میں سنت طریقہ کا خیال رکھو، کھانے کے لیے بیٹھو تو اِسی طریقہ سے کھاؤ جو حضور ﷺ نے بتلایا ہے، کھانا تو کھانا ہی ہے کسی بھی طرح سے کھائیں، کھڑے کھڑے کھا سکتے ہیں اور بیٹھ کر بھی؛ لیکن ہم یہ سوچیں کہ حضور ﷺ نے بھی تو کھایا ہے، آپ ﷺ نے بیٹھ کر کھایا ہے؛ لہٰذا ہم بھی بیٹھ کر کھائیں گے، کھانے سے پہلے آپ ﷺ نے ہاتھ دھوئے ہیں؛ اِس لیے ہم بھی ہاتھ دھوئیں گے، پھر کھانا کسی بھی ہاتھ دائیں یا بائیں سے کھایا جا سکتا ہے؛ لیکن حضور ﷺ نے دائیں ہاتھ سے کھانا تناول فرمایا ہے؛ اِس لیے ہم بھی دائیں ہاتھ سے کھائیں گے، پھر لقمہ لینے میں اگر آسانی سے اِس پر عمل ہو سکے کہ انگوٹھے، شہادت کی انگلی اور اُس کے بازو والی انگلی سے لیا جا سکے، تو اِس پر عمل کیا جائے؛ ورنہ نہیں، باقی دو انگلیوں کو بھی شامل

کرنے کی اجازت ہے، پھر کھانے سے پہلے آپ ﷺ نے بسم اللہ یا اَور کوئی دعا آپ ﷺ نے پڑھی ہے وہ پڑھی جائے، اور آپ ﷺ کھانے سے فارغ ہوکر ہاتھ دھوتے تھے، دعا پڑھتے تھے؛ اِس لیے ہم بھی اِس پر عمل کریں گے۔

حاصل یہ کہ ہم تمام کاموں: سونے جاگنے، اُٹھنے بیٹھنے، جوتے پہنے نکالنے اور قضائے حاجت وغیرہ میں سنت طریقے معلوم کر کے اُس پر عمل کیجیے، اور اُس موقع پر حضور ﷺ سے جو جو دعائیں منقول ہیں اُن کو پڑھنے کا پورا پورا اہتمام کیجیے؛ اگر اِن دو باتوں: سنت طریقوں پر عمل اور ہر ہر موقع کی دعاؤں کا اہتمام کریں گے تو سمجھ لیجیے کہ آپ کی پوری زندگی عبادت بن گئی، اور (إن شاء اللّٰہ) اِس میں بڑی برکت بھی ہوگی، کچھ مدت تک آپ کو اِس کی طرف دھیان دینا پڑے گا، پھر جب عادت بن جائے گی تو خود بہ خود عمل ہوتا رہے گا۔

گناہوں سے بچنے کا آسان نسخہ

بیعت میں ہم یہ عہد کرتے ہیں کہ (إن شاء اللّٰہ) آئندہ کوئی گناہ نہیں کریں گے، ہم کو اِس عہد اور وعدہ کے مطابق ہر گناہ سے بچنا ہے؛ لیکن چار گناہ ایسے ہیں کہ اگر ہم اُن سے بچنے کی کوشش اور اہتمام کریں گے تو (إن شاء اللّٰہ) دوسرے گناہوں سے بچنا آسان ہو جائے گا:

(۱) بدنگاہی سے بچنا: بدنگاہی سے اپنے آپ کو بچائیے، جس نے آنکھوں کی حفاظت کی وہ زنا وغیرہ سے محفوظ رہے گا؛ کیوں کہ زنا تو بعد کا درجہ ہے؛ اِس لیے آپ نامحرم عورتوں کو دیکھنے سے، بے ریش (بغیر ڈاڑھی کے) لڑکوں کی طرف

نظر کرنے سے، ٹی.وی، ویڈیو اور سینما دیکھنے سے، فحش اور بے حیائی کے مناظر اور اُن کی تصویریں دیکھنے سے اپنے آپ کو بچائیے۔

(۲) بدزبانی سے بچنا: بدزبانی یعنی زبان کے تمام گناہ: گالی گلوچ، لڑائی جھگڑا، بہتان، غیبت وغیرہ سے بچیے، آدمی زیادہ تر گناہ زبان اور آنکھ سے کرتا ہے؛ اِس لیے اپنے آپ کو اِس سے بچائیے۔

(۳) بدگمانی سے بچنا: ہمارا نفس بڑا شریر ہے، شریر کی عام طور پر یہ عادت ہوتی ہے کہ ایسی تدبیریں کرتا ہے جن سے لوگوں کا دھیان دوسری طرف چلا جائے، اور اُس کی شرارت لوگوں کے سامنے نہ آئے، اِسی طرح ہمارا نفس بھی بڑا بدمعاش اور شریر ہے، وہ ہم کو دوسروں میں لگا دیتا ہے کہ فلاں یوں کر رہا ہے، فلاں تمھارے متعلق یوں سوچتا ہے، ساری دنیا کی فکر دلاتا ہے؛ لیکن اپنے آپ کی طرف دھیان نہیں کرنے دیتا کہ مَیں کیا کرتا ہوں؟ مجھ میں کیا خرابیاں اور کمزوریاں ہیں؟ دوسرے کے بارے میں سوچتا رہتا ہے، اپنے متعلق کچھ نہیں سوچتا؛ اِس لیے اپنے آپ کو بدگمانی سے بچائیے، نفس سے یوں کہیے کہ ساری دنیا کی فکر مت کر، پہلے اپنی طرف دھیان دے کہ تجھ میں یہ کمزوری، یہ عیب اور یہ خرابی ہے، اِس کو دور کر، تُو اِس گناہ میں مبتلا ہے اِس سے توبہ کر۔

(۴) حرام خوری سے بچنا: حرام غذا بڑی خطرناک ہے، یہ جب پیٹ میں جاتی ہے تو اپنا رنگ اور اثر ظاہر کیے بغیر نہیں رہتی، مثلاً: اگر ہم سڑی ہوئی یا زہر ملی ہوئی غذا کھائیں، تو ہمارے جسم کو ضرور نقصان پہنچائیں گی، خواہ ہمیں اُس کا سڑنا یا

زہر آلود ہونا معلوم ہو یا نہ ہو، اگر ہم نے زہریلی غذا بھول سے کھالی تو کیا پیٹ یہ کہے گا کہ ''اِس بیچارے نے بھول سے کھائی ہے؛ اِس لیے نقصان مت پہنچا''؟ چاہے بھول سے کھاؤ یا جان بوجھ کر، جیسے ہی وہ غذا پیٹ میں جائے گی اپنا رنگ لاکر رہے گی: بیمار کردے گی، مارڈالے گی؛ بس اِسی طرح حرام غذا جب پیٹ میں جاتی ہے تو وہ اپنا رنگ لاتی ہے اور اپنا اثر دکھاتی ہے، چاہے بھول کر کھائیں یا جان بوجھ کر۔

حرام غذا کا رنگ

حرام غذا کا اثر یہ ہے کہ اُس سے بننے والا خون ہمارے دلوں میں گناہ کے جذبات پیدا کرتا ہے، پھر ہم سے گناہ سرزد ہوتے رہتے ہیں، ہر چیز کا اپنا ایک اثر ہوتا ہے، مثلاً: ٹانک (Tonic) سے قوت آتی ہے، کمزور کرنے والی چیز نقصان پہنچاتی ہے، خواہ آپ کو معلوم ہو یا نہ ہو، ٹھیک ایسے ہی حرام غذا کھائیں گے تو اُس سے گناہ کے جذبات پیدا ہوں گے، اور حلال غذا کھائیں گے تو ہم چاہیں یا نہ چاہیں، دل میں اچھے خیالات آئیں گے، نیک کام کرنے کا داعیہ پیدا ہوگا، آپ نے ایک چیز کا اندازہ کیا ہوگا کہ کسی واعظ کی مجلس یا کسی اللہ والے کی محفل میں دین کی کوئی بات سنتے ہیں تو دل میں یہ خیال آتا ہے کہ مَیں بہت برا ہوں، مَیں بڑا گنہگار ہوں، اب سے گناہ چھوڑ دوں گا، اُس مجلس میں بیٹھے بیٹھے پکے ارادے کیے؛ لیکن گھر آنے کے بعد پھر گناہ سرزد ہوجاتے ہیں، تو اِس کا بڑا سبب ہماری وہ حرام غذا ہے جو پیٹ میں پڑی ہوئی ہے، وہ کام نہیں کرنے دیتی؛ اِس لیے حرام

لقمہ سے اپنے آپ کو اور گھر والوں کو بچانا چاہیے، گھر والوں میں نافرمانیاں آنے کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے۔

بہر حال یہ چار بڑے بڑے گناہ ہیں، اِن سے بچوگے تو امید ہے کہ دوسرے گناہوں سے بچنا آسان ہو جائے گا۔

توبہ گناہوں کا تریاق ہے

گناہ ہمیں کسی حال میں نہیں کرنا ہے؛ لیکن اگر خدانخواستہ ہو جائے تو فوراً توبہ کر لیجیے، دیر نہ لگایئے، جیسے ہم کبھی بھی کپڑوں پر جان بوجھ کر دھبے نہیں ڈالتے، خود تو دھبے کیا ڈالتے؛ بلکہ جب گھر سے کپڑے پہن کر نکلتے ہیں تو پہلی کوشش یہ ہوتی ہے کہ کپڑوں پر کوئی دھبہ، کیچڑ، پیشاب اور گوبر وغیرہ نہ لگ جائے، اِس کے باوجود اگر لگ گیا تو فوراً ہی دھو دیتے ہیں، گھر آنے کا بھی انتظار نہیں کرتے، اور راستے میں جہاں کہیں پانی نظر آتا ہے دھو دیتے ہیں، ہماری طبیعت گوارا نہیں کرتی کہ کپڑوں پر دھبہ ہو، سوچتے ہیں کہ لوگ کیا کہیں گے؟ حالاں کہ ہم ایک دو دن کے بعد یہ کپڑے اُتار کر دوسرے پہننے والے ہیں؛ لیکن پھر بھی کپڑوں کا اِتنا زیادہ خیال رکھتے ہیں۔

ہماری سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ گناہ ہو جانے کے بعد توبہ میں تاخیر کرتے ہیں؛ کپڑے کو دھبہ لگتا ہے تو نَل کے پاس جا کر نَل کھولنا پڑتا ہے اور دھونا پڑتا ہے؛ لیکن توبہ میں اِتنی بھی دیر نہیں لگتی، گناہ ہوتے ہی اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان کیا، دل میں پچھتاوا ہوا، اور پکّا ارادہ کر لیا کہ اب دوبارہ یہ گناہ نہیں کریں گے؛

بس توبہ ہوگئی، کوئی دو رکعت پڑھنا ضروری نہیں ہے، پڑھ لیں تو اچھا ہے، خلاصہ یہ کہ توبہ میں دیر نہ کیجیے، توبہ میں دیر کروگے تو اللہ تعالیٰ سے دوری بڑھتی جائے گی۔

''ترمذی شریف'' میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اُس کے دل میں ایک کالا دھبہ لگ جاتا ہے، پھر اگر اُس نے وہ گناہ چھوڑ دیا اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لی، اور توبہ کرلی تو دل صاف ہوجاتا ہے، اور اگر اُس نے گناہ کے بعد توبہ اور استغفار کے بغیر دوسرے گناہ کیے، تو دل کی سیاہی اَور بڑھ جاتی ہے، یہاں تک کہ دل پر چھاجاتی ہے۔ (رواه الترمذي في باب سورة ''ويل للمطففين'').

بہت سے حضرات کہتے ہیں کہ آپ سے بیعت ہوئے اِس کے بعد تسبیح پڑھتے رہے، آٹھ دس روز تو بہت جی لگا بہت اچھی پابندی بھی ہوئی، پھر دس روز کے بعد معاملہ ڈھیلا پڑ گیا اور پہلے جیسی پابندی نہ رہی، تو مَیں اُن سے کہا کرتا ہوں کہ وہ بیعت ہونے کے بعد تازہ تازہ معاملہ تھا، گناہ سے بھی بچتے رہے، اور آٹھ دس روز کے بعد کچھ گناہ ہوئے جنھوں نے اپنا اثر دکھلانا شروع کردیا، اگر اِن گناہوں سے فوراً توبہ کرلی ہوتی تو یہ نوبت نہ آتی، توبہ نہ کرنے کی وجہ سے ایسے ہی اثرات مرتب ہوتے ہیں: جی نہیں لگتا، نیک کاموں پر پابندی نہیں رہتی، گناہوں میں بدنگاہی کا سب سے بڑا اثر یہ ہے کہ عبادت سے جی ہٹ جاتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بدنگاہی پر مَیں اُس کو یہ سزا دیتا ہوں کہ اُس کو میری عبادت میں لُطف اور مزہ نہیں آتا۔

کھانے کے معاملہ میں ہماری طبیعت بڑی حسّاس ہیکہ اگر ہم کو کھانے میں مزہ نہ آئے تو دوتین دن بھی برداشت نہیں کریں گے، ڈاکٹر کے پاس جائیں گے اور اُن سے عرض کریں گے: ڈاکٹر صاحب! کھانا کھاتے ہیں؛ لیکن کچھ لطف اور مزہ نہیں آتا، کیا بات ہے؟ ڈاکٹر صاحب کہیں گے: یہ بیماری ہے، جلدی سے علاج کراؤ، اِس کے برخلاف اگر عبادت، ذکر و تلاوت میں لُطف نہیں آتا تو اُس کو سالہا سال سے چلارہے ہیں، ہم علاج کی کوشش نہیں کرتے؛ اِس لیے ضرورت ہے کہ ہم اِس کی طرف خصوصی توجہ دیں، اور ہرگز غفلت وکوتاہی سے کام نہ لیں۔

اچھے لوگوں کی صحبت

نیک کام کرنے اور گناہوں سے بچنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنا ماحول بھی بدلنے کی کوشش کریں، جب ہم نے توبہ کرلی تو گویا ہم پیشاب کے گڑھے میں سے باہر نکل آئے، کپڑے اُتارے، غسل بھی کیا اور دُھلے ہوئے کپڑے بھی پہنے، پھر بعد میں اُسی گڑھے میں جا گرے، تو اِس کا کچھ حاصل نہ نکلا؛ یا جیسے بچہ ناپاک ہوا، پیشاب، پاخانہ لگا، ماں نے اُس کو خوب دھلایا، پاؤڈر لگایا، نئے کپڑے پہنائے اور خوشبو لگائی، بچہ پھر اُسی پیشاب و پاخانہ میں جا گرا تو یہ ساری محنت رائیگاں گئی، جب ہم نے توبہ کی ہے تو گناہوں سے بے حد بچنا ضروری ہے؛ ورنہ ہماری مثال اِسی پیشاب و پاخانہ کے گڑھے میں دوبارہ گرنے والے کی سی ہے۔

گناہوں سے بچنے کے لیے برے ماحول سے بچنا ضروری ہے؛ اِس لیے

ہمیں اپنا ماحول بدلنا ہوگا، اب تک اگر ہمارا ماحول اچھا نہیں تھا، ہمارا فرینڈ سرکل (دوستوں کا حلقہ) غلط تھا، اب اُس کو خیر باد کہہ دیجیے، ہماری لائن بدلی ہے؛ اِس لیے دوستی بھی بدلنی پڑے گی، اچھے، نیک، نمازی، نیکیوں کا اہتمام کرنے والے، گناہوں سے بچنے والے اور لوگوں کے حقوق ادا کرنے والے لوگوں کے ساتھ اُٹھو بیٹھو، آدمی جس ماحول میں رہتا ہے ویسا ہی بنتا ہے، نمازیوں کی صحبت میں آدمی نمازی بنتا ہے، چنانچہ جب نماز کا وقت آئے گا اور وہ نماز کے لیے جائیں گے، تو ہمیں بیٹھا رہنا اچھا معلوم نہیں ہوگا، کم از کم شرما شرمی میں بھی اُن کے ساتھ نماز کے لیے ضرور جائیں گے، اور اگر بے نمازیوں کی صحبت میں رہیں گے تو چاہے آپ پکے نمازی ہی کیوں نہ ہوں، اور اذان ہوتے ہی مسجد میں جانے کا اہتمام کیوں نہ کرتے ہوں؛ لیکن مہینہ دو مہینہ کے بعد ایک وقت آئے گا کہ آپ بھی اُن کی صف میں جاملیں گے، ابتدا میں جماعت چھوٹے گی، پھر نمازیں بھی چھوٹتی رہیں گی؛ اِس لیے ضروری ہے کہ اچھی صحبت اور اچھے ماحول میں رہنے کی کوشش کی جائے، اور برے ماحول سے اپنے آپ کو بچانے کا اہتمام کیا جائے۔

نفس کے دھوکہ میں نہ آیئے

جو معمولات آپ کو بتائے گئے اُن کو پابندی سے کرتے رہیے، ایک دن بھی چھوٹنے نہ پائے، ہمارا نفس کہتا ہے: ایک دو دن چھوٹ گیا تو کیا نقصان ہوگا، اِس میں کیا خرابی آجائے گی؟ تو آپ اِس کے دھوکہ میں آئے بغیر بلا ناغہ کرتے رہیے۔

مثال: فرض کیجیے کہ آپ کی عمر چالیس سال ہے، جب سے آپ پیدا

ہوئے ہیں برابر کھاتے چلے آئے ہیں، بچپن میں ماں کا دودھ پیا، دودھ چھڑایا گیا تو غذا پر آئے، چالیس سالوں میں کوئی دن خالی نہیں گیا، اب اگر میں آپ سے کہوں کہ آپ چالیس سال سے کھا پی رہے ہو، اگر دو دن نہیں کھاؤ گے تو کیا ہو جائے گا؟ آپ کہیں گے: پیر ڈھیلے ہو جائیں گے، کمزوری آجائے گی؛ چالیس سال سے کھاتے چلے آئے ہیں پھر بھی دو دن چھوڑنے سے صحت پر بُرا اثر پڑتا ہے؛ اور یہاں تسبیح ابھی آٹھ دس دن سے تو شروع کی ہے، وہ اگر ایک دن چھوڑیں گے تو اِس کا کیا نتیجہ ہوگا؟۔

جسم کے ہم سارے ہی تقاضے وقت پر پورے کرتے ہیں: کھانا پینا، غسل کرنا، کپڑے بدلنا، سونا، آرام کرنا؛ اِن سب جسمانی ضرورتوں کا ہم نے ایسا ٹائم ٹیبل بنایا ہے کہ ذرا بھی اُس کو نہیں چھوڑتے، مثلاً: صبح اُٹھتے ہی پہلے غسل کرتے ہیں، روزانہ کپڑے بدلتے ہیں، دو وقت کا کھانا ٹائم پر کھاتے ہیں، وقت پر ناشتہ کرتے ہیں؛ غرض ہر کام ٹائم ٹیبل کے مطابق کرتے ہیں، اور لوگوں سے فخریہ بیان بھی کرتے ہیں کہ اِس نظام میں کوئی فرق نہیں آتا، اگر دنیا میں کوئی بڑا سے بڑا حادثہ پیش آجائے، مثلاً: زلزلہ آجائے، طوفانی بارش ہو جائے، کسی رشتہ دار کا انتقال ہو جائے؛ تو کیا کبھی ہمارا ناشتہ چھوٹا؟ ہم نے دوپہر کا کھانا چھوڑا؟ کبھی نہیں، ہمیں کبھی بمبئی جانے کی ضرورت پیش آئی، ٹرین میں جگہ نہیں ملی، کھڑے کھڑے جا رہے ہیں تب بھی کھانا نہیں چھوٹتا، کسی اسٹیشن سے پوری کچوری لے کر کھڑے کھڑے بھی منھ میں ڈال لیں گے، ہم یہ سوچتے ہیں کہ نہیں کھائیں گے تو کمزوری

آجائے گی، اور معمولات کے متعلق یہ سوچتے ہیں کہ ایک دن تسبیح نہیں پڑھیں گے تو کیا بگڑ جائے گا؟ دراصل ہم نے اپنی روح کو اعمال کی غذا پہنچا کر اِس قابل بنایا ہی نہیں کہ اُسے اِن چیزوں کا احساس ہو۔

ہمتِ مرداں مددِ خدا

بھائیو! یہ طے کر لیجیے کہ جس طرح دنیوی امور: کھانے، پینے اور پہننے وغیرہ کا پورا اہتمام کرتے ہیں، اِسی طرح بتلائے گئے معمولات: عبادت، تلاوت وتسبیح وغیرہ پر پوری طرح جمے رہیے اور پابندی کرتے رہیے، اِس میں بالکل کوتاہی نہ ہو؛ اور پختہ ارادہ کر لیجیے کہ ایک دن بھی چھوڑنا نہیں ہے، جس دن چھوٹ جائے گا اُس دن کھانا نہیں کھائیں گے، یہ نہایت آسان علاج ہے، جس دن تسبیح نہیں پڑھی اُس دن کھانا مت کھاؤ، پھر دیکھو! برابر پابندی ہوتی ہے یا نہیں؟ (إن شاء اللّٰہ) ضرور پابندی ہوگی، اور اِس کی برکتیں بھی ظاہر ہوں گی۔

پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ

اپنی اصلاح کے واسطے کسی بزرگ سے فقط بیعت ہوجانا کافی نہیں ہے؛ بلکہ اپنے شیخ ومرشد سے تعلق رکھنا ضروری ہے، وقتاً فوقتاً اُن کو اپنے حالات کی اطلاع دیتے رہنا چاہیے، خواہ اُن کی ہدایات پر عمل ہو رہا ہو یا نہ ہو رہا ہو، اگر معمولات پر پابندی ہو رہی ہے تو آپ کا باخبر کرنا مزید توجہ کا باعث بنے گا، اور اگر معمولات پر پابندی نہیں ہو رہی ہے تو آپ کے لیے دعا کریں گے، اور کوئی مناسب مشورہ

سے نوازیں گے جس کی وجہ سے عمل کرنے کے لیے ایک نئی قوت وطاقت پیدا ہوگی، اور دوبارہ ہمت بندھے گی۔

مثال سے وضاحت

صحت خراب ہوجانے اور بیمار ہوجانے کے بعد تندرستی کو بحال کرنے اور بیماری دور کرنے کے لیے فقط کسی ڈاکٹر کی پہچان اور رسمی تعلق کافی نہیں؛ بلکہ اُس کو ہمارے جسمانی احوال سے آگاہ کرکے باقاعدہ علاج کروانا پڑے گا، اور اُس کی بتائی ہوئی ہدایات پر عمل کرنا ہوگا، اور متعینہ دوائی وقت پر لینی ہوگی، اِس کے بغیر صحت کی بحالی کی امید لغو ہے، تو جس طرح جسمانی نظام کے تغیر کے ہر موڑ پر ڈاکٹر کا مشورہ اور علاج ضروری ہے، اِسی طرح ہمارے روحانی امراض کے علاج کے لیے- جو کہ جسمانی بیماریوں سے کہیں زیادہ اور نازک ہیں- شیخ سے تعلق رکھنا اور اُن کی تجاویز پر عمل کرنا نہایت ضروری ہے۔

اُن سے مشورہ کرنے کی دوصورتیں ہیں: (۱) مناسب موقع پر روبرو ملاقات کرکے دریافت کرلیں۔ (۲) خط وکتابت سے تعلق رکھیں؛ البتہ اِتنا ملحوظ رہے کہ جوابی خط بھیجنے کا اہتمام کریں؛ نیز اپنے پیر ومرشد کی صحبت میں کچھ نہ کچھ دن گذارنے کا اہتمام کرنا چاہیے، خصوصاً رمَضان المبارک میں تو لازماً حسبِ گنجائش اُن کی صحبت میں کچھ دن ضرور گذاریں، اِس طرح اگر تعلق رہا تو (إن شاء اللّٰہ) اِس کے ثمرات وبرکات ظاہر ہوں گے۔

ہمارا سلسلہ چشتی یعنی حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا سلسلہ ہے، ہمارے

پیرومرشد حضرت مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ ہیں، اُن کے پیرومرشد حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ، اور اُن کے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ، اُن کے شیخ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، اور اُن کے شیخ حضرت حاجی امدادُ اللہ مہاجرِ مکیؒ؛ اِس طرح یہ سلسلہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ تک پہنچتا ہے، اوران سے آگے حضور ﷺ تک پہنچتا ہے۔

دعا

سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَاإِلٰهَ غَيْرُکَ؛ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ سَيِّدِنَا مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ كَمَاتُحِبُّ وَتَرْضٰی بِعَدَدِ مَاتُحِبُّ وَتَرْضٰی.

اے اللہ! تُو ہمارے گناہوں کو معاف فرما، ہماری خطاؤں سے درگذر فرما، اے اللہ! ہر چھوٹے بڑے گناہ سے آئندہ پوری پوری حفاظت فرما، اے اللہ! اِس سلسلے کے بزرگوں کے ساتھ حقیقی نسبت عطا فرما کر دنیا میں اُن کے نقشِ قدم پر چلا کر آخرت میں اُن کے ساتھ ہمارا حشر فرما، نبیٔ کریم ﷺ کی کامل پیروی ہم کو نصیب فرما، سنتوں کا اہتمام نصیب فرما، اے اللہ! اپنی مرضیات پر زیادہ سے زیادہ چلا کر نامرضیات سے ہماری پوری پوری حفاظت فرما، اے اللہ! اب تک جن گناہوں میں مبتلا رہے آئندہ اُن گناہوں سے بھی پوری پوری حفاظت فرما، اے اللہ! اپنے اپنے وقت پر ہم کو بھی اور پوری امت کو ایمان کے ساتھ دنیا سے جانا نصیب فرما۔

رَبَّـنَـا تَـقَبَّلْ مِنَّا إِنَّکَ أَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ، وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّکَ أَنْـتَ التَّـوَّابُ الـرَّحِيْـمُ؛ وَصَـلَّـى الـلّٰـهُ تَعَالىٰ عَلىٰ خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا وَمَـوْلاَنَـا مُـحَـمَّـدٍ وَاٰلِـهٖ وَأَصْـحَـابِـهٖ أَجْـمَعِيْنَ بِرَحْمَتِکَ يَاأَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ!.

شجرۂ محمودیہ چشتیہ

نمبر شمار	مشائخ کے اسمائے گرامی	سن وفات
۱	حضرت سیدنا ابوالحسن علی مرتضی رضی اللہ عنہ	سنہ ۴۰ھ
۲	حضرت امام ابوسعید حسن بصریؒ	سنہ ۱۱۰ھ
۳	حضرت خواجہ عبدالواحد بن زیدؒ	سنہ ۱۷۰ھ
۴	حضرت ابوالفضل فضیل بن عیاضؒ	سنہ ۱۸۷ھ
۵	حضرت ابراہیم بن ادہم بلخیؒ	سنہ ۱۶۲ھ
۶	حضرت حذیفہ مرعشیؒ	سنہ ۲۰۲ھ
۷	حضرت ہبیرہ بصریؒ	سنہ ۲۸۷ھ
۸	حضرت ممشاد علی دینوریؒ	سنہ ۲۹۹ھ
۹	حضرت ابواسحاق شامی چشتیؒ	سنہ ۳۲۹ھ
۱۰	حضرت ابواحمد ابدال چشتیؒ	سنہ ۳۵۵ھ
۱۱	حضرت ابومحمد چشتیؒ	سنہ ۴۱۱ھ
۱۲	حضرت ناصرالدین ابویوسف چشتی بن سمعانؒ	سنہ ۴۵۹ھ
۱۳	حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتیؒ	سنہ ۵۲۷ھ
۱۴	حضرت خواجہ شریف زندنیؒ	سنہ ۶۱۲ھ
۱۵	حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ	۶۱۷ھ

١٦	حضرت خواجہ معین الدین چشتی سنجریؒ	سنہ ٦٣٢ھ
١٧	حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ	سنہ ٦٣۴ھ
١٨	حضرت شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ	سنہ ٦٦۴ھ
١٩	حضرت مخدوم علاء الدین علی احمد صابر کلیریؒ	سنہ ٦٩٠ھ
٢٠	حضرت شیخ شمس الدین ترکؒ	سنہ ۷١۵ھ
٢١	حضرت شیخ جلال الدین عثمانیؒ	سنہ ۷٦۵ھ
٢٢	حضرت شیخ احمد عبد الحق ابدال رَدَوْلویؒ	سنہ ٨٣٦ھ
٢٣	حضرت شیخ عارف ابن احمد عبد الحق ردَوْلویؒ	سنہ ٨۷٢ھ
٢۴	حضرت شیخ محمد بن عارف ردولوی فاروقیؒ	سنہ ٨٩٨ھ
٢۵	حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی نعمانیؒ	سنہ ٩۴۴ھ
٢٦	حضرت شیخ جلال الدین بن محمود تھانیسریؒ	سنہ ٩٨٠ھ
٢۷	حضرت شیخ نظام الدین فاروقیؒ	سنہ ١٠٢۴ھ
٢٨	حضرت شیخ ابو سعید گنگوہیؒ	سنہ ١٠۴٠ھ
٢٩	حضرت شیخ محبّ اللہ الہ آبادی فاروقیؒ	سنہ ١٠۵۴ھ
٣٠	حضرت شیخ سید محمدی اکبر آبادیؒ	سنہ ١١٠۷ھ
٣١	حضرت شیخ شاہ محمد مکی جعفریؒ	سنہ ١١۷٢ھ
٣٢	حضرت شیخ سید عضد الدین امروہویؒ	سنہ ١١۷٠ھ

۳۳	حضرت شیخ عبد الہادی امروہویؒ	۱۱۹۰ھ
۳۴	حضرت شیخ عبد الباری صدیقی امروہویؒ	۱۲۲۶ھ
۳۵	حضرت شیخ سید عبد الرحیم افغانی ولایتی شہیدؒ	۱۲۴۶ھ
۳۶	حضرت شیخ میاں جی نور محمد جھنجھانویؒ	۱۲۵۹ھ
۳۷	حضرت شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ	۱۳۱۷ھ
۳۸	حضرت شیخ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ	۱۳۲۳ھ
۳۹	حضرت شیخ مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ	۱۳۴۶ھ
۴۰	حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا مہاجر مدنیؒ	۱۴۰۲ھ
۴۱	حضرت شیخ، فقیہ الامت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ	۱۴۱۷ھ

یاالٰہی دور فرما میرے امراض دلی		دونوں عالم کی ختم ہوجائے جس سے بےکلی
بہر محمود حسن یکتائے فن روشن ضمیر		حضرت شیخ زکریا ذات جن کی منجلی
بہر مولانا خلیل احمد رشید احمد مجھے		سوز پنہائی عطا کر اور دکھا سچی گلی
بہر امداد وبنور وحضرت عبدالرحیم		عبد باری عبد ہادی عضد دیں مکی ولی
پھر محمدی و محبّ اللہ وشاہ بوسعید		پھر نظام الدین جلال وعبدقدوس ذکی
پھر محمد اور احمد عبد حق شیخ جلال		شمس دیں ترک وعلاء الدین فرید جودھنی
قطب دیں اور پھر معین الدین وعثمان وشریف		خواجہ مودود بویوسف محمد احمدی
بو اسحاق وخواجہ ممشاد وہبیرہ نامور		پھر حذیفہ ابن ادہم پھر فضیل مرشدی
عبدواحد پھر حسن بصری علی فخر دیں		سید الکونین فخر العالمین بشری نبی ﷺ
دل کو میرے یاالٰہی پاک کرتو غیر سے		خیر دنیا دے مجھے اور آخرت بھی ہو بھلی

سفراء سے ہمارا سلوک

پیش لفظ

ہمارے گجراتی مسلمان ہمارے اسلاف کے زمانہ سے ہی دینی کام جیسے کہ تعمیرِ مساجد، تعمیرِ مدارس اوران کی بقاء کے لئے امداد، اسی طرح رفاہی کام جیسے تحفیرِ آبار، واٹرورکس بنا کرلوگوں کے لئے پانی کا انتظام کرنا، سرائے تعمیر کروانا وغیرہ کاموں میں اپنے پیسے خرچ کرنے کواپنے لئے خوش نصیبی اور باعثِ سعادت سمجھتے آرہے ہیں۔

اور یہی وجہ ہے کہ صرف گجرات ہی نہیں؛ بلکہ پورے ملکِ ہندوستان میں جاری تمام مدارس، مکاتب اور دینی تنظیموں کو مالی تعاون کر کے قوت بخشتے آرہے ہیں، اور یہ ہمارے گجراتی مسلمانوں کی ایک ایسی خوبی اور خاصیت ہے جس کا اعتراف ہمارے بزرگان کھلے دل سے کر کے ہماری اس خوبی کو بہت سراہتے آرہے ہیں۔

اور اسی لئے رمضان اور غیرِ رمضان کے ایام میں گجرات اور بیرونِ گجرات کے مدارس اور دینی تنظیموں کے سفراء مالی تعاون کے حصول کے لئے گجرات آتے رہتے ہیں، اور ہم اپنے اسلاف کے زمانے سے ان کی مہمان نوازی، احترام اوران کے لئے مسجدوں میں یا گھروں میں کھانے، پینے اور رہنے کا انتظام کرتے آرہے ہیں۔

اور ہماری اس خوبی اور خاصیت کی بنا پر ہی اللہ نے ہمیں مال جیسی نعمت سے نوازا ہے، اور تجارت اور دیگر کام کاج کی غرض سے ہمارے لوگ بیرونِ ملک

جا کر مقیم ہو گئے ہیں، اور وہاں بھی اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان خوبیوں کی بنا پر مال ودولت میں برکت عطا فرما کر خوب ترقیات سے نوازا ہے۔

یہ جو کچھ حاصل ہوا وہ جیسا کہ اوپر ذکر کیا دینی کاموں میں حصہ لینے کی بنا پر حاصل ہوا ہے، اب اگر ہم ان خوبیوں پر باقی رہیں گے تو ہی اللہ کی عطا کردہ یہ نعمتیں باقی رہیں گی، ورنہ خدانخواستہ اگر ہم نے اس سے غفلت برتی تو خوف ہے کہ اللہ ان نعمتوں کو چھین لے گا۔

قرآن پاک میں سورۂ انفال میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ کسی ایسی نعمت کو جو کسی قوم کو عطا فرمائی ہو نہیں بدلتے جب تک کہ وہی لوگ اپنے ذاتی اعمال کو نہیں بدل ڈالتے''۔ (سورۂ انفال: آیت نمبر۵۳)

مذکورہ بالا آیت میں حق تعالیٰ نے اپنے انعام وعطاء کے قائم اور باقی رکھنے کا ایک ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو نعمت کسی قوم کو عطا فرماتے ہیں اس کو اس وقت تک بدلتے نہیں جب تک کہ یہ لوگ خود ہی اپنے حالات اور اعمال کو نہ بدل دیں۔ (معارف القرآن۴/۲۶۲)

اللہ تعالیٰ نے سورۂ قلم میں باغ والوں کا قصہ بیان فرمایا ہے، جس کو حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی ''توضیح القرآن'' کے حوالے سے یہاں پیش کیا جاتا ہے:

ایک نیک شخص کا بہت بڑا باغ تھا، اس نیک آدمی کا معمول یہ تھا کہ وہ اپنے باغ اور کھیت کی پیداوار کا ایک اچھا خاصا حصہ غریبوں کو دیا کرتا تھا، جب اس

کا انتقال ہوا تو اس کے بیٹوں نے یہ طے کیا کہ ہمارا باپ بے وقوف تھا جو اتنی ساری پیداوار غریبوں کو دے کر اپنی دولت میں کمی کر دیتا تھا، اب جو ہم باغ کی کٹائی کریں گے تو ایسا انتظام کریں گے کہ کوئی غریب آدمی وہاں آنے ہی نہ پائے، اس کے نتیجے میں جب وہ کٹائی کے لئے پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے باغ پر ایک ایسی آفت بھیج دی کہ سارا باغ تباہ ہوکر رہ گیا، اکثر روایتوں کے مطابق یہ واقعہ یمن کے شہر صنعاء سے کچھ فاصلے پر ضروان نامی ایک علاقے میں پیش آیا تھا، یہ علاقہ اب بھی ضروان کہلاتا ہے، اور میں نے دیکھا ہے، وہاں چاروں طرف پھیلے ہوئے سبزے کے درمیان ایک کالے کالے پتھروں والا ویران علاقہ ہے جس کے بارے میں مشہور ہے کہ یہی اس باغ کی جگہ تھی جو بعد میں آباد نہیں ہوسکی۔ واللہ اعلم۔ (توضیح القرآن ۳/۱۷۸۳)

اس پوری تفصیل کا مقصد صرف اتنا ہے کہ پچھلے چند سالوں سے ہمارے کچھ دیہاتوں کے بارے میں شکایت سننے میں آرہی ہے کہ ان دیہاتوں کے ذمہ داران ہمارے عربی مدارس کے سفراء کو اپنی مساجد میں قیام اور چندہ سے روک رہے ہیں؛ بلکہ بعض جگہوں سے تو ان کو فوراً نکال دیتے ہیں۔

یہ لوگ شاید اس بات سے ناواقف ہیں کہ عربی مدارس کا ہمارے معاشرہ میں کیا مقام ہے؟ اور وہ سمجھتے نہیں کہ ان کی یہ حرکت کس قدر قابلِ ملامت ہے؟

ایسی شکایتیں بار بار سننے کے بعد مناسب معلوم ہوا کہ اس بارے میں ایک مفصل مضمون تیار کر کے دینی مدارس کی اہمیت اور ان کی بقا کے لئے ہمارے بزرگان

کیسی کیسی مشقتیں برداشت کرتے تھے، اس سے لوگوں کو واقف کرایا جاوے، اور یہ بداخلاقی اور بدسلوکی ہمارے معاشرہ میں آگے بڑھے اس سے پہلے ہی اس کو دفن کردیا جاوے، اس کی طرف توجہ دلانے کے خاطر یہ تحریر پیش کی جاتی ہے۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

دکان کا سیٹھ، کمپنی کا مالک اپنا نمائندہ کسی گاہک کے ہاں دام وصول کرنے بھیجے، گاہک اس کے ساتھ برا سلوک کرے، بدتمیزی سے پیش آئے، کڑوی کسیلی سنائے تو اس نمائندہ پر کیا گزرے گی؟ اس کا دل کس قدر پارہ پارہ ہوگا؟ اس تکلیف کا احساس وہی کرسکتا ہے جو اس مرحلہ سے گزر چکا ہو، یہی سلوک چندہ کرنے والے سفراء کے ساتھ کیا جانے لگا ہے، آج کل مدارس و جامعات کے لئے چندہ کرنے والوں کے ساتھ جو برتاؤ کیا جاتا ہے اس کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا، بعض حضرات تو سفراء سے تلخ کلامی پر اکتفاء کر لیتے ہیں، جبکہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو ان کے لئے مسجد کا قیام تنگ کر دیتے ہیں، نہ ان کو قیام کی اجازت ہے اور نہ طعام کا انتظام ہے، حالانکہ یہ بیچارے اپنے جیب کے لئے نہیں؛ بلکہ امت کے جگر گوشوں کو علم کی دولت سے بہرہ ور کرنے کے لئے در بدر پھرتے ہیں، بعض سفراء با دل ناخواستہ یہ کام اپنی نوکری کو برقرار رکھنے کے لئے کرتے ہیں؛ اس لئے کہ ذمہ دارانِ مدرسہ نے تقرر میں چندہ کی قید کر رکھی ہے، بعض ذمہ دارانِ مدرسہ کا یہ طرز بھی سامنے آیا کہ کسی استاذ کے تقرر کے وقت اس کی صلاحیت و استعداد دیکھنے کی بجائے چندہ کو معیار بنا رکھا ہے کہ وہ کن کن علاقوں کا سفر کر سکتے ہیں؟ باہر کے ملکوں کا سفر کر سکتے ہیں؟ سال میں کتنا چندہ جمع کر سکتے ہیں؟ **یاللعجب!**

دینی و دنیوی امور کے لئے چندہ کی تحریک مختلف شکلوں اور طریقوں سے جاری ہے، بڑی بڑی حکومتیں ہنگامی کاموں کے لئے چندہ کی تحریک اپناتی ہیں،

بہت سے دنیوی اور بعض دفعہ غیر ضروری اموراور بالکل فضول؛ بلکہ گناہوں کے کاموں کے لئے چندہ فراہم کرتی ہیں، دنیا کی مختلف سماجی تنظیمیں، فلاحی ادارے، ملی جماعتیں اپنے مقاصد کے حصول کے خاطر چندہ کی زوردار اپیل کرتی ہیں، اور لوگ بلاتفریق مذاہب اپنی اپنی وسعت وحیثیت کے مطابق چندہ بھی دیتے ہیں، یہ سلسلہ ہر دور میں جاری رہا ہے، لیکن نہ کبھی ان کی حقارت ذہن میں آتی، نہ ان پر الزام تراشیاں ہوتیں، اور نہ ان پر جملے کسے جاتے، نہ ان کو دھکے دیئے جاتے، یہ بے چارے مدرسہ کے بوریہ نشین اور شکستہ حال افراد جب کسی مدرسہ کے لئے بات کرتے ہیں تو بعض حضرات اس قدر طعن وتشنیع کرتے ہیں کہ اللہ کی پناہ! بعض گاؤں کا یہ طرز بھی سامنے آیا کہ مدارس کے سفراء کے لئے مسجد کے قیام پر پابندی عائد کردی ہے، اسی وجہ سے خیال ہوا کہ اس سلسلہ میں شریعت مطہرہ کی ہدایات اور ہمارے اسلاف کا طرز عمل پیش کیا جائے، امید ہے کہ اس پر عمل کرنے سے خدامِ مدارس کے وقار میں اضافہ ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

چندہ کا ثبوت

غزوۂ تبوک کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے ہرقل شاہِ روم کی فوج سے مقابلہ کے موقع پر ایک خطبہ دیا، اس وقت موسمِ گرما، قحط کا زمانہ اور فقر وفاقہ اور بے سروسامانی کا عالم تھا، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کل مال لاکر آپ ﷺ کے سامنے پیش کر دیا جس کی مقدار چار ہزار درہم تھی، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا اہل وعیال کے لئے کچھ چھوڑا ہے؟ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا: صرف اللہ اور اس کے رسول کو،

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آدھا مال پیش کیا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دوسو اوقیہ چاندی لاکر حاضر کی، حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ نے ستر وسق کھجوریں پیش کیں، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے تین سو اونٹ مع ساز و سامان کے اور ایک ہزار دینار لاکر بارگاہِ نبوی میں پیش کئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت مسرور ہوئے، بار باران کو پلٹتے تھے اور یہ فرماتے جاتے تھے کہ اس عمل صالح کے بعد عثمان کو کوئی عمل ضرر نہیں پہنچا سکے گا، اے اللہ! میں عثمان سے راضی ہوا تو بھی اس سے راضی ہو۔ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی اپنی حیثیت کے موافق اس مہم میں امداد کی۔ (سیرۃ المصطفیٰ:۳/۷:۸)

معلوم ہوا کہ دینی امور کے لئے چندہ کی اپیل کوئی نیا عمل نہیں، آقائے نامدار، پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، جو اس عمل کو حقارت کی نظر سے دیکھے اس کو اپنے ایمان کی خیر منانا چاہئے۔

۱۸۵۷ء کے بعد غیر منقسم ہندوستان کے نامساعد حالات میں ہمارے اکابر نے جس طرح علم دین کی بقاء کے لئے ان مدارس کی بنیاد رکھی، وہ نہ صرف جرأت مندی اور دانش مندی کی ایک روشن مثال ہے؛ بلکہ آج اگر اسلام کے نام لیوا ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش میں موجود ہیں تو وہ ان ہی دینی مکاتب کا فیضان ہے۔

قیام دارالعلوم دیوبند اور اس کا پہلا چندہ

تاریخ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

۱۸۵۷ء کے خونیں انقلاب میں جب دہلی اجڑی اور اس کی سیاسی بساط الٹ گئی، تو دہلی کی علمی مرکزیت بھی ختم ہوگئی، اور علم و دانش کا کارواں وہاں سے

رختِ سفر باندھنے پر مجبور ہو گیا، اس وقت کے اہل اللہ اور خصوصیت سے ان بزرگوں میں- جو اس خونیں انقلاب سے خود بھی گزر چکے تھے اور مسلمانوں کی نعشوں کو خاک وخون میں تڑپتا ہوا دیکھ چکے تھے- یہ فکر واضطراب لاحق ہوا کہ علم و معرفت کے اس کارواں کو کہاں ٹھکانا دیا جائے؟ اور ہندوستان میں بے سہارا مسلمانوں کے دین وایمان کو سنبھالنے کے لئے کیا صورت اختیار کی جائے؟ اسے بخت واتفاق کہئے یا تقدیر الٰہی کہ اس وقت اس راہ عمل کے لئے مذاکروں کا مرکزی مقام دیو بند کی مسجدِ چھتہ بن گئی، یہ وہی مسجد ہے جس میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا ورودِ دیو بند کے موقع پر قیام رہتا تھا، حضرت نانوتویؒ کے سسرال دیو بند کے محلّہ دیوان میں تھے، اس لئے اکثر یہاں تشریف آوری ہوتی رہتی تھی، دیو بند میں حضرت مولانا ذوالفقار علیؒ، حضرت مولانا فضل الرحمٰنؒ اور حضرت حاجی محمد عابدؒ سے مودت ومحبت کا رشتہ قائم تھا، ان حضرات کے وقت کا اکثر حصہ اسی ذکر وفکر میں صرف ہونے لگا، سوانح مخطوطہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ:

”اس زمانے میں جناب مولوی رفیع الدین صاحب اور جناب حاجی محمد عابد صاحب رحمہما اللہ چھتہ کی مسجد میں قیام پذیر تھے، مولانا نے ان بزرگوں کی وجہ سے اسی مسجد میں قیام کیا اور ان دونوں بزرگوں سے کمال درجے کا ربط ضبط قائم ہو گیا۔“

اس وقت بنیادی نقطۂ نظر یہ قرار پایا کہ مسلمانوں کے دینی شعور کو بیدار رکھنے اور ان کی ملی شیرازہ بندی کے لئے ایک دینی وعلمی درسگاہ کا قیام ناگزیر ہے، اس مرکزی فکر کی روشنی میں حضرت نانوتویؒ اور ان کے رفقاءِ خاص حضرت مولانا

ذوالفقار علی، حضرت مولانا فضل الرحمٰنؒ اور حضرت حاجی محمد عابدؒ نے یہ طے کیا کہ اب دہلی کے بجائے دیوبند میں یہ دینی درس گاہ قائم ہونی چاہیئے۔

یہاں یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ اسلامی عہدِ حکومت میں مدارس کے لئے حکومت کی جانب سے اوقاف مقرر ہوتے تھے، جن سے مدارس کے اخراجات پورے کئے جاتے تھے، والیانِ ریاست اور امرائے حکومت بھی پوری فیاضی کے ساتھ مدارس کی سرپرستی کرتے تھے مگر جب دارالعلوم قائم ہوا تو اسلامی حکومت کی وہ شمع جو چھ سوسال سے ہندوستان میں روشن تھی، گل ہو چکی تھی، اسلامی حکومت نے عوام کو اس سے بے نیاز کر دیا تھا کہ وہ اپنے بچوں کی تعلیم کی ذمہ داری اپنے سر پر اٹھائیں، اس لئے اس وقت کا سب سے بڑا سوال یہ تھا کہ آئندہ بچوں کی تعلیم کا کس طرح انتظام کیا جائے؟

۱۸۵۷ء مطابق ۱۲۷۴ھ کی جنگِ آزادی کی جد و جہد کے جرم میں انگریزوں نے مسلمانوں پر جہاں بے پناہ مظالم توڑے تھے، وہیں اسلامی علوم و فنون اور مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت کو بھی تباہ و برباد کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی، اوقاف ضبط کر لئے گئے تھے، جن کی وجہ سے قدیم مدارس قریب قریب ختم ہو گئے تھے، اس لئے اب ضرورت تھی کہ اوقاف کے سابقہ طریقے پر بھروسہ کرنے کے بجائے کوئی دوسرا طریق اختیار کیا جائے، حضرت نانوتویؒ کے اصول ہشتگانہ سے واضح ہوتا ہے کہ یہ طریقہ عوامی چندے کا تھا، جس میں نہ حکومت کی مالی امداد شامل ہو اور نہ جاگیرداروں کی، تا کہ سرکاری اثرات سے یہ تعلیم گاہ آزاد رہے۔

چندے کی تحریک: چندے کی فراہمی کے سلسلے میں جس نے سب سے پہلے عملی اقدام کیا وہ حضرت حاجی محمد عابدؒ تھے، حاجی فضلِ حق صاحبؒ نے حضرت نانوتویؒ کی ''سوانح مخطوطہ'' میں دارالعلوم کے لئے چندے کا طریقہ اختیار کرنے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''ایک دن بوقتِ اشراق حضرت حاجی سید محمد عابدؒ سفید رومال کی جھولی بنا کر اوراس میں تین روپے اپنے پاس سے ڈال کر چھتہ کی مسجد سے تنِ تنہا مولوی مہتاب علی مرحوم کے پاس تشریف لائے، مولوی صاحب نے کمال کشادہ پیشانی سے چھ روپے عنایت کیے اور دعا کی، اور بارہ روپے مولوی فضل الرحمٰن صاحبؒ نے اور چھ روپے اس مسکین (سوانح مخطوطہ کے مصنف حاجی فضل حق صاحبؒ) نے دیئے، وہاں سے اٹھ کر مولوی ذوالفقار علی سلمہ اللہ تعالیٰ کے پاس آئے، مولوی صاحب ماشاء اللہ علم دوست ہیں فوراً بارہ روپے دیئے، اور حسن اتفاق سے اس وقت سید ذوالفقار علی ثانی دیوبندیؒ وہاں موجود تھے، ان کی طرف سے بھی بارہ روپے عنایت ہوئے، وہاں سے اٹھ کر یہ درویش بادشاہ صفت محلّہ ابوالبرکات پہنچے، دوسو روپے جمع ہوگئے، اور شام تک تین سو روپے، پھر تو رفتہ رفتہ خوب چرچا ہوا، اور جو پھل پھول اس کو لگے وہ ظاہر ہیں، یہ قصہ بروز جمعہ دوم ماہ ذی قعدہ ۱۲۸۲ھ میں ہوا۔''

آج سے سو، سوا سو سال پہلے بلا شبہ یہ عجیب وغریب اور نئی بات تھی کہ عوامی چندے کی بنیاد پر ایک ایسا تعلیمی ادارہ قائم کیا جائے جو حکومت کے اثرات

سے آزاد ہو، آنے والے عوامی دور کے پیش نظر یہ ایک زبردست پیش بینی تھی، تحریکِ خلافت کے موقع پر جب مولانا محمد علی جوہر مرحوم دارالعلوم میں آئے اور انھوں نے حضرت نانوتویؒ کے اصول ہشتگانہ دیکھے تو مولانا مرحوم کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور فرمایا کہ ''ان اصول کا عقل سے کیا تعلق! یہ تو خالص الہام ومعرفت کے سرچشمے سے نکلی ہوئی باتیں ہیں، سو برس کے بعد دھکے کھا کر ہم جس نتیجے پر پہنچے ہیں، حیرت ہے کہ یہ بزرگ پہلے ہی اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے۔''

اب جب کہ بڑی بڑی ریاستیں خواب و خیال بن چکی ہیں، اور زمینداریاں ختم ہوگئی ہیں، مگر کشمیر سے آسام تک ہزاروں دینی مدرسے چل رہے ہیں اور ان پر حکومت کی تبدیلیوں کا کوئی اثر نہیں ہے، اس سے عوامی چندے کی افادیت اور مدارس کی بنیادوں کے استحکام کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

اوقاف کے سابقہ طریقے کے بجائے عوامی چندے کا یہ طریقہ بہت کامیاب اور بڑا نتیجہ خیز ثابت ہوا، دینی مدارس کے قیام اور دینی تعلیم کی نشر و اشاعت کے لئے یہ ایک ایسا مفید اور مستحکم طریقہ تھا جس نے دینی تعلیم کے فروغ کو عوامی چندے کی تحریک میں تبدیل کر دیا، چندے کی نسبت دارالعلوم کا شروع سے طے شدہ اصول یہ رہا ہے کہ اس میں نہ تو چندے کے لئے کوئی لازمی مقدار مقرر کی گئی ہے نہ مذہب وملت کی تخصیص روا رکھی گئی ہے، چندے کی اس دفعہ کے الفاظ یہ ہیں:

''چندے کی کوئی مقدار مقرر نہیں ہے اور نہ خصوصیتِ مذہب وملت

ہے''۔(تاریخ دارالعلوم دیوبند::ا/ ۱۴۸تا ۱۵۲)

بانیٔ دارالعلوم دیوبند حضرت نانوتویؒ نے دینی مدارس خصوصاً دارالعلوم کے قیام وبقاء کے لئے جو دستورالعمل تجویز فرمایا ہے اس میں اسلامی دورِ حکومت کے سابقہ طریق کے برعکس اسی عوامی چندہ اور جمہوری طرز کے اختیار کرنے کی پر زور تلقین کی گئی ہے، دستورالعمل کی دفعہ نمبر ایک میں ہے:

اصل اول یہ ہے کہ تا: مقدور کارکنان مدرسہ کی ہمیشہ تکثیر چندہ پر نظر رہے، آپ کوشش کریں اوروں سے کرائیں، خیر اندیشانِ مدرسہ کو یہ بات ہمیشہ ملحوظ رہے۔(ایضاً ا/۱۵۳)

مذکورہ دفعہ میں واضح طور پر تکثیر چندہ پر پوراپورا زور دیا گیا ہے۔

تکثیر چندہ کی صورتیں

سوال یہ ہے کہ تکثیر چندہ کی کونسی صورتیں اختیار کی جائیں؟ ہمارے اکابر کا اس سلسلہ میں طرزِ عمل مختلف رہا ہے۔

استغناء

(ا) استغناء سے کام لیا جائے، حکیم الامت حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں: ''انسان کو استغناء کی حقیقت اختیار کرنا چاہئے، اس میں خود یہ اثر ہے کہ دنیا کھینچی چلی آئے گی، مگر خدارا محض اس نیت سے استغناء نہ کرنا، محض اللہ واسطے مستغنی بننا چاہئے اور کسی کے سامنے سوائے حق تعالیٰ کے ہاتھ نہ پھیلانا چاہئے، یہ

طریقہ علماء نے چھوڑ دیا ہے؛ اسی وجہ سے ان کی بات میں اثر نہیں رہا۔‘‘

(العلم والعلماء: ۳۳۷)

ہمارے اکابر جو کہتے ہیں وہ خود بھی اس پر عمل کرتے ہیں، حضرت تھانویؒ کے مذکورہ بالا ملفوظ میں استغناء کی ترغیب دی گئی ہے، خود حضرت تھانویؒ نے استغناء کے ساتھ مدرسہ چلایا، اس سلسلہ کا ایک واقعہ ملاحظہ کیجئے:

استغناء کے ساتھ مدرسہ چلانے کا طریقہ، حضرت تھانویؒ کا واقعہ

میں بقسم کہتا ہوں کہ اگر لوگ خالص نیت کے ساتھ اپنا کام کرتے رہیں تو اپنے آپ ہی لوگ آ آ کر خدمت کریں گے۔ کانپور میں جب میں پڑھاتا تھا تو مدرسہ کی مسجد میں طلباء کے لئے ایک حوض تیار کرانے کی ضرورت ہوئی اور روپیہ تھا نہیں اور کسی سے چندہ مانگنے کو طبیعت نے گوارہ نہ کیا، بس میں نے مدرسہ والوں سے کہا کہ تم اپنے اختیار کا کام کردو اور ایک جگہ متعین کر کے گڑھا کھدوا دیا گیا اور چھوڑ دیا گیا۔ لوگ دریافت کرتے کہ یہ کیا ہے؟ ہم کہتے کہ حوض ہے، جتنی ہمارے اندر طاقت تھی اور جتنا سامان ہمارے پاس تھا اتنا ہم نے کرلیا، آگے اللہ تعالیٰ مالک ہے، دو ایک دن تو یوں ہی پڑا رہا اس کے بعد ایک دن محلّہ میں ایک بڑی بی نے مجھ کو اپنے گھر بلایا جو پہلے بھی کبھی کبھی بلایا کرتی تھیں اور کہا کہ میں نے سنا ہے کہ ایک حوض تجویز ہوا ہے، اس کا کیا انتظام کیا گیا ہے؟ میں نے کہا کہ جتنا کام ہمارے اختیار میں تھا اتنا کرا دیا ہے، کہنے لگیں کیا تخمینہ ہے؟ میں نے کہا پانچ سو روپئے، کہنے لگیں: میں دوں گی، میرے سوا کسی اور کی رقم نہ لگے۔ اب اور لوگ

آنے شروع ہوگئے کہ صاحب! ہمارے پانچ روپئے قبول کر لیجئے، ہمارے دس روپئے قبول فرمائیے، میں نے کہہ دیا کہ ایک بی بی نے ایسا کہہ دیا ہے۔ ہاں ایک سائبان کی تجویز ہے کہ اس کے اوپر ڈالا جائے، کہنے لگے تو پھر ہم اسی کے لئے دیتے ہیں، چنانچہ اس طرح حوض بھی تیار ہوگیا اور سائبان بھی تیار ہوگیا، تھوڑا سا کام شروع کردینے سے کام قابو میں رہتا ہے۔ (القول الجلیل: ص۳۲)

ہم نے اپنے وطن میں ایک مدرسہ کر رکھا ہے، مگر اس انداز سے کہ نہ کسی سے چندہ مانگا جاتا ہے نہ کسی کو ترغیب دی جاتی ہے، طلبہ سے صاف کہہ دیا ہے اگر توکل کر کے رہیں تو رہیں، ہم ذمہ داری نہیں لیتے، خدا تعالیٰ نے دیا تو ہم دیں گے؛ مگر باوجود اس استغناء کے مدرسہ اچھی خاصی طرح چل رہا ہے۔ دعوات عبدیت: ۶۱/۷۔ (العلم والعلماء: ۳۳۷، ۳۳۸)

حضرت بنوریؒ کا استغناء اور ان کے جامعہ کی خصوصیات

محدث عصر حضرت مولانا سید یوسف بنوریؒ (بانیٔ جامعۃ العلوم الاسلامیہ نیوٹاؤن، کراچی، پاکستان) کے نام نامی سے شاید ہی اہل علم میں سے کوئی ناواقف ہوں، ان کا یہ جامعہ پاکستان کے ممتاز مدارس میں شمار کیا جاتا ہے، حضرت بنوریؒ کے حالات میں لکھا ہے:

اخلاص وتوکل اللہ تعالیٰ نے اتنا اعلیٰ عطا فرمایا تھا کہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں کسی سفیر، جلسہ، اشتہار و اعلان کی ضرورت نہیں، جس کا مدرسہ ہے وہ خود چلائے گا، چنانچہ مخلص حضرات خود آکر چندہ دے جاتے تھے، کوئی سفیر تھا نہ اپیل،

حتی کہ ہمارے شیخ رحمہ اللہ بعض مرتبہ تو زکوۃ دینے والوں سے یہ فرمادیا کرتے تھے کہ ہمارا سال بھر کا انتظام ہو چکا ہے، آپ کسی دوسرے مدرسہ کو دے دیں، بعض مرتبہ خود لے کر کسی دوسرے مدرسہ کو دے دیتے، کتنے مدرسے ایسے تھے جن کی امداد خود ہی فرمایا کرتے تھے، نہ حکومت سے مدد لیتے نہ اوقاف سے، نہ ہی کسی اور سرکاری وغیر سرکاری ادارہ سے، بھروسہ تھا تو صرف خدا کی ذات پر، وہی دلوں کو پھیرنے والا ہے، وہ دلوں کو اس طرح پھیر دیتا تھا کہ حیرت ہوتی تھی، لوگ پیسے دے رہے ہیں اور شیخ رحمہ اللہ استغناء سے واپس فرما رہے ہیں کہ ہمیں زکوٰۃ کی ضرورت نہیں، یہ بھی کوئی پیسہ ہے، تمہارا ہم پر احسان نہیں کہ زکوٰۃ دے رہے ہو؛ بلکہ ہمارا تم پر احسان ہے کہ ہم تمہارے پیسے کو قبول کرتے ہیں اور صحیح جگہ پر لگاتے ہیں، کسی سے فرماتے کہ یہ زکوٰۃ کا پیسہ اس وقت قبول کریں گے جب کہ اتنی ہی مقدار میں غیر زکوٰۃ کا پیسہ دو، جب وہ صاحب حامی بھر لیتے تو قبول کر لیتے، فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے مدرسہ کی خصوصیات حسبِ ذیل ہیں:

۱- مدرسین حضرات کی تنخواہ اس فنڈ سے دی جاتی ہے جس میں صرف عطیات وتبرعات کا پیسہ ہو، زکوٰۃ وصدقات، تنخواہوں میں قطعاً نہیں دیئے جاتے۔

۲- زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کے اموال صرف طلباء کے وظائف میں لگائے جاتے ہیں، تنخواہ کے لئے اس مد سے قرض تک نہیں لیا جاتا، نہ حیلۂ تملیک کر کے کسی دوسرے مصرف میں لگایا جاتا ہے۔

۳- ہر ضرورت کی چیز اس کے خاص فنڈ سے خریدی جاتی ہے، اگر تعمیر کی

ضرورت ہے تو اس کے نام سے پیسہ آنا چاہئے اور وہ صرف اسی پر خرچ ہوگا، اگر دریاں، قالین، پنکھے وغیرہ خریدنا ہے تو اس کے نام سے قوم پیسہ دیتی ہے اور یہ چیزیں خریدی جاتی ہیں، کتابوں کی خرید کے نام سے پیسہ آتا ہے تو اس سے کتابیں خریدی جاتی ہیں، غرضیکہ جس نام سے جو پیسہ لیا جاتا ہے وہ اسی جگہ پر خرچ ہوتا ہے، ایسا نہیں ہوتا کہ پیسہ تعمیر کے نام سے لیا جائے اور اس سے کتابیں خرید لی جائیں یا کتابوں کے نام سے پیسہ حاصل کر کے اس سے پنکھے خریدے جائیں۔

(بینات ماہنامہ کراچی: ص: ۶۲، ۶۳)

بڑی رقم ٹھکرادی

حضرت بنوریؒ کے استغناء کا واقعہ سن لیجئے:

۱- ''ایک شخص حضرت بنوریؒ کے پاس بڑی رقم لے کر آیا اور کہا حضرت! میں یہ رقم آپ کے مدرسہ کے لئے لایا ہوں، مولانا نے جواب میں فرمایا: ہمارے مدرسہ کا ایک سال کا خرچ پورا ہو چکا ہے، اس لئے آپ یہ رقم لے جائیں اور کسی ایسے مدرسہ میں دے دیں جو ہم سے زیادہ حقدار ہو، اس نے پھر وہی کہا اور اصرار کرتا رہا، لیکن حضرت مولانا نہ مانے، آخر وہ اٹھ کر کھڑا ہوا اور جاتے وقت بولا حضرت آپ کو اتنی زیادہ رقم دینے والا کوئی نہیں ملے گا، اس پر حضرت نے جواب دیا اور تمہیں بھی اتنی بڑی رقم ٹھکرانے والا کوئی نہیں ملے گا۔

(ماہنامہ دارالسلام شوال المکرّم ۱۴۲۶ھ)

ہمارا بجٹ پورا ہو چکا ہے

۲-۱۹۸۳ء میں مشہور مقرر مولانا سید عبد المجید ندیم پاکستانی کا گجرات میں دورہ ہوا، اسی دورہ میں ایک بیان جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں ۱۴/ مارچ ۱۹۸۳ء مطابق ۲۸/ جمادی الاول ۱۴۰۳ھ کو بعد نمازِ عشاء ہوا، اس میں انہوں نے اپنی طالب علمی کے دور کا حضرت بنوریؒ کے استغناء پر مشتمل واقعہ بیان فرمایا:

ندیم صاحب فرماتے ہیں: ان (یعنی مولانا سید یوسف بنوریؒ) کے استغناء کا ایک واقعہ عرض کرتا جاؤں۔

میرے عزیز! طلباء کی بڑی تعداد موجود ہے، وہ میرے حقیقی مخاطب ہیں کہ ایک عالم دین کا معیار کیا ہونا چاہئے۔

جلالین کا سبق ہو رہا تھا، مسجد کے وسیع ہال میں شیخ بنوری طلباء کے درمیان محو تدریس تھے، ایک آدمی پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے بڑی رعونت سے مسجد میں داخل ہوا، ہم نے بھی اسے دیکھا، شیخ بنوریؒ نے بھی ایک نظر اسے دیکھا اور پھر مصروفِ درس ہو گئے، وہ ادھر ادھر ٹہلتا رہا، جوں ہی سبق ختم ہوا، ہم نے کتابیں بند کیں تو وہ شخص قریب آ کر شیخ بنوری کو ایک چیک دیتے ہوئے کہنے لگا:

''یہ پچاس ہزار روپئے آپ کے ادارہ کے لئے لایا ہوں''۔

حضرت بنوریؒ نے اس کی طرف دیکھے بغیر بڑے وقار سے فرمایا:

''ہمارا بجٹ پورا ہو چکا'' آیا خیال شریف میں، مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں، لے جاؤ، ''آیا خیال شریف میں'' (یہ تکیۂ کلام تھا ان کا) وہ منظر میں کبھی

نہیں بھول سکتا، یوں لگتا تھا جیسے سیٹھ صاحب سوالی ہو اور شیخ بنوری مستغنی، وہ دیر تک کھڑا التجائیں کرتا رہا، مگر شیخ بنوریؒ نے فیصلہ کن انداز میں فرمایا:

’’کہیں اور لے جاؤ!! ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔

جو بے نیاز کا بندہ ہے بے نیاز رہے

ہم نے اس روز مشاہدہ کیا کہ تاجدار علم وحکمت کے سامنے زر وسیم کے ڈھیر کتنی حقیر شئی ہوتے ہیں۔ علم واستغناء لازم وملزوم ہیں۔ (پیغام حق وصداقت: ۲۲۸)

معلوم ہوا کہ توکل اور استغناء ایسی دولت ہے جس سے بڑے بڑے جامعات چل سکتے ہیں، آج کل توکل اور استغناء والے اوصاف عنقاء ہو رہے ہیں، توکل علی اللہ کے بجائے توکل علی الأغنیاء ہونے لگا ہے، اسی وجہ سے تکثیر چندہ کی دوسری صورتیں اختیار کرنی پڑتی ہیں۔

بذریعۂ تحریر چندہ کی اپیل

(۲) تکثیر چندہ کی دوسری صورت یہ ہے کہ تحریر کے ذریعہ چندہ کا عام اعلان کیا جائے، مثلاً پمفلٹ شائع کر کے یا حسب ضرورت کسی رسالہ میں مضمون یا اعلان لکھ دیا یا مدرسہ کی سالانہ روئداد میں مدرسہ کی ضروریات لکھ دیں، وغیرہ وغیرہ جو صاحب اموال مصارف خیر کے متلاشی ہوں گے وہ اپنی رقوم پہنچا دیں گے۔

حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کا یہ بھی طریقہ رہا ہے، فرماتے ہیں:

مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون کا قصہ ہے کہ میں نے مدرسہ کے لئے چندہ اس طرح مقرر کرایا تھا کہ ایک کاغذ پر یہ لکھ دیا کہ مدرسہ کے اخراجات کے لئے

چندہ کی ضرورت ہے، جو صاحب اس میں شریک ہونا چاہیں وہ اپنا نام اور رقم خود اپنے قلم سے لکھ دیں، اس کاغذ پر کسی معین چندہ دہندہ کا نام نہیں لکھا گیا، اور ایک لڑکے عبدالکریم کو وہ کاغذ دیدیا اور کہہ دیا کہ اس کاغذ کو فلاں جگہ لے جاؤ، کسی سے کچھ کہنا مت، صرف دیدینا، اگر وہ کچھ لکھ دیں تب، اور نہ لکھیں تب واپس لے کر چلے آنا یہ چندہ بالکل حلال تھا۔ (العلم والعلماء ۳۲۵)

دارالعلوم دیوبند میں بیرونی طلبہ کے قیام کی ضرورت کے لئے کمروں کی تعمیر پیش نظر تھی، اس وقت بھی چندہ کا یہی طریقہ اختیار کیا گیا تھا۔

تاریخ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

دارالعلوم میں بیرونی طلبہ کے قیام کے لئے کمروں کی تعمیر کی غرض سے حیدرآباد میں دارالعلوم کے ہمدردوں نے بڑی گرمجوشی کا اظہار کیا، مولوی شوکت حسین صاحب مددگار صوبیدار ورنگل حیدرآباد میں اس تحریک کے روح رواں تھے، انہوں نے دارالعلوم کی اپیل پر اپنی جدوجہد سے سات ہزار روپے چندہ کر کے کمروں کی تعمیر کے لئے بھیجے، اس زمانہ میں موصوف نے علی گڈھ انسٹیوٹ گزٹ میں ایک طویل مضمون لکھا تھا، جس میں انہوں نے بڑے مؤثر انداز میں بتلایا تھا کہ دارالعلوم کی امداد کیوں ضروری ہے؟ الخ (تاریخ دارالعلوم دیوبند: ۱/۲۰۴)

فراہمیٔ سرمایہ کی بعض مفید صورتیں

(۳) تکثیر چندہ اور فراہمیٔ سرمایہ کی بعض مفید اور آسان صورتیں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے اپنے قیام کے ابتدائی دور میں اختیار کی تھیں، ان کا نقل

کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ تاریخ ندوۃ العلماء میں ہے:

قیامِ دارالعلوم، دارالافتاء اور اشاعت اسلام کی مد میں دس بارہ لاکھ روپے سرمایہ کی ضرورت کا اظہار کیا گیا تھا، اس خطیر رقم کی وصولیابی کس طرح ممکن ہے، اس پر درج ذیل تجاویز پیش ہوئیں۔

۱- ہندوستان کے چھ کروڑ مسلمانوں میں سے (اس وقت یہی آبادی تھی) ۴/کروڑ مسلمانوں سے فی کس چار آنے وصول کئے جائیں تو ایک کروڑ روپیہ وصول ہوسکتا ہے۔

۲- ہر شخص اپنے اوپر لازم کرلے کہ جس وقت وہ اپنی ضرورت سے روپیہ خوردہ کرائے تو ایک پیسہ اس کام کے لئے علیٰحدہ کردے۔

۳- برادری میں اس بات پر عہد ہوجائے کہ تقریبات شادی، ختنہ، عقیقہ، نکاح وغیرہ کے موقع پر اس اہم دینی کام کے لئے بھی معتد بہ رقم دی جائے۔

۴- اپنی پہلی تنخواہ یا اس کا ایک حصہ ندوے کے لئے نکالیں، جیسا کہ میرٹھ کے عالی ہمتوں نے کیا ہے۔

۵- سوداگر اور ٹھیکیدار اپنے نفع میں سے ایک قلیل مقدار اس مذہبی خدمت کے لئے جدا کرتے جائیں۔

۶- مسجدوں اور عام نشست گاہوں میں مقفل امدادی صندوق رکھے جائیں۔

۷- لاولد مالدار مسلمان اپنی جائداد اور دیگر اموال ایسے کاموں کے لئے وقف کردیں۔

یہ چند آسان اور سہل طریقے ہیں، ان پر جا بجا عمل بھی شروع ہو گیا ہے، ندوۃ العلماء کو قائم ہوئے چار سال ہو چکے، اس کے اغراض و مقاصد کی اشاعت ہو چکی، اور اس کی آواز مسلمانوں کے کانوں تک پہونچ گئی، نوحہ خوانی کا وقت اب باقی نہیں رہا، اب کام کرنے کا زمانہ آیا ہے۔

عرفی اگر بگریہ میسر شدے وصال		صد سال میتواں بہ تمنا گریستن

اس اجلاس کی روداد میں تحریک ندوۃ العلماء کے سرپرست کی حیثیت سے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کا نام نامی نمایاں ہے۔

(تاریخ ندوۃ العلماء: ۱/ ۱۹۶، ۱۹۷)

خصوصی چندہ

(۴) مالداروں اور رؤساء کے پاس جا کر مدرسہ کی امداد کی خصوصی درخواست سے ہمیشہ ہمارے علماء نے اجتناب کیا ہے، خود بانیٔ دار العلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے دار العلوم دیوبند کے دستور العمل کے نمبر ۶ میں تحریر فرمایا ہے: ''(۶) اس مدرسہ میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں، جب تک یہ مدرسہ انشاء اللہ بشرط توجہ الی اللہ اسی طرح چلے گا، اور اگر کوئی آمدنی ایسی یقینی حاصل ہوگئی جیسے جاگیر یا کارخانۂ تجارت یا کسی امیر محکم القول کا وعدہ تو پھر یوں نظر آتا ہے کہ یہ خوف و رجا- جو سرمایہ رجوع الی اللہ ہے- ہاتھ سے جاتا رہے گا اور امداد غیبی موقوف ہو جائے گی، اور کارکنوں میں باہم نزاع پیدا ہو جائے گا؛ القصہ! آمدنی

اور تعمیر وغیرہ میں ایک نوع کی بے سروسامانی ملحوظ رہے۔‘‘ (تاریخ دار العلوم:۱/۱۵۴)

البتہ جو رؤسا دینی امور میں حصہ لینے کو اپنی سعادت تصور کرتے ہوں، اہل مدرسہ کو اپنا محسن سمجھتے ہوں، ایسے رؤسا کے دربار میں حاضر ہوکر مدرسہ کی ضروریات ان کے سامنے ظاہر کی جائیں تو اس کی گنجائش ہے، ہمارے اکابر کے قائم کردہ مدارس میں اس کے نمونے بھی موجود ہیں۔

۱۳۳۲ھ میں علامہ کشمیریؒ، شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور دیگر اکابر کو دار العلوم دیو بند کی طرف سے نواب ڈھاکہ کی خدمت میں دار الحدیث کی تعمیر کی اپیل کے سلسلہ میں بھیجا گیا تھا، تاریخ دار العلوم دیو بند میں ہے:

ڈھاکہ کے لئے وفد کی روانگی

ڈھاکہ کے رئیس نواب سلیم اللہ خاں صاحب کو قومی اور اسلامی کاموں سے بڑا شغف تھا، موصوف دار العلوم کی امداد واعانت میں بڑی بڑی رقموں سے بیش از بیش حصہ لیتے تھے، ۱۳۳۲ھ میں جب دار الحدیث کی تعمیر وتکمیل کے لئے چندہ کی اپیل کی گئی تو موصوف نے بڑی گرمجوشی سے اس کا خیر مقدم کیا، اور اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ اس سلسلے میں دار العلوم کا ایک وفد ڈھاکہ آنا چاہئے، دار العلوم کی پچاس سالہ تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ ملک کے ایک بڑے رئیس کی جانب سے اس قسم کی دعوت دی گئی، دار العلوم میں اب تک وفود کے بھیجنے کا کوئی خاص اہتمام نہ تھا اور بالخصوص امراء ورؤسا کی بارگاہوں سے تو مصلحتاً اجتناب ہی برتا جاتا تھا، مگر نواب صاحب کے دینی کاموں میں خلوص کے ساتھ حصہ لینے، قومی

ہمدردی اور اسلامی کاموں سے شغف اور دل سوزی کے باعث ان کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے وفد کی روانگی کا فیصلہ کیا گیا۔

۷/ جمادی الاولی کو دارالعلوم کے اراکین واساتذہ کا ایک وفد مہتمم صاحب کی زیرسرکردگی ڈھاکہ روانہ ہوگیا، نواب صاحب نے اراکین ریاست اور اپنے اعزہ کے ساتھ اسٹیشن پر استقبال کیا، اور وفد کی شایان شان مدارات وتواضع میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا، کئی روز تک ڈھاکہ میں جلسے ہوتے رہے، حضرت شاہ صاحبؒ، حضرت مولانا مدنیؒ، علامہ عثمانیؒ اور مولانا مرتضی حسنؒ نے وعظ وتقریریں فرمائیں، نواب صاحب نے افتتاحی تقریر میں بتلایا کہ:

میں زمانۂ دراز سے دارالعلوم دیوبند کا دلی خادم ہوں اور ہر وقت یہی خیال رہتا ہے کہ اس کی ترقی کی کوشش کروں اور دارالعلوم کی بہبودی کے ذرائع نکالوں، چنانچہ اس وقت بھی کہ یہ خیر مقدم کا موقع ہے، میں چاہتا ہوں کہ کچھ ہدیہ پیش کروں اور امید کرتا ہوں کہ دارالعلوم کے واسطے آپ اس ناچیز کے ہدیہ کو قبول فرمائیں گے، ہر چند یہ محقر نذر اس لائق نہیں کہ اس عظیم الشان کام کے لئے جس کا آپ حضرات نے ذمہ لیا ہے کچھ بھی کفایت کرسکے، تاہم امید کرتا ہوں کہ اس قلیل مقدار کو قبول فرما کر سرفرازی بخشیں گے۔

نواب صاحب نے اپنی اور اپنے خاندان کی جانب سے تیرہ ہزار روپئے کی رقم دارالحدیث کی تعمیر کے لئے عطا فرمائی اور مزید رقم آئندہ باقساط بھیجنے کا وعدہ کیا، ساتھ ہی دارالحدیث کی تکمیل کے لئے جس کی لاگت کا اندازہ ایک لاکھ

روپئے تھا، نواب صاحب نے ایک کمیٹی بنائی اور وفد کو یقین دلایا کہ تعمیر کا کام شروع کردیا جائے، کمیٹی حسب ضرورت چندہ کے ذریعہ روپیہ بہم پہنچاتی رہے گی۔

(تاریخ دارالعلوم دیوبند:۱/ ۲۳۸،۲۳۹)

۱۳۷۶ھ میں حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب (مہتمم دارالعلوم دیوبند) نے سفر برما فراہمیٔ سرمایہ کے لئے کیا۔

حصول چندہ کے لئے

حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کا سفر برما

تاریخ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

اس سال کے اہم حالات میں حضرت مہتمم صاحب کا سفر برما بھی شامل ہے، اس سفر کے محرک رنگون کے ایک اہل خیر جناب حاجی اسمٰعیل محمد باگیا صاحب تھے، موصوف سورت کے رہنے والے ہیں؛ مگر مدت سے تجارت کے سلسلہ میں رنگون میں قیام ہے، حضرت مہتمم صاحب کا یہ سفر ۱۵/ جمادی الاولی سے ۲۸/ رجب تک جاری رہا، اور برما کے مختلف شہروں میں وہاں کے اہل خیر حضرات کی دعوت پر جانا ہوا، حضرت مہتمم صاحب کے اس طویل سفر سے برما میں دارالعلوم کا تعارف خواص سے گذر کر عوام تک ہوگیا، اور دارالعلوم کے حلقۂ اثر میں غیر معمولی توسیع ہوئی، عوام اور حکومت دونوں حضرت مہتمم صاحب کی شخصیت سے متأثر ہوئے، برما کے وزیر اعظم اونو کے علاوہ وزیر عدل وانصاف جناب عبداللطیف صاحب اور وزیر معدنیات جناب عبدالرشید صاحب نے مقصد سفر کو

کامیاب بنانے میں بڑا حصہ لیا، خصوصاً جناب عبداللطیف صاحب اکثر برما کے سفروں میں حضرت مہتمم صاحب کے ہمراہ رہے، عوام نے اپنے غیر معمولی تأثر کا اظہار دارالعلوم کے لئے دو لاکھ روپئے سے زائد رقم فراہم کر کے کیا، اور حکومت نے بڑی فیاضی کے ساتھ اس رقم کو ہندوستان منتقل کرنے کی اجازت دیدی، اس رقم سے کتب خانۂ دارالعلوم کے لئے ایک بڑا ہال تعمیر کرایا گیا ہے، جو مسلمانان برما کی دارالعلوم میں ایک عظیم یادگار رہے۔

اس چندہ کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس میں دو ہزار روپے خود وزیر اعظم اونو کی جانب سے تھے، موصوف نے غیر مسلم ہوتے ہوئے اپنی علمی فیاضی اور رواداری کی ایک ناقابل فراموش مثال قائم کی، مجلس شوری نے مسلمانانِ برما کی اس علم دوستی پر دارالعلوم کی جانب سے شکریہ ادا کرتے ہوئے بطور خاص وزیر اعظم کا شکریہ ادا کیا، یہاں پر یہ بتادینا ضروری ہے کہ اہل برما خصوصاً رنگون کے اہل خیر حضرات اگرچہ دارالعلوم کی امداد واعانت میں حصہ لیتے رہے ہیں، مگر اتنی بڑی مقدار میں چندہ کی فراہمی کا یہ پہلا موقع تھا، اس سفر کی تفصیلات سفر نامۂ برما کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہوچکی ہے۔ (تاریخ دارالعلوم دیوبند: ۱/ ۳۴۹، ۳۵۰)

سفر افریقہ

دارالعلوم دیوبند میں اجلاس صد سالہ منعقد ہوا، اس کے اخراجات کے لئے حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ بذات خود چندہ کے لئے افریقہ تشریف لے گئے، اس واقعہ کو فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے حوالہ سے نقل کیا جاتا ہے۔

ملفوظات فقیہ الامت میں ہے:

ارشاد فرمایا کہ اجلاس صد سالہ کے موقع پر مولانا محمد سعید بزرگ (مہتمم مدرسہ اسلامیہ ڈابھیل) نے حضرت مہتمم صاحب (قاری محمد طیب صاحبؒ) کو خط لکھا کہ اگر آپ اجازت دیں تو افریقہ سے اجلاس صد سالہ کے لئے میں چندہ کر کے لاؤں؛ لیکن شرط یہ ہے کہ مولانا اسعد صاحب کو میرے ساتھ کر دیں! تو مہتمم صاحب نے جواب لکھا تھا کہ میں کیسے اپنے اختیار سے اجازت دیدوں، مجلس شوریٰ میں رکھ کر ان سے پوچھ کر جواب دوں گا، آخر جواب نہ دیا؛ بلکہ خود تشریف لے گئے، ساتھ میں اپنے صاحبزادے کو لے گئے اور وہاں سے ساٹھ یا ستر ہزار روپیہ وصول کر کے لائے۔

اس پر مولانا یونس صاحب نے - جو دارالعلوم کے فاضل ہیں (اور افریقہ ہی کے رہنے والے ہیں) وہاں کی جمعیۃ العلماء کے صدر ہیں- مہتمم صاحب کو خط لکھا کہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ افریقہ جیسے ملک سے آپ نے صرف ساٹھ ہزار روپیہ وصول فرمایا، یہاں پر کسی کام سے مولانا اسعد صاحب نے ہم کو چندہ کی وصولی کے لئے خط لکھا تھا تو ہم نے چھبیس لاکھ روپیہ وصول کر کے بھیج دیا تھا۔

اگر جناب والا ہم خدام کو اس کے لئے امر فرماتے تو اس طویل سفر اور زحمت کی ضرورت نہیں تھی، بڑی رقم وصول کر کے خدمت میں بھیج دی جاتی، آخر یہ خدام دارالعلوم کے پڑھے ہوئے کس کام کے ہیں، جناب والا نے یہ کام بھی نہ لیا ان سے۔ (ملفوظات فقیہ الامت: ۶/ ۱۲۷، ۱۲۸)

حصول چندہ کے لئے محدث سہارنپور کا سفر کلکتہ

حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوریؒ (بخاری شریف کے حاشیہ نگار) مظاہر علوم سہارنپور کی تعمیر کے سلسلہ میں کلکتہ چندہ کے لئے تشریف لے گئے، آپ کے ورع وتقوی کا واقعہ ذکر کرتے ہوئے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ رقمطراز ہیں:

جب مظاہر علوم کی قدیم تعمیر کے چندہ کے سلسلہ میں کلکتہ تشریف لے گئے کہ وہاں مولانا کا اکثر قیام رہا ہے، اور وہاں کے لوگوں سے وسیع تعلقات تھے تو مولانا مرحوم نے سفر سے واپسی پر اپنے سفر کے آمد وخرچ کا مفصل حساب مدرسہ میں داخل کیا (وہ رجسٹر میں نے خود پڑھا ہے) اس میں ایک جگہ لکھا تھا کہ کلکتہ میں فلاں جگہ میں اپنے ایک دوست سے ملنے گیا تھا، اگر چہ وہاں چندہ خوب ہوا؛ لیکن میرے سفر کی نیت دوست سے ملنے کی تھی، چندہ کی نہیں تھی، اس لئے وہاں کی آمد و رفت کا اتنا کرایہ حساب سے وضع کر لیا جائے۔

(آپ بیتی:۱/۲۱)(علمائے مظاہر علوم سہارنپور اور انکی علمی وتصنیفی خدمات:۵۸)

مظاہر علوم سہارنپور کا چندہ

حضرت مولانا منظور احمد صاحبؒ مظاہر علوم سہارنپور کے قابل اور متقی اساتذہ میں تھے، ان کے متعلق حضرت مولانا عبد اللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم سے معلوم ہوا کہ ’’حضرت مظاہر علوم کے چندہ کے لئے ڈابھیل وسملک تشریف لاتے تھے۔‘‘

ایک خواب

فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کا جس زمانہ میں سہارنپور میں قیام تھا، اس وقت مظاہر علوم کے چندہ کے لئے گجرات تشریف لاتے تھے، ایک مرتبہ کھلوڈیا کٹھور (ضلع سورت کے دو گاؤں کا نام ہے) چندہ کے لئے پہنچے، فجر کی نماز کے بعد ایک شخص نے مسجد میں اعلان کیا کہ مظاہر علوم سہارنپور کے چندہ کے لئے کون آیا ہے؟ مفتی صاحب نے فرمایا: میں آیا ہوں، پھر ان صاحب نے بتلایا کہ آج رات خواب میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کو دیکھا جس سے میں سمجھا کہ سہارنپور سے کوئی برائے چندہ آیا ہے، پھر وہ شخص حضرت مفتی صاحب کو اپنے گھر لے گیا، توقیر و تعظیم کا معاملہ کیا اور چندہ بھی دیا، یہ واقعہ خود احقر نے حضرت مفتی صاحب سے سنا ہے۔

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس وقت کے سادہ لوح عوام کے قلوب بھی مدارس اور اس کے محصل چندہ کی اہمیت وعظمت سے لبریز تھے۔

جامع العلوم کانپور کا چندہ

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کا جس زمانہ میں کانپور میں قیام تھا اس وقت جامع العلوم کانپور کا خزانہ خالی تھا، حضرت نے مستقل چندہ کے لئے اپنے اہل تعلق کے نام خطوط لکھ کر اساتذہ کو بمبئی اور دوسرے شہروں میں بھیجا اور چندہ کی شروعات کرائی، اور مقامی اور بیرونی چندہ کا معقول انتظام فرمایا۔ (حیات محمود: ۱/۲۸۳)

جامعہ ڈابھیل کا چندہ

جامعہ ڈابھیل کے بانی مولانا احمد حسن بھام نے مدرسہ تعلیم الدین کے واسطے سرمایہ کی فراہمی کے لئے افریقہ کا سفر اختیار کیا، اور اسی سفر میں جوہانسبرگ (جنوبی افریقہ) میں جان جاں آفریں کو سپرد کی۔

اسی طرح مولانا احمد بزرگؒ (سابق مہتمم جامعہ ڈابھیل، مجاز شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ) نے جامعہ کے اخراجات کے لئے سفر افریقہ کی صعوبتیں برداشت کیں۔

مولانا محمد سعید بزرگؒ (سابق مہتمم جامعہ ڈابھیل) نے جامعہ ڈابھیل کے واسطے سرمایہ کی فراہمی کے لئے مختلف ممالک (ری یونین، موریشش، جنوبی افریقہ) کا سفر کیا۔

حضرات علمائے کرام کے یہ چند نام بطور مشتے از خروارے لکھے ہیں، ورنہ بڑے بڑے بے شمار علماء ہیں جنہوں نے مدرسہ کے لئے چندہ جمع کیا، سفر کی صعوبتیں برداشت کیں، اپنی راحت و آرام کو چھوڑ کر در در کی ٹھوکریں کھائیں، اور عوام الناس کے گھاڑے پسینے کی کمائی سے ایک ایک پائی جمع کر کے مہمانان رسول کے لئے طعام و قیام کا انتظام فرمایا، ان کی یہ قربانی نہ ہوتی تو عالی شان درسگاہیں نظر نہ آتیں، علماء، قراء، حفاظ کی کھیپ کی کھیپ تیار نہ ہوتی، مدارس کے سوتے بالکل خشک ہو جاتے، علم کی روشنی سے لوگ محروم ہو جاتے، مساجد کے لئے ائمہ نہ ملتے، لہٰذا جو لوگ سفراء مدارس کو مساجد میں قیام و چندہ سے روکتے ہیں، ان کا یہ طرز قابل ملامت ہے، شرعی اعتبار سے بھی درست نہیں۔

سفیر کا مسجد میں قیام کرنا

حضرات فقہاء نے مسافر اور پردیسی کے لئے مسجد کے احترام کو باقی رکھتے ہوئے مسجد میں سونے کی اجازت دی ہے، حدیث وفقہ سے ثابت ہے، ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

"کنا ننام علی عهد رسول اللّٰه ﷺ فی المسجد و نحن شباب" (ترمذی: ۱/۷۳)

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں مسجد میں سویا کرتے تھے دراں حالیکہ ہم نوجوان تھے۔ (تحفۃ الالمعی: ۲/۱۳۹)

معلوم ہوا کہ عہد رسالت میں بوقت ضرورت مسجد میں سونا صحابہ کا معمول تھا۔

فتاوی عالمگیری میں ہے: **ولا بأس للغريب و لصاحب الدار ان ينام في المسجد في الصحيح من المذهب، والأحسن أن يتورع فلا ينام.** اهـ. (الفتاوى الهندية: ۵/۳۲۱)

ترجمہ: مسافر اور مقیم کے لئے مسجد میں سونے میں کوئی حرج نہیں ہے، مذہب کے صحیح قول کے مطابق، اور پسندیدہ بات یہ ہے کہ پرہیز گاری اور تقوی اختیار کرتے ہوئے نہ سوئے۔

اسی طرح مسجد میں چندہ کا اعلان کرنا حقوق مسجد ومصلیان کا خیال رکھتے ہوئے درست ہے۔

لہذا جو لوگ مدارس کے لئے چندہ کرنے والے سفراء کو قیامِ مسجد سے

روکتے ہیں ان کا یہ روکنا شرعاً درست نہیں، چندہ بھی ایک کارِ خیر ہونے کی وجہ سے مسجد میں انجام دیئے جانے والے امور میں داخل ہے، اس کی دلیل میں شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے ایک اہم فتوی کے دو اقتباس نقل کئے جاتے ہیں، فتوی کا پس منظر یہ ہے:

مسجد میں چندہ کا ثبوت

''۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۲ء میں مساجد میں دینی وملی اجتماعات کے انعقاد کے متعلق ایک استفتاء ملک کے اہم علماء اور مراکز افتاء کو بھیجا گیا تھا، اس استفتاء کے جواب میں ملک کے مقتدر علماء ومفتیان کرام نے فتاوی تحریر فرمائے جو سہ روزہ الجمعیۃ دہلی کی متعدد اشاعتوں میں شائع ہوئے، اسی ضمن میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کا مفصل فتوی مع تصدیقات دیگر علماء شائع ہوا، اس میں ہے:

یہ مقدس مسجد (مراد مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) زمانۂ سعادت اور اس کے بعد زمانہ ہائے خیر القرون میں صرف دار الصلوۃ والعبادات ہی نہیں رہی جیسا کہ بعض کوتاہ فہم خیال کرتے ہیں الخ''

اس کے بعد حضرت نے نمبر وار تیرہ امور بتلائے ہیں جو مسجد نبوی میں انجام دیئے جاتے تھے، نمبر تیرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

۱۳- اسی طرح یہ مسجد ''دار الاعانۃ والاستمداد'' رہی ہے، جب بھی کوئی مالی ضرورت: جنگی کاروائیوں یا ارباب احتیاج وفقر یا خون بہا اور دیات وغرامات کے لئے پیش آتی تھی، جناب رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو مسجد میں منادی کے ذریعہ

سے بلا کر اعانت اور چندہ کی ترغیب دیتے تھے، مسجد میں ہی چندہ وصول کیا جاتا تھا اور تقسیم بھی وہاں کیا جاتا تھا، سلیک غطفانی رضی اللہ عنہ کا واقعہ، غزوۂ تبوک اور دوسرے غزوات وغیرہ میں بارہا ترغیبیں دی جاتی تھیں، قبیلہ مضر و ہوازن وغیرہ فقراء اور ارباب حاجت وفود کے لئے بارہا یہیں چندہ کیا گیا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مسلمانوں کے جماعتی جملہ امور خواہ ان کا تعلق دنیاوی زندگی سے ہو یا آخرت سے، اور خواہ وہ عبادات کی قسم سے ہوں یا معاملات وغیرہ سے عموماً مسجد نبوی میں انجام پاتے تھے، اور مساجد میں وہ امور نہ صرف جائز ہیں؛ بلکہ مساجد کی ساخت ہی ایسے امور کے لئے ہے۔

یہی وجہ ہے کہ علامہ عینی وحافظ ابن حجر عسقلانی رحمہما اللہ تعالی فرماتے ہیں:

”قال المهلب: المسجد موضوع لامر جماعة المسلمين فما كان من الاعمال يجمع منفعة الدين و اهله جاز فيه الخ“

مہلبؒ کہتے ہیں کہ مسجد کی وضع سے شرعی مقصود مسلمانوں کے اجتماعی امور کا انصرام ہے؛ لہذا ہر وہ کام جس میں اسلام اور اہل اسلام کی مصلحت موجود ہو مسجد میں جائز ہو جائے گا۔ (عمدۃ القاری:۴/۲۲۰، فتح الباری:۱/۴۳۶، فتاوی شیخ الاسلام:۲۳۳)

فتوی بالا کے اقتباس سے معلوم ہوا کہ دینی امور کے لئے چندہ وصول کرنے کا معمول زمانہ ہائے خیر القرون سے چلا آرہا ہے، اس کو بند کرنا، روکنا در حقیقت کارِ خیر کو روکنا ہے کسی مومن کا یہ کام ہو ہی نہیں سکتا ہے۔

چندہ سے روکنا کارِ خیر سے روکنا ہے

ایک کافر ولید بن مغیرہ نے حضور ﷺ کی شانِ ارفع میں ایک گستاخی کی تھی، اللہ تعالیٰ نے بسزا استہزاء قرآن پاک میں دس کلمات (صفات) ارشاد فرمائے، اس میں نمبر چھ کا وصف ہے "مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ" یعنی بھلے کام سے روکنے والا، حضرت شاہ صاحب اس کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں: یہ سب کافر کے وصف ہیں، آدمی اپنے اندر دیکھے اور یہ خصلتیں چھوڑے۔ (سورۂ قلم) (تفسیر عثمانی)

لہذا چندہ سے روکنا در حقیقت کارِ خیر سے روکنا ہے، اس سے اجتناب چاہئے۔

اہل بستی پر سفیر کے لئے کھانے کا انتظام کرنے کی شرعاً کیا حیثیت ہے

جس جگہ ہوٹل نہ ہو؛ نیز وہاں اہلِ چندہ کے لئے طعام کا انتظام نہ ہو، تو وہاں اہل بستی پر لازم ہے کہ سفراء کے لئے کھانے کا بھی انتظام کریں، اگر وہ انتظام نہیں کریں گے تو گنہگار ہوں گے، مشکوۃ شریف میں ہے:

عن عقبة بن عامر رضي الله عنه قال: قلت للنبي ﷺ: إنك تبعثنا فننزل بقوم لا يقروننا، فما ترى؟ فقال: لنا ان نزلتم بقوم فامروا لكم بما ينبغي للضيف، فاقبلوا فان لم يفعلوا فخذوا منه حق الضيف الذي ينبغي لهم. (متفق عليه)

ترجمہ: حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے

عرض کیا کہ جب آپ ہمیں (جہاد یا کسی اور کام کے لئے) کہیں بھیجتے ہیں تو (ایسا بھی ہوتا ہے کہ) ہمیں ایسے لوگوں میں (بھی) قیام کرنا پڑتا ہے جو ہماری مہمان داری نہیں کرتے (ایسی صورت میں) آپ کیا حکم دیتے ہیں؟ (آیا ہم ان سے زبردستی اپنی مہمان داری کرا سکتے ہیں یا نہیں؟) چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ہم سے فرمایا کہ "اگر تم (اپنے سفر کے دوران) کسی قوم کے درمیان قیام کرو اور وہ تمھیں وہ چیز دیں جو ایک مہمان (کو دینے) کے لائق ہے تو تم اس کو قبول کرو، اور اگر وہ ایسا نہ کریں (یعنی مہمان داری کا حق ادا نہ کریں) تو تم ان سے مہمان کا وہ حق لے سکتے ہو جو ایک مہمان کے لائق ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث کا ظاہری مفہوم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اگر میزبان مہمان داری کے حقوق ادا نہ کرے تو مہمان اس سے اپنا حق زبردستی لے سکتا ہے، اس اعتبار سے یہ حدیث ان حضرات کے مسلک کی دلیل بھی ہے جو ضیافت یعنی مہمان کو کھلانا، پلانا ایک واجب حق قرار دیتے ہیں؛ لیکن جمہور علماء کا مسلک چوں کہ یہ نہیں ہے، اس لئے ان کی طرف سے اس حدیث کی کئی تاویلیں کی جاتی ہیں: ایک تو یہ کہ یہ حدیث اصل میں مخمصہ (خالی پیٹ ہونے) اور اضطرار (بھوک کی وجہ سے بے تاب و مضطر ہونے) کی صورت پر محمول ہے، اور ایسی صورت میں جب کہ مہمان سخت بھوکا اور مضطر ہو اس کی ضیافت کرنا بلا شبہ میزبان پر واجب ہوگا کہ اگر وہ (میزبان) اس حق کو ادا نہ کرے تو یہ حق اس سے زبردستی لیا جا سکتا ہے۔ (مظاہر حق جدید: ۵/ ۱۱۵)

حضرت قتادہؒ کا قول ہے: وہ بدترین بستی ہے جو مہمان کی میزبانی نہ کرے اور مسافر کا حق نہ پہچانے۔

قال قتادة: شر القرى التی لا یضاف فیها الضیف ولا یعرف لابن السبیل حقه. (تفسیر روح المعانی: ۶/۶)

حضرت شریح کعبی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اس کو چاہئے کہ اپنے مہمان کی تعظیم و خاطر داری کرے۔ (مظاہر حق جدید: ۱۱۴/۵)

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا مشہور واقعہ سورۂ کہف میں مذکور ہے، اس میں ہے: یہ دونوں حضرات ایک بستی میں پہنچ کر وہاں کے لوگوں سے ملے، اور چاہا کہ بستی والے مہمان سمجھ کر کھانا کھلائیں، مگر یہ سعادت ان کی قسمت میں نہ تھی، انہوں نے حضرت موسیٰ وخضر علیہما السلام جیسے مقربین کی مہمانی سے انکار کر دیا، ایسے تنگ دل اور بے مروت اور بداخلاق لوگوں کے بارے میں رہتی دنیا تک آیت کریمہ ﴿**فانطلقا حتی اذا اتیا اهل قریة استطعما اهلها فابوا ان یضیفوهما**﴾ ترجمہ: ''پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب پہنچے ایک گاؤں کے لوگوں تک کھانا چاہا وہاں کے لوگوں سے انہوں نے نہ مانا کہ ان کو مہمان رکھیں'' سے عبرت کا مقام ہے۔

کچھ وقت پہلے ہمارے دار الافتاء میں ایک استفتاء آیا تھا، احقر نے اس کا جواب لکھا تھا جو محمود الفتاویٰ گجراتی میں طبع ہو چکا ہے، اس استفتاء میں ایک گاؤں

والوں کا سفیر کے ساتھ برتاؤ لکھا ہے کہ مؤذن صاحب کو کہہ دیا ہے کہ کسی کو چندہ کا اعلان کرنے کی اجازت نہ دینا، اور سفیر کے کھانے کا کسی نے انتظام نہیں کیا، اس گاؤں میں ہوٹل بھی نہیں ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ سفیر بھوکے پیٹ واپس لوٹا، حالانکہ گاؤں والے خوش حال ہیں، سب بنگلہ والے ہیں، یہ گجرات کا واقعہ ہے، استفتاء اور اس کا جواب ملاحظہ کیجئے:

دینی امور کے لئے مسجد میں چندہ کرنا

اور چندہ کرنے والے سفیر کے ساتھ برا سلوک کرنا

سوال: ایک گاؤں ہے، اس میں مسجد مدرسہ کچھ نہ تھا، کبھی کبھی تبلیغی جماعت آتی، جو سب کو جمع کر کے دو گھنٹہ میں بیان کر کے چلی جاتی، اس لئے کہ جماعت کو روکنے کے لئے کوئی بندوبست نہ تھا، اس گاؤں میں انیس سال کے بعد مسجد و مدرسہ بنایا گیا، جس سے بچے دینی تعلیم حاصل کر رہے ہیں، اب سوال یہ ہے:

(۱) بہت سی جگہوں پر انگلینڈ اور افریقہ کی مدد سے سنگ مرمر کی مسجد اور مدرسہ بنایا گیا ہے، وہاں پر دوسرے سفیروں کے لئے چندہ کے اعلان کی پابندی لگا دی گئی ہے، تو کیا چندہ سے منع کرنا صحیح ہے؟ اگر اسی طرح ہر جگہ پابندی لگائی گئی، تو غریب گاؤں والے کیا کریں گے؟ وہاں بچے دینی اعتبار سے برباد ہو جائیں گے۔

(۲) ایک سفیر کو اعلان کرنے کی اجازت دی گئی، لیکن صرف اتنی اجازت ہے کہ ’’فلاں مدرسہ کے چندہ کے لئے آیا ہوں، مدد کیجئے‘‘ سفیر نے دو تین منٹ کے لئے اجازت چاہی، تو اجازت نہیں دی، وہ سفیر صرف اتنا بول کر بیٹھ گیا، تو

صرف ان کا چندہ پانچ روپیہ ہوا، دوسرے سفیر نے اجازت چاہی، جو ان کی پہچان والا تھا، تو ان کو دو تین منٹ مزید اعلان کی اجازت دیدی، اس سفیر نے دو تین منٹ میں اپنے علاقہ کے حالات بیان کیے، اس کا بارہ سو روپئے چندہ ہوا، تو ایسا کرنا کیسا ہے؟ اگر کیا سفیر اس طرح تفصیلی اعلان کرے، جس سے مالی تعاون زیادہ ہوتا ہو، تو یہ درست ہے؟

(۳) ایک گاؤں میں لنڈن کی مدد سے عالیشان مسجد بنائی گئی، ایک سفیر کو چندہ کے اعلان کرنے کی اجازت نہیں دی، اس سفیر کے لئے کھانے کا بھی انتظام نہیں کیا اور اس گاؤں میں ہوٹل بھی نہیں ہے، گاؤں میں سب بنگلہ والے ہیں اور مؤذن کو کہہ دیا کہ کسی کو اعلان کرنے کی اجازت نہ دینا، وہ سفیر تین بجے بھوکا گاؤں سے واپس لوٹا تو کیا یہ اہل ایمان کی شان ہے؟ یہ سفیر بھی گجراتی ہے، اور جس جگہ سے چندہ کے لئے آیا تھا وہ جگہ بھی گجرات ہی میں ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً:

ایک مسجد کو شہید کر کے توسیع کی گئی، اسی مسجد کے لئے اس مسجد میں چندہ سے متعلق استفتاء کا جواب تحریر فرماتے ہوئے حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ فرماتے ہیں کہ بہتر اور مناسب صورت یہ ہے کہ مسجد سے باہر چندہ کیا جائے، یا مسجد میں کسی بورڈ پر چندہ کی اپیل (درخواست) لکھ دی جائے؛ البتہ اس طرح چندہ کرنے سے خاطر خواہ کامیابی نہ ہوتی ہو اور مسجد میں جمعہ کے دن چندہ کرنے سے مسجد کا زیادہ فائدہ ہوتا ہو، تو اس شرط کے ساتھ برائے مسجد،

مسجد میں چندہ کرنے کی گنجائش ہے کہ نمازیوں کو تکلیف نہ ہو، ان کی گردن نہ پھاندے، نمازیوں کے سامنے سے نہ گذرے، مسجد میں شور وشغب نہ ہو، مسجد کے احترام کے خلاف کام نہ ہو اور لوگوں کے سامنے کسی کو شرم اور غیرت میں ڈال کر زبردستی چندہ وصول نہ کیا جائے، ان شرائط کی رعایت ضروری ہے، اگر ان کی رعایت نہ ہو سکے، تو مسجد میں چندہ نہ کیا جائے۔ (فتاوی رحیمیہ:۹/۲۳۹)

مسجد میں مدرسہ کے لئے چندہ کرنے کی بابت استفتاء کا جواب تحریر فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں: عام حالات میں مسجد میں مدارس کے لئے چندہ نہ کرنا چاہئے، مسجد میں شوروغل ہوگا، نمازیوں کو خلل ہوگا، مسجد کی بے احترامی ہوگی، لہٰذا مسجد میں چندہ نہ کیا جائے؛ البتہ اگر کوئی خاص حالت ہو، مسجد میں شوروغل نہ ہو، نمازیوں کو تکلیف اور خلل نہ ہو تو گنجائش ہے۔ (فتاوی رحیمیہ:۹/۲۴۰)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے کہ: دینی ضرورت کے لئے مسجد میں چندہ کرنا مرحبا اور **سبحان اللّٰہ** کہہ کر درست ہے، مگر نمازیوں کو نماز میں خلل اور تشویش نہ ہونے پائے۔ (فتاوی محمودیہ ۱۵/۲۷۳)

مسجد میں چندہ کرنے کے لئے سب ہی مفتیان کرام کا جواب ایک ہی ہے، جیسا کہ ذکر کیا گیا، سفیر کے ساتھ جو برتاؤ کیا گیا جیسا کہ آپ نے لکھا ہے، اس کا مقصد اگر مسجد کا احترام اور آداب کی رعایت کرنا ہو، تو ذمہ داروں کا برتاؤ کرنا درست ہے؛ لیکن آپ کے لکھنے کے اعتبار سے ایک دوسرے سفیر کو زیادہ وقت دیا گیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کے آداب کی رعایت مقصد نہیں؛ بلکہ بعض کو

بعض پر ترجیح دینا مقصد ہے، ایسی صورت میں یہ برتاؤ کرنا، قابل مذمت ہے۔

مسلمانوں کے اجتماعی اور ملی کاموں اور مسجدوں، مدرسوں کے لئے مسلمان حضرات کے پاس مدد کے لئے جانا اور امداد کی اپیل کرنا اپنے اکابر کا معمول اور طریقہ رہا ہے، کسی علاقہ یا گاؤں یا شہر کے لوگوں کا اس پر پابندی لگانا اکابر کے عمل کو توڑنے کے مرادف ہے، اس کا انجام بہت برا ہے، اس لئے جو حضرات ایسے طریقے اپنا رہے ہیں، وہ اسلام اور مسلمانوں کے خیر خواہ نہیں ہیں، وہ اپنے اس طرز عمل سے امت کو ایسا نقصان پہنچا رہے ہیں، جس کی تلافی ناممکن ہے، اللہ تعالی ان کو ہدایت اور صحیح سمجھ عطاء فرمائے۔

(۴) جو اجنبی مسافر کسی بستی میں اپنے ذاتی کام یا مسلمانوں کی اجتماعی دینی ضرورت کے لئے آتا ہے، اس کی ضیافت اور قیام اور طعام کا انتظام کرنا مسلمانوں میں ماضی سے بڑے لوگوں کا دستور رہا ہے، یہی اسلام کی تعلیم بھی ہے، لہذا جو کوئی مسافر مدرسہ کی مدد کے لئے آئے، جس کو سفیر کہتے ہیں، اس کو گاؤں کی مسجد میں اعلان کرنے سے روکنا اور مسجد کے حصہ میں جہاں دین کی نسبت پر آنے والے حضرات قیام کرتے ہیں وہاں قیام کرنے سے روکنا اور گاؤں چھوٹا ہونے کی وجہ سے پیسے خرچ کر کے از خود کھانے پینے کا انتظام کرنا مشکل ہونے کے باوجود، ان کی میزبانی اور مسافروں کا حق ادا کرنے سے گاؤں والوں کا غفلت برتنا قابل ملامت ہے، اور اسلامی اخلاق حسنہ کے خلاف ہے، ایسے لوگوں کو اپنے طرز عمل پر نظر ثانی کرنی چاہئے۔ فقط واللہ تعالی اعلم (محمود الفتاوی گجراتی: ۲/ ۲۳۵ تا ۲۳۹)

سفیر کی تذلیل سے عذاب دنیوی کا اندیشہ

عموماً اہل مدارس کے سفراء رمضان المبارک میں چندہ وصول کرنے آتے ہیں، وہ بے چارے روزہ کی حالت میں در بدر پھر کر شام کے تھکے ماندے مسجد میں آتے ہیں، ان میں شیوخ حدیث اور بڑے علماء بھی ہوتے ہیں جن کا اپنے حلقہ میں خاص مقام ہوتا ہے، بعض علماء صاحب نسبت بھی ہوتے ہیں، ایسے ذی وقار اہل علم کو مسجد میں قیام کرنے سے روکنا، دھکے دے کر باہر کرنا بہت ہی برا ہے، اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنا چاہئے، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے اپنے دار العلوم کراچی کے لئے محصل چندہ کسی عالم کو کبھی مقرر نہیں فرمایا، ایسا کیوں؟ اس کی وجہ خود وہاں کے ناظم (حضرت مولانا سبحان محمودؒ) صاحب تحریر فرماتے ہیں ان ہی کے الفاظ میں:

''آپ نے (مراد حضرت مفتی شفیع صاحبؒ) دار العلوم کے لئے چندہ وصول کرنے والا سفیر کبھی کسی عالم یا حافظ کو مقرر نہیں کیا، فرمایا کرتے تھے کہ اہل علم کی تذلیل وتحقیر میں ایک طرف تو علماء کی دنیوی رسوائی ہے اور دوسری طرف ذلیل سمجھنے والے کے دین و ایمان کے لئے بھی بڑا خطرہ ہے، بعض اوقات علماء کی تذلیل کفر تک پہنچا دیتی ہے اور پتہ بھی نہیں چلتا، اور اس سے بھی بڑا خطرہ یہ ہے کہ اگر وہ عالم اللہ والا بھی ہے تو ذلیل سمجھنے والے پر دنیا میں بھی عذاب کا اندیشہ ہے، آخرت کا معاملہ اللہ جانے، اس طرح آپ نے علماء کی عزت کے تحفظ کے ساتھ عام مسلمانوں کے دین وایمان کو بھی محفوظ کر دیا'' (البلاغ خصوصی اشاعت:۸۹۲)

مدارس دینیہ کی اہمیت

مدارس کے سفراء کی تذلیل وہی شخص کرسکتا ہے جس کے دل میں مدارس دینیہ کی اہمیت و وقعت نہ ہو، اس لئے مضمون کے اخیر میں مدارس کی اہمیت کو واضح کرنے کی خاطر حضرت اقدس مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کے دو اقتباس نقل کئے جاتے ہیں، بغور ملاحظہ فرمالیں:

''اس میں ذرا شبہ نہیں کہ اس وقت علومِ دینیہ کے مدارس کا وجود مسلمانوں کے لئے ایسی بڑی نعمت ہے کہ اس سے فوق (زائد) متصور نہیں، دنیا میں اگر اسلام کے بقاء کی کوئی صورت ہے تو یہ مدارس ہیں؛ کیونکہ اسلام نام ہے خاص عقائد و اعمال کا جس میں دیانات، معاملات، معاشرت اور اخلاق سب داخل ہیں، اور ظاہر ہے کہ عمل موقوف ہے علم پر، اور علوم دینیہ کا بقاء ہر چند کہ فی نفسہ مدارس پر موقوف نہیں، مگر حالات وقت کے اعتبار سے ضرور مدارس پر موقوف ہے۔'' (حقوق العلم: ۸۴، تجدید تعلیم وتبلیغ: ۶۶، چندہ اور اس کے آداب واحکام: ۱۷)

حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ نے اپنی ایک تقریر میں بڑی قوت کے ساتھ یہ فرمایا تھا کہ:

''یہ اسلامی مدرسے اس تاریکی کے زمانہ میں جہاں عالمگیر ہے بمنزلہ آفتاب و ماہتاب ہیں جو اپنے نور سے عالم کو منور کررہے ہیں، غور کر کے دیکھو کہ اگر آج یہ اسلامی مدارس صفحہ عالم پر نہ ہوتے تو کیا علوم اسلام عدم کو نہ سدھار جاتے اور بڑے بڑے شہروں میں بھی مسائل کا بتلانے والا نہ ملتا، اور اب ان مدارس کی بدولت شہر شہر، قصبہ قصبہ؛ بلکہ گاؤں میں بھی علماء موجود ہیں، جو دین محمدی ﷺ کی اشاعت کر

رہے ہیں اور خلقت کو گمراہی سے بچا رہے ہیں، تو ایسے مدارس کو جو خلافت نبوت کی خدمت بجا آوری کر رہے ہیں کون ایسا مسلمان ہے جو عزت اور محبت کی نگاہوں سے نہیں دیکھے گا، ایسا شخص تو وہی ہوسکتا ہے جس کو نہ اسلام سے تعلق ہو اور نہ رسول اللہ ﷺ سے علاقہ ہو، نہ خدا تعالیٰ سے سروکار ہو، شقاوت ازلی اس کے سر پر سوار ہو، شیطان کے ہاتھوں میں اس کی زمامِ اختیار ہو، ایسا شخص اگر ان دینی مدارس کو حقارت کی نظر سے دیکھے اور ان کا پکا دشمن اور مخالف ہو تو کچھ تعجب انگیز نہیں، ورنہ ان دینی مدارس کے وجود سے جس محلّہ میں ہوں اس کی عزت جس شہر میں ہوں اس کی عزت؛ بلکہ جس ملک میں ہوں اس کی عند اللہ اور عند الناس عزت وحرمت ہے، کیونکہ گویا رسول اللہ ﷺ کا ایک سچا خلیفہ وجانشین ہے جو آپ کے دین کی تبلیغ وتعلیم کر رہا ہے، تو جس کو جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ذرا سی بھی سچی محبت ہوگی اس کو بالضرور ان مدارس کے ساتھ محبت اور دلچسپی ہوگی، اور مدارس کے طلباء وعلماء کے ساتھ ارتباط اور الفت ہوگی، اور جس کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ارتباط اور الفت نہ ہوگی اور جس کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جھوٹی محبت کا دعویٰ ہوگا، اس کو بے شبہ مدرسہ اور مدرسہ کے طلباء سے دلچسپی نہ ہوگی؛ بلکہ تنفر ہوگا، پس ہر شخص جس کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنی محبت کا اندازہ کرنا مدنظر ہو وہ ان مدارس کے ساتھ اپنی محبت کا اندازہ کر کے دیکھ لے، جس قدر ان مدارس کے ساتھ علاقہ محبت کا ہوگا اسی قدر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ علاقہ محبت کا ہوگا، اس لئے کہ یہ مدارس گویا رسول اللہ ﷺ کے نائب ہیں اور نائب اور منیب کا عقلاء کے نزدیک ایک ہی حکم ہوتا ہے۔

(تاریخ مظاہر: ۱/۸۳) (علمائے مظاہر علوم سہارنپور اور ان کی علمی وتصنیفی خدمات: ۳۸، ۳۹)